جلے کا شجر

باہتمام محمد انوار

شانہ ارمارکیٹ

مٹیا محل دہلی

(جمال پرنٹنگ پریس دہلی-۶)

قیمت ——— دس روپے

خالد کے بچّے

تمہارے نام ....

حمیدہ جبیں

دِل کا شہر

*

حمیدہ جبیں

*

ناز کتاب گھر
شانہ ارمارکیٹ
مٹیا محل دہلی

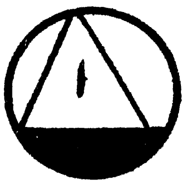
۵

دانش ڈریم لینڈ کلب کا ممبر کیا بنا۔
کلب میں ہلچل سی مچ گئی۔ پہلے دن ہی لڑکیوں کے
چہرے ایک دوسری کو دیکھ کر سوالیہ بن گئے۔

"اچھا ہے!"
شکیلہ مسکرا کر بولی

خوب ہے۔ ! مسز ناصر نے اپنی بھنووں
کو جنبش دی

"سمارٹ اور خوبصورت۔ !"
کٹی نے کوکا کولا کا گلاس ایک سانس
میں ختم کر دیا۔



کلب کے سکریٹری کی آواز نے سب
کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"لیڈیز اینڈ جینٹلمین۔ !"

"مسٹر دانش ہمارے کلب کے نئے
ممبر ہیں۔ مسٹر دانش کا شمار شہر کی اہم شخصیتوں
میں ہوتا ہے۔ آپ حال ہی میں اپنے وطن
واپس آئے ہیں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے
ہمارے کلب کو رونق بخشی۔

ہال تالیوں کے شور سے گونج اٹھا۔

اور اس رنگ و نور کے سیلاب میں کلب کا سکریٹری دانش کو لوگوں سے متعارف کروا رہا تھا۔

سفید قمیض اور سفید پتلون میں ملبوس، دراز قد، خوبرو اور نشیلی آنکھوں والے دانش سے ملتے ہوئے لڑکے حسد میں مبتلا تھے۔

اور لڑکیوں کے رنگ گلابی ہوئے جا رہے تھے۔

مسز رُشدی تو جیسے چپک کر رہ گئی تھی اس سے۔

اور بیٹھی خواتین میں سرگوشیاں زیادہ بڑھ گئیں۔

"مسز رُشدی کو دیکھا۔!" ریٹا ہنستے ہوئے بولی۔

"عجیب چیز ہے۔ کلب کا کوئی نیا ممبر آئے۔ سب سے پہلے تو مسز رُشدی اس کی دوست بنتی ہے۔!"

"اگر ممبر خوبصورت اور جوان ہو۔ تو بس ایک دو ماہ تک تو وہ اور مسز رُشدی اکیلے ہی برج کھیلتے نظر آئیں گے۔ نہ جانے نوجوانوں سے ملنے کا کیا کمپلکس ہے اس میں!"

ربنو بولی۔

"اس دن کہہ رہی تھی مجھے مسز رُشدی نہیں سیما کہا کرو۔ مجھے اس کی یہ عمر اور ایسی باتیں سن کر بڑی ہنسی آئی!"

"حالانکہ رشدی صاحب کی تیسری بیوی ہیں۔!"

مسز سیال بولیں۔

"رشدی اس کے بھی تو تیسرے شوہر ہیں!"

انہوں نے کہا

ہنسی کا ایک چھناکا بکھرا۔

"کہتی ہے شادی تو جسموں کا ملاپ ہے۔ لیکن روح میری تشنہ ہے۔"

ریٹا نے رازدار لہجے میں کہا۔

"ٹھیک بھی تو ہے۔!"

کٹی جل کر بولی۔

"ماں باپ بھی تو نام نہاد، غیرت وقار کے لئے اولاد پر کتنا ظلم کرتے ہیں۔ رشتہ جوڑ کا کرنا چاہیئے۔ اب سیما کیسی نازک بدن بیل سی ہے۔ اور رشدی صاحب کی توند ایسی نکلی ہوئی ہے کہ گیلس بھی ابھی چیخنے رہتے ہیں۔"

"ہاں واقعی کٹی سچ کہتی ہے۔ رشتہ جوڑ کا ہونا چاہیئے۔!"

مسز سیال نے سانس بھر کر کہا۔

"پسند کو کون پوچھتا ہے جی دولت کی بات کرو۔!"

کٹی بولی۔

"اب ریٹا بیچاری کو دیکھو۔ شوہر کے ساتھ چلتی یوں لگتی ہے جیسے ہاتھ میں لالٹین پکڑ کر چل رہی ہو۔!"

"اے سویٹ ایڈیشن ان آور کلب۔!"

مسز رشدی مسکراتی ہوئی آئی اور دھڑام سے کرسی میں دھنس گئی

"کیا خبر لائی ہو۔!"

مسز سیال بولیں۔

"لاجواب شخصیت۔! دانش نام ہے اس کا۔"

"بات بڑے پیارے انداز میں کرتا ہے۔ وٹ اے پرسنیلٹی بھرا لمبی ہنگ ہے!"

"کیا۔!" سب خواتین نے پوچھا۔

"ہاں۔! بس مزہ آئے گا اس کی کمپنی میں۔!"

"اور رشدی صاحب آنٹی۔!"

کٹی نے پوچھا۔

"ذائقہ خراب نہ کیا کرو کٹی۔!

مسز رشدی ہنس کر بولی۔

"تم پھانس لو کٹی۔ اچھا موقعہ ہے۔!"

ربنو نے کٹی کو مشورہ دیا۔

"کیا بات کرتی ہو۔ ابنو۔!"

کٹی شرما گئی۔

"زندگی کا نچوڑ تیار ہی ہوں نہیں تو ہماری طرح رو گی۔ پہلے مرد حرم کے لئے لونڈیاں خریدتے تھے۔ تب عورت گھر کی زینت تھی۔ آج وہ نمائش کی چیز یعنی شو پیس بن گئی ہے۔ آج تو مردوں کو وہ شے چاہیے جس پر زمانے بھر کی نظریں گڑ جائیں چاہے اس کی اپنی شخصیت مقابلے میں صفر ہی کیوں نہ ہو۔

بس دو چار بار اپنی چمک دمک کا مظاہرہ کرو۔ مچھلی کو تو جال میں پھنسنا ہی ہے پھر کیوں نہ جال سنہرا ہو۔ زندگی کے کچھ دن تو سنہرے ہو جائیں گے۔!"

"بڑی چالاک ہو گئی ہو۔"

کٹی ہنستے ہوئے بولی۔

"سچ کہہ رہی ہوں بھئی۔ یہاں تو جملہ حقوق ہی محفوظ ہو چکے ہیں۔"

"آہستہ بولو۔ تمہارا میاں اسی طرف دیکھ رہا ہے۔!"

مسز رشدی بولیں۔

تو کیا کروں یہ ذاتی آزادی کا دور ہے۔ ان سے میری شادی ہو گئی ہے روح تو ابھی آزاد ہے۔ اسے بہلانے کے لئے کسی کی باتیں بھی نہ کروں۔!"

مسز رشدی کو یوں لگا جیسے واقعی اینو سچ کہہ رہی ہے۔ ابھی وہ کچھ کہنے والی تھی کہ دانش کلب کے سکریٹری کے ساتھ ان کے بالکل قریب آ گیا۔

سکریٹری تعارف کراتا جا رہا تھا۔

یہ مسز رشدی۔

یہ ریٹا ہیں۔

یہ اینو صاحبہ ہیں

یہ آئی کٹی ہیں ٹیبل ٹینس کی کلاس وَن کھلاڑی

اور یہ مسز طاہر ہیں۔ کلب کی رونق۔

اور آپ مسز سیال ہیں۔

دانش نے سب سے ہاتھ ملایا۔ ان سے باتیں کیں۔

کٹی کا چہرہ گلابی ہو گیا۔ اور اپنے ہاتھوں پر دانش کے ہاتھ کا لمس سحر بن کر اس پر چھا سا گیا۔

مسز رشدی کو یوں لگا تھا جیسے اس کی روح میں کائنات اتر آئی ہو اور تب وہ ہر روز کلب آنے لگا۔ اس کی شامیں یہیں بسر ہونے لگیں۔

وہ عورتوں سے زیادہ مردوں کی محفل پسند کرتا لمبی لمبی بحثیں چلا کرتیں اور وہ قائل کرنے کی کوشش کرتا رہتا۔

مسز رشدی نے اسے کئی بار کھانے پر بلایا مگر وہ بڑی خوبصورتی سے ٹال گیا۔

کٹی نے اسے کئی دفعہ باہر گھومنے کی پیش کش کی مگر وہ کوئی نہ کوئی بات بنا دیتا۔

بیڈمنٹن اور ٹیبل ٹینس میں وہ سب سے تیز تھا۔

ایک عجیب سی بے کلی تھی خواتین کی

مسز رشدی کٹی کا منڈلانا برداشت نہ کر سکتی تو کہتی۔

"دیکھو کٹی۔ انگارہ ہے وہ بچ کر رہنا جل جاؤ گی۔

"شعلہ تو وہ آپ کے لئے بھی ہے آنٹی۔ آپ کیوں نہیں بچنے کی کوشش کرتیں!"

کٹی جواباً کہتی۔

"میں تو شادی شدہ ہوں۔ میری تو مجبوری لگی ہے۔ وہ کہیں ہو سکتی ہے۔ تم لڑکی ہو۔ بدنام ہو جاؤ گی!"

مسز رشدی اسے سمجھاتی۔

اس کے ساتھ بدنام ہونے میں بھی کتنا مزہ ہے!"

کٹی ہنس کر کہتی۔ ہیلو کٹی۔ دانش اس کے قریب آگیا۔ اور مسز رشدی کے لبوں پر زہر سا پھیل گیا۔

"ہیلو دانش۔ کھیلو گے۔!"

"نہیں۔!"

"کیوں۔!"

مسز رشدی سے باتیں کروں گا۔!" دانش نے کہا۔ اور کٹی کی آنکھوں میں دھند چھا گئی۔

مسز رشدی نے فاتحانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور دانش کے ساتھ کونے والی میز کے قریب چلی گئیں۔

٢

کلب میں ایک نئی رقاصہ آئی تھی۔
ناچتی بھی خوب تھی اور نچاتی بھی اچھا تھی، حسین بھی تھی اور ذہین بھی۔ اسی لئے لوگ اس کی طرف زیادہ متوجہ تھے۔

لیکن دانش ہمیشہ کی طرح نارمل تھا وہ جب بھی اس کے قریب ہوتی، دانش زیادہ تر دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ رہتا۔ اس کی یہ بے رخی، مینا جیسی حسین تتلی کو بڑی کھٹکتی، لیکن اس نے بھی دانش کو لفٹ نہ دی۔ ظاہراً تو نظر انداز کر گئی لیکن دل سے نہ کر سکی۔

دانش کلب کے کسی کونے میں ہوتا وہ اسے نظر میں رکھتی۔ ظاہراً دوسرے لوگوں سے باتیں کرتی لیکن دھیان دانش پر لگا رہتا۔

آج کئی روز ہو گئے تھے مگر دانش کی طرف سے کوئی توجہ نہ پا کر جھلا اٹھی تھی۔

اس وقت بھی دانش کٹی کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ کٹی میز کے گرد بھاگ بھاگ کر پسینے میں شرابور ہو رہی تھی۔

"کبھی تم سے نہیں جیت سکتی!"

تھک کر کٹی کرسی میں دھنس گئی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ پسینے کی دھاریں اس کی گردن سے ہو کر سینے کی جانب بہی جا رہی تھیں۔ خشک بالوں کی کچھ لٹیں پیشانی پر چپک گئی تھیں اس کی گہری نیلی ساڑھی بجلی کے قمقموں میں آنسوؤں کی مانند چمک رہی تھی۔

دور بیٹھی مینا کی آنکھیں اور بھی کشادہ ہو گئیں سینے میں طوفان کی مانند ہیجان برپا تھا

"دانش۔ !"

کٹی اس کے قریب ہو کر بولی۔

"ہاں ! اس نے جیسے اس قربت کا کوئی نوٹس ہی نہ لیا ہو۔

"یہ مینا بڑا گھورتی ہے تمہیں۔ !"

وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

"مجھے اچھا نہیں لگتا۔ !"

کٹی بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

کیوں۔ ؟

بس یونہی۔ وہ گھبرا گئی۔

اور دانش زور سے ہنس دیا۔ پھر کہنے لگا اچھا کٹی میں چلا۔

کہاں۔

آج میں اپنے ایک بہت اچھے دوست سے ملنے جا رہا ہوں۔

کون ہے وہ۔

بہت پیارا دوست۔ بہت اچھا ساتھی۔

اچھا۔ بائے۔
کٹی ایک آہ بھر کر رہ گئی۔ اور مینا کی نظریں دور تک دانش کا تعاقب کرنے لگیں۔ اور پھر ایک نفرت کے ساتھ اس نے کٹی کو دیکھا اور طنزیہ ہنس دی۔
دانش باہر نکلا۔ کار نکالی اور انور کے ہاں چل دیا۔
انور اس کا بہت پیارا دوست تھا بچپن میں وہ دونوں ساتھ کھیلے تھے۔ بعد میں وہ ملک سے باہر چلا گیا۔ شہر کے ایک تنگ سے محلے میں انور اپنی ماں کے ساتھ رہتا تھا۔ اس نے کار گلی میں پارک کی اور سیدھا اندر چلا گیا۔
"آداب امی۔!"
دانش انور کی ماں کو دیکھ کر بولا "
"اوہ دانش بیٹا۔ جیتے رہو۔ کہو کیسے ہو۔"
"دعا ہے آپ کی امی۔! آپ کیسی ہیں!"
وہ وہیں تخت پر انور کی امی کے پاس ہی بیٹھ گیا۔
"اللہ تعالیٰ کا کرم ہے۔ کئی دنوں سے تمہیں یاد کر رہی تھی۔ انو سے کئی بار کہا کہ دانش سے کہنا آ کر مل جائے۔ مگر جانے اس نے تم سے کہا کہ نہیں۔!"
امی پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔
"وہ تو مجھے ملا ہی نہیں کئی دن سے۔ اس وقت کہاں گئے ہیں نواب صاحب!"
"ٹیکسی لے کر صبح سے گیا ہوا ہے۔ اب آنے ہی والا ہو گا۔
"چائے بنا لاؤں تمہارے لئے۔!"
"نہیں امی شکریہ۔! آپ میرے پاس بیٹھی رہیں بس یہی کافی ہے!"

"نہیں بیٹے میں ابھی دو منٹ میں چائے بنا لیتی ہوں۔ تم بیٹھو۔ انوا اب آتا ہی ہو گا!"
امی باورچی خانے میں چلی گئیں۔ اور دانش انور کے بارے میں سوچنے لگا۔
بچپن میں وہ دونوں ساتھ کھیلے تھے۔ باوجود اس کے کہ دانش نے امیر ترین گھرانے میں جنم لیا تھا اور انور غریب ماں باپ کی اولاد تھا۔ مگر دونوں میں بے انتہا دوستی تھی۔ اسے یاد آیا ایک بار دانش کے والد نے انور کی دوستی کو اپنے بیٹے کے لئے اچھا نہ سمجھا تھا۔ اور کہا تھا۔

"بیٹا ان لوگوں کو زیادہ منہ نہیں لگاتے!"
اور اتفاق سے انور نے بھی یہ بات سن لی تھی۔ تب انور نے آنسو بھری آنکھوں سے سوال کیا تھا۔

"دانش مجھ سے اپنا پیار نہ چھیننا!"
اور دانش نے کبھی بھی انور کو یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ ان دونوں میں کوئی فرق ہے اور نہ ہی وہ ایسا سمجھتا تھا۔

انور کو تعلیم اور اچھا ماحول نہ ملا لیکن پھر بھی وہ محنتی اور خوددار تھا۔
اب جب کہ دانش سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ خود مختار تھا۔ اس نے انور سے کئی بار کہا تھا کہ وہ دانش کا ہاتھ بٹائے۔ اس کی مل کا انتظام سنبھال لے۔ لیکن انور ہمیشہ بڑی خوبصورتی سے ٹال جاتا۔ اور کہتا وہ اپنے کام پر بڑا مطمئن ہے۔
دانش اس کی حساس طبیعت سے واقف تھا۔ اسی لئے وہ بھی خاموش تھا۔

امی چائے لے کر آئیں۔ تو انور بھی آگیا۔

"ارے تم۔!"

انور اس سے لپٹ گیا۔

"جی ہاں میں۔ تم تو صورت دکھانے سے رہے "

"قسم ہے تمہاری آج تمہاری طرف گیا تھا۔ تم تھے نہیں "

"جی ہاں۔ معلوم ہے مجھے۔!"

دانش نے منہ بنا کر کہا۔

"روٹھے ہوئے ذرا بھی اچھے نہیں لگتے۔ کیوں اماں۔!"

انور بولا۔

"اچھا لو۔ چائے تو پلاؤ اسے۔!"

ماں نے دونوں کی طرف محبت سے دیکھا اور بولیں۔

"میں تمہارے لئے کھانا گرم کردوں "

"یہ بتاؤ اتنے دن ملے کیوں نہیں "

"کچھ مصروف رہا۔!"

انور چائے پیالی میں ڈالتا ہوا بولا۔

"کیسی مصروفیت تھی "

دانش زیرِ لب مسکرایا۔

"تھی نہیں بھائی ہے۔!"

انور بولا۔

"اچھا۔ مصروفیت کا تعارف ہم سے کروانا "

دانش بولا۔

" کروادیں گے کسی روز "

انور ہنس کر بولا۔

" کون ہے۔ کہاں ہے۔ کیا ہے !"

دانش نے پوچھا۔

" یار ایک بات کہوں اپنے ملک کی لڑکیوں میں کوئی کشش نہیں رہی !"

" کیوں !"

دانش حیرت سے بولا۔

" اگر کوئی گوری ہے نا۔ تو صحت اچھی نہیں۔ کوئی سانولی ہے تو اتنی دبلی کہ توبہ اگر اتفاق سے کوئی تندرست اور گوری چٹی ہے تو کشش سے عاری۔ یہاں تو حسن ہی ناپید ہے !"

" تمہید نہ باندھو۔ یہ بتاؤ وہ پری کون ہے جس نے تمہیں یہ باتیں سکھائی ہیں !"

دانش ہنس کر بولا۔

" حسن ہے مکمل حسن صحت مند ایسی کہ مردوں کو دھکے دے کر چلتی ہے۔ !"

" واہ واہ کیا کہنے۔ اسی لئے اپنے ملک کی لڑکیوں میں کیڑے نکالے جا رہے ہیں۔ !"

" اپنے ملک کی لڑکیاں۔ تو یہ بھولے سے ٹکرا جائیں تو شرم سے دہری ہو جائینگی !"

" بتاؤ بھی کچھ اب۔ !" دانش جھلا گیا

" کیا بتاؤں !" انور ہنس کر بولا۔

" حسن بے باک کے بارے میں !"

"ٹائپسٹ ہے ایک دفتر میں۔ اور لندن سے امپورٹ ہوئی ہے "
"تمہیں کہاں ملی۔!"
"سواری کی صورت میں۔!"
"سیریس ہونا؟"
دانش نے پوچھا۔
"نہیں یار۔!"
"کیوں۔!"
"ابھی تو گپ شپ ہے!"
"اچھا بک بک چھوڑو۔ میں تمہارے پاس ایک کام سے آیا ہوں!"
دانش بولا۔
"خیریت۔؟؟
"بالکل خیریت! وہ میرا جنرل منیجر تھا نا۔ اسے میں نے چھٹی دیدی "
"کیوں۔!"
"حساب کتاب میں خاصی ہیرا پھیری کی اس نے!"
"اچھا پھر۔!"
"میں تم سے یہ کہنے آیا ہوں۔ اگر تمہیں مجھ سے ہمدردی ہے تو میرے پاس آجاؤ اور کام سنبھال لو!"
انور کا ہنستا ہوا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ وہ چپ سا ہو کر رہ گیا۔
"خاموش کیوں ہو گئے۔!"

"ایک بات کہوں دانش۔!"

وہ سوچتا ہوا بولا۔

"سوچ کر کہنا۔!"

"مجھے علم ہے کہ۔ تم۔ تم چاہتے ہو کہ میں ڈرائیوری چھوڑ کر کسی بہتر جگہ پہ کام کروں۔!"

"لیکن دانش۔ میں اپنے آپ کو اس لائق نہیں سمجھتا اور نہ ہی میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں کی دوستی میں کوئی فرق آئے۔!"

"پاگل ہو تم۔ دوستی اتنی کچی سمجھ رکھی ہے تم نے!"

"نہیں دانش تم ایسے دوست ہو نا۔ تو مجھ سے ایسی بات نہ کرو۔ میں اسی جگہ ٹھیک ہوں۔!"

دانش نے لاکھ سمجھایا مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

دانش نے ناراض ہونے کی دھمکی دی تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

مجبوراً دانش کو اس کی بات مان لینا پڑی۔

اس رات وہ کتنی دیر تک امی اور انور سے باتیں کرتا رہا۔ ان باتوں میں خلوص اور محبت تھی۔

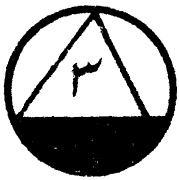
اسے ہمیشہ انور سے مل کر ایک سکون سا ملتا۔

اس رنگ و نور کی دنیا سے جب بھی اس کا دل گھبراتا وہ انور کے ہاں آجاتا۔

کبھی کبھار انور اس کے پاس آجاتا اور دونوں ہنستے، قہقہے لگاتے۔ انور

۲۰

اور اس کی ماں نے دانش سے کئی بار کہا تھا۔
کہ وہ شادی کر لے مگر شادی کے بارے میں دانش نے کچھ سوچا ہی نہ تھا۔
وہ ہمیشہ مسکرا کر خاموش ہو جاتا۔
آج پھر دانش کی شادی کا قصہ چھڑ گیا۔ اور دانش نے ہمیشہ کی طرح یہی جواب دیا۔ سوچا ہی نہیں۔ رات جب وہ گھر لوٹا تو پرسکون تھا۔



دفتر میں دن بھر سر کھپا کر ابھی ابھی
وہ گھر لوٹا تھا۔

شہر میں صنعتی نمائش لگ رہی تھی
اس لئے کام زیادہ تھا۔

اس کی مل کے بنے ہوئے پارچہ جات
ملک اور بیرون ملک میں بھی مشہور تھے اور اس
نمائش میں بھی وہ حصہ لے رہا تھا۔

اس کی محنت، غیر معمولی انتظامی لیاقت
اور حسن تدبیر کی بنا پر تمام ماتحت اس سے خوش
تھے۔ وہ ہر ایک سے محبت سے پیش آتا۔ ہر ایک
کی عزت کرتا لیکن اس تمام شہرت، دولت
اور نیک نامی کے باوجود وہ بے سکون تھا۔
جب کبھی تنہائی نصیب ہوتی۔ جانے کیا کیا
سوچتا رہتا۔

اسی لئے وہ اپنے آپ کو مصروف
رکھنے کی کوشش کرتا رہتا۔

اپنے ملنے جلنے والوں کو وہ اپنی باتوں
اپنی شخصیت سے پھولوں کی سی مہک دیتا
لیکن خود اس کی اپنی زندگی اسے کبھی کبھی

کانٹوں کی طرح چبھتی۔

دوسروں کی محفل کو وہ انہی دلچسپ باتوں سے قہقہہ زار بنا دیتا۔ لیکن اپنا اسے ادھورا لگتا۔

اسی لیے گھنٹوں بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہتا۔ پھر تھک کر کہیں ٹھہر جاتا یہ وہی وقت ہوتا جب اس کے چہرے سے وہ مصنوعی نقاب اترجاتا جسے وہ برسوں کی ریاضت کے بعد اپنی شخصیت پر پردہ ڈالنے کے لیے تیار کر سکا تھا۔ تنہائی میں وہ کوئی اور ہی دانش ہوتا۔

ایک ایسا دانش جو مایوسی تھکن اور شکست کا پتلا ہوتا جس کے لیے دل میں ناکام آرزوؤں کی قبریں ہوتیں، اور دماغ پر تھکن کی دھند ہوتی۔ ماں باپ نے اسے بے پناہ چاہا تھا۔

ایک حادثے میں وہ دونوں اس سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئے تو دانش کو گہرا صدمہ ہوا۔

کچھ روز تو وہ بدحواس رہا کہ ماں باپ کے بغیر کیسے جی سکے گا اور پھر آہستہ آہستہ کاروبار میں مصروف ہو کر وہ بہل گیا۔

اس کے بعد اس کی زندگی میں عذرا آگئی۔

لندن جاتے ہوئے عذرا اس کی ہمسفر تھی۔ لندن میں عذرا کی قربت نے اس پر اچھا اثر کیا۔

اور جب اس نے چاہا کہ عذرا کو اپنالے تو عذرا کسی اور کی ہو گئی۔

یہ دوسرا صدمہ دانش کو سنجیدہ بنا گیا۔

کم عمر ہونے کی وجہ سے جذبات بے قابو سے تھے۔ اسی لئے دانش نے اس حادثہ کا بہت اثر لیا تھا۔ اور اب آٹھ سال گزرنے کے بعد دانش کو عذرا بھول چکی تھی اب وہ اور ہی دانش تھا سنجیدہ سا، پُر وقار سا، ہر محفل کی جان۔

لیکن کبھی کبھی جب وہ اپنے سنسان کمرے میں داخل ہوتا تو اسے اپنے آپ پر ترس آنے لگتا۔

کئی لوگ اسے دعوتیں دیتے صرف اسی غرض سے کہ وہ ان کے گھر آئے۔ ان کی بیٹی یا بہن کو پسند کرے اور شادی رچائے۔ کلب میں کئی خواتین اس کے قرب کی خواہشمند تھیں۔

لیکن جانے کیوں محبت کے معاملے میں وہ اتنا بے حس کیوں ہو گیا تھا۔ اسے کوئی متاثر ہی نہ کر پاتا۔

کبھی کبھی سوچتا کہ واقعی اسے شادی کر لینا چاہیئے۔ لیکن پھر یہ رسک لینے کے لئے تیار نہ ہوتا۔ کون جانے کیا ہو جائے۔

اس ادھیڑ بن نے اب تو اسے ادھ موا سا کر دیا تھا۔ وہ انہیں خیالوں میں غرق پلنگ پر لیٹا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔

ہیلو۔

"ہیلو دانش۔!" مسز رشدی تھیں۔

"کیسی ہیں آپ۔!" وہ معمول کے مطابق بولا۔

"معلوم نہیں۔!"

مسز رشدی آج کچھ رنجیدہ سی تھیں۔

"خیریت۔!"

"تمہیں کیا۔!" مسز رشدی بولیں۔

"مجھے۔!" نہ ہنس دیا۔

اور پھر اس کا دل چاہا کہ وہ مسز رشدی سے کہے "رشدی سے میں نے آپ کی شادی کرائی تھی کیا!"

مگر وہ صرف ہنس کر رہ گیا۔

"ہنس رہے ہو دانش!"

مسز رشدی بولیں۔

"اعتراض ہے آپ کو تو نہ ہنسوں!"

وہ آہستہ سے بولا۔

"ضرور ہنسو!"

مسز رشدی روہانسی ہو رہی تھیں۔

"آپ بھی ہنستی رہا کریں!" دانش نے اسے مشورہ دیا۔

"کوشش تو بہت کرتی ہوں لیکن کبھی کبھی اپنی ہنسی پر ہنسی آتی ہے!"

مسز رشدی بولیں۔

"کیوں۔!"

"مصنوعی پن کا احساس ہوتا ہے نا۔!"

"ہاں۔ واقعی۔!" دانش کو مسز رشدی کی بات سچی لگی۔

"کلب آرہے ہو آج۔!"

"ہاں۔!"
"آج پتہ ہے کیا ہونے والا ہے"
"نہیں تو۔!"
"شہر کی حسین لڑکی کا انتخاب ہوگا"
"آپ حصہ لے رہی ہیں۔!"
دانش چھیڑنے کے موڈ میں بولا۔
"تم مجھے اس لائق سمجھتے ہو۔!"
مسز رشدی کی آواز میں شوخی آگئی۔
"مجھے کوئی خاص سلیقہ نہیں انتخاب میں۔ جج ہوں گے وہ سمجھتے ہوں گے"
"یہ ان ڈائرکٹ بات اچھی ہے!" مسز رشدی ہنسی۔
"تو پھر حصہ لے رہی ہیں آپ!"
"نہیں۔!"
"کیوں۔!"
"بس یونہی۔!"
"بہت اچھا کر رہی ہیں۔!"
"تمہاری بات شاید میں کبھی نہ سمجھ پاؤں!"
مسز رشدی جھلا گئیں۔
"میں تو بڑا سیدھا ہوں مسز رشدی، بڑی آسانی سے سمجھ میں آنے والا۔!"
دانش ہنس کر بولا۔

"واقعی۔!" مسز رشدی طنزیہ بولیں۔

"اچھا تو پھر آج رات ملاقات ہو گی۔!"

دانش نے محسوس کیا کہ مسز رشدی بہکنے والی ہیں۔ اس لئے بات ختم کرتے ہوئے بولا

"اچھا۔ خدا حافظ۔!"

"خدا حافظ۔!"

دانش نے رسیور رکھا اور مسکرا کر بولا۔

"کیسے کیسے لوگ ہمارے جی کو جلانے آجاتے ہیں۔!"

آجکل وہ خیالات کے بھنور میں ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا۔

مستقبل کی روشنیاں اور وہم کی تاریک پرچھائیاں مل کر اس کے لئے عجیب سے جال بن رہی تھیں جن سے نکلنا اس کے لئے مشکل ہو رہا تھا۔

وہ تو محض تفریح اور اپنی بوریت دور کرنے کے لئے کلب کا ممبر تھا لیکن وہاں بھی لوگ اس کی شادی کے مسئلے میں کتنی دلچسپی لیتے تھے۔ کتنے عجیب ہیں یہ لوگ۔!

کلب کا وسیع ہال روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔

چھتوں اور دیواروں سے مدھم سی روشنیاں غبار کی صورت میں پھیل رہی تھیں ۔

ڈائس کی عقبی دیوار پر خوبصورت رنگوں میں بنی ہوئی اڑتی پریوں کی تصویریں یوں لگ رہی تھیں جیسے کسی فلم کا حسین منظر سکرین پر آ کر رک گیا ہو ۔

انہیں تصویروں کے زیر سایہ خواتین رنگ برنگے اور عجیب و غریب لباسوں میں بیٹھی ججز کے فیصلے کا انتظار کر رہی تھیں ۔

کلب کی ڈانسر مینا چوہدری بھی انتخاب میں حصہ لے رہی تھی ۔ اور سب کی نظریں اسی پر جمی ہوئی تھیں ۔

سکریٹری نے اٹھ کر ججز کے فیصلے کو سنانا چاہا تو ہال میں ایک کھلبلی اور بے چینی سی پھیل گئی ۔

لیڈیز اینڈ جنٹلمین ، ججز کے رائے کے مطابق مس مینا چوہدری اس بار مقابلہ جیت گئی ہیں ۔ میں ان کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں ۔

تالیوں کے شور میں مینا چوہدری اسٹیج پر آئیں اور لوگ اسے بڑھ کر مبارک باد دینے لگے۔ ہر ایک سے مصافحہ کرتے ہوئے وہ محفل پر چھاتی جا رہی تھی۔

مرد اس کے جسمانی خدوخال اور گیسوؤں کی آرائش میں کھو گئے تھے اور عورتیں اس کے لباس اور زیورات کے تاروں میں الجھی ہوئی تھیں۔

لیکن دانش کونے والی میز پر آج بھی ہمیشہ کی طرح لاپرواسا لوگوں سے باتوں میں کھویا ہوا تھا۔

تنی ہوئی بھنوؤں اور فاتحانہ نظروں سے دیکھتی ہوئی وہ ان کی طرف آئی تو!"

مسٹر طاہر حریصانہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

"خدا کرے ایسے ہزاروں دن آپ کی زندگی میں آئیں مس مینا!"

"اوہو مسٹر طاہر۔!"

مینا کا چہرہ سرخ ہیرے کی طرح دمک رہا تھا۔

"کیوں۔!"

"میں اتنی بوڑھی ہو کر زندہ نہیں رہنا چاہتی۔!"

"آپ کے نزدیک بڑھاپا آنے کی ہمت کیسے کر سکتا ہے۔!"

"مسٹر طاہر بولے۔"

کیوں۔ مینا نے دانش کی طرف دیکھا۔!"

"ان کا مطلب ہے بڑھاپا مذکر ہے نا۔!"

دانش نے طاہر کی مدد کی۔

سب قہقہہ لگا کر ہنس دیئے۔

اور مینا اس چوٹ پر تلملا گئی۔

"بیٹھئے نا۔!"، بیگم رازی بولیں۔

"نو تھینکس۔!"

مینا دانش کو نظر انداز کرتے ہوئے دوسری طرف چلی گئی۔

مسز رشدی بجھی بجھی سی اس کے قریب آ بیٹھیں۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔!"

دانش مسکرا کر بولا۔

ٹھیک ہوں۔

کیا بات ہے مسز رشدی۔ ریٹا نے پوچھا۔

"بس یونہی رشدی سے شادی کر کے پچھتا رہی ہوں۔"

مسز رشدی بولیں۔

"بہت سے لوگ کہتے ہیں لو میرج کامیاب نہیں ہوتی۔"

دانش مسکرا کر بولا۔

"تم برسوں یورپ میں رہ کر بھی یہ بات کرتے ہو۔"

ریٹا بولی۔

"اس لئے کہ انہیں شادی کا تجربہ نہیں ہوا۔"

مسز رشدی بولیں۔

"ہاں واقعی دانش لیبٹ ہو گئے تم۔!"

ریٹا بولی۔

دانش۔ تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے۔ مسز رشدی نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا۔

میں ایک سیدھا سادھا سا آدمی ہوں مسز رشدی، محبت میرے لئے اتنی بلند اور وسیع شے ہے کہ میرا چھوٹا سا ذہن اس کی وسعتوں کو سمجھ سکتا ہے اور نہ میرے دل کا سائز ہی اتنا بڑا ہے کہ محبت کے عظیم جذبے اس میں اپنا گھر بنا سکیں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ محبت میری سمجھ سے بالاتر ہے۔"

مرد ہنسنے لگے اور خواتین چپ سی ہو گئیں۔

دوسری ٹیبل پر شغل مے نوشی شروع تھا۔ کسی منچلے نے ایک جام مینا کے نام سے تجویز کیا اور کہہ دیا اسے مینا خود کسی کو پیش کرے گی۔

میزوں پر رنگین بوتلوں اور بلوریں جاموں میں ٹکر ہو رہی تھی۔

سفید بگلوں جیسے لمبے لمبے پیالوں میں نشے کے حسین جھاگ ابھرنے لگے تھے۔

اور مینا کی لمبی انگلیاں جام اٹھاتے ہوئے لرز رہی تھیں۔

مرد، عورتیں سب کا دھیان مینا کی طرف تھا۔

مینا اٹھی، اس کی نظریں بھٹک رہی تھیں۔

ایک بار اس کی نگاہ دانش پر رکی اور پھر لوٹ آئی۔

دانش اسی طرح سر جھکائے کچھ سوچے جا رہا تھا۔

مینا اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی۔ اور جام دانش کے سامنے لا کر رکھ دیا۔

ہال میں ایک بار پھر تالیاں بج اٹھیں۔ اور اس شور میں وہ بوکھلا کر رہ گئی۔

اس کے سرخ چہرے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے۔ شرم اور خوشی میں اس

کے عارضوں کے گلاب کھلنے کو بے تاب تھے۔

لیکن دانش نے بڑے اطمینان سے جام اسے واپس کرنے کے لئے کہا۔

میں شراب نہیں پیتا۔

مینا کا چہرہ بجھ سا گیا۔ یہ الفاظ اس پر بجلی بن کر گرے تھے اس کا وجود کانپنے لگا دماغ میں جھٹکے سے چلنے لگے تھے۔ لوگ کیا کیا کہنے گئے۔ کسی نے دانش کو بدتمیز سمجھا کسی نے بے وقوف سمجھ کر قہقہہ لگایا۔

لیکن دانش اپنی بات پر ذرا بھی شرمندہ نہ تھا۔ وہ اطمینان سے بیٹھا تھا مینا اس شکست پر تلملا سی گئی۔ وہ آہستہ سے اٹھی اور ڈانس کے عقبی کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔

اس کی زرتار ساڑی کا پلو اس کے پیچھے زمین پر گھسٹتا چلا جا رہا تھا۔
جاتی ہوئی وہ بالکل یوں لگ رہی تھی جیسے کوئی تارہ آسمان سے ٹوٹ کر خلاؤں میں لڑکھڑا رہا ہو۔

اس کے جانے کے بعد مسز رشدی آہستہ سے بولیں۔

"گڈ۔!"

کیوں کیا ہوا۔ دانش یوں حیران ہوا جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔

"تم نے اسے شکست دی۔!"

شکست کیسی۔ میں نے صحیح کیا ہے میں شراب نہیں پیتا۔!" وہ آہستہ سے بولا۔
میز کے گرد بیٹھے ہوئے لوگ اسے بیوقوف سمجھ رہے تھے۔ لیکن وہ ہمیشہ کی طرح لاپرواہ سا تھا۔

اُس کی مل شہر سے بیس میل کے
فاصلے پر تھی. مزدوروں کے مسائل نپٹاتے نپٹاتے
اسے شام ہو گئی. جوں ہی وہ وہاں سے چلا بارش
نے طوفانی صورت اختیار کرلی. طوفان سارے
ماحول پر چھایا ہوا تھا. بادل چیخ رہے تھے
مجبوراً اسے کار روک دینا پڑی کیونکہ ساری
فضا دھواں دھار ہو رہی تھی.

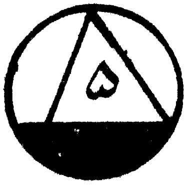
وہ سردی کی آغوش میں سسکاریاں
بھرتی ہوئی دسمبر کی شام تھی اور اس سرد شام
میں اس نے سوچا.

"میں ارمانوں اور خوشیوں کا گلا دبا کر
جسم کی لاش کو کب تک گھسیٹتا رہوں گا."

"مجھے کیا ہو گیا ہے. میرے احساسات
کو کیا ہوا ہے."

"چاروں طرف اتنا شور ہے لیکن مجھے کچھ
سنائی نہیں دیتا. دنیا اتنی بڑی ہے اور مجھے
اتنی چھوٹی کیوں دکھائی دے رہی ہے."

"میری ہر خواہش، ہر امید، ہر تمنا کیوں
مر گئی ہے."



میرے چاروں طرف ایک بے اطمینانی۔ بے یقینی اور بے حسی کیوں ہے۔

وہ اپنے آپ سے ہی ان باتوں کا جواب مانگ رہا تھا۔ لیکن یہ تو سب اس کی اپنی سوچ تھی اور وہ خود اپنے لئے مسئلہ بن رہا تھا۔ جو کہا کرتا تھا۔ مجھے اپنی ذات سے خود اتنا پیار ہے کہ میں اپنی محبت سے ہی نہیں نکل سکتا۔ اور نہ ہی اسے بانٹ سکتا ہوں۔

بارش تھم گئی تھی لیکن سڑکوں پر پانی بے انتہا جمع ہو گیا تھا۔ اس نے کار اسٹارٹ کی اور آہستہ آہستہ سوچ میں ڈوبا ہوا شہر کی طرف ہو لیا۔

گاڑی میں ایک جھٹکا سا لگا اور پھر گاڑی رک گئی۔ اس طوفانی موسم میں یہ ایک نئی مصیبت تھی۔ گاڑی مکینک کی مدد کے بعد ٹھیک بھی نہ ہو سکتی تھی۔

وہ باہر ہی کھڑا تھا کہ اس نے دیکھا دور سے ایک ٹیکسی چلی آ رہی ہے۔

اس نے ہاتھ سے ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔

ٹیکسی قریب آکر رک گئی۔

"دانش۔!"

انور باہر نکل کر بولا۔

"ارے تم۔!"

دانش اس کے قریب آکر بولا۔

"کیوں کیا ہوا۔!" انور بولا۔

"گاڑی خراب ہو گئی۔!"

"کیسے۔!"

" بتا کر نہیں ہوئی، کہ کیسے ۔!"

دانش ہنس کر بولا۔

" مگر خوبصورت اور اچھی گاڑی ذرا کم خراب ہوتی ہے "

انور انجن دیکھتے ہوئے بولا۔

" گاڑی اور عورت کا اعتبار ہے بھیا،" دانش بولا۔

" اب کیا کریں۔ اب تو مکینک ہی لانا پڑے گا "

" مجھے ایک میٹنگ اٹینڈ کرنا تھی "

دانش گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔

" پھر۔!"

پھر یہی کہ۔ اب کیا کیا جائے۔ دانش سوچتا ہوا بولا۔

" ٹیکسی لے جاؤ۔!"

" ہاں واقعی یار۔!"

" اور وہاں جا کر مکینک بھیجدو۔ میں یہاں گاڑی کی حفاظت کرتا ہوں!" انور بولا

" اوکے ٹھیک ہے۔ میں ابھی جا کر مکینک بھیجتا ہوں۔ اچھا پھر خدا حافظ!

وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر بولا۔

" جلدی بھیجنا۔ کہیں تمہیں یاد نہ رہے اور میں یہاں بیٹھا سوکھتا رہوں!"

انور نے ہانک لگائی۔

" اچھا اچھا۔ مرے کیوں جاتے ہو۔ بیٹھو۔ اور اپنی اسمارٹ مصروفیت کے

بارے میں سوچو بیٹا۔!"

اچھا خدا حافظ۔

خدا حافظ۔

بارش پھر شروع ہو گئی تھی۔ فضا پھر دھواں دھواں ہونے لگی تھی۔

دانش نے گاڑی اور تیز کی۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد گھر پہنچ جائے کیونکہ اس نے آج گھر میں میٹنگ بلائی تھی۔

وہ تیزی سے چلا جا رہا تھا کہ اس نے دیکھا۔ سڑک پر ایک لڑکی بھیگتی ہوئی اسے رکنے کا اشارہ کر رہی ہے۔

پہلے تو دانش نے سوچا کہ نکل جائے لیکن اسے کچھ دیر پہلے اپنی پریشانی یاد آ گئی دوسرے اس ویران، سنسان سڑک پر طوفانی موسم میں ایک لڑکی پریشان سی کھڑی تھی اور اس کی اس وقت مدد کرنا ایک اخلاقی فرض بھی تھا۔ یہی سوچ کر اس نے گاڑی روک لی۔

لڑکی قریب آئی۔ اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتابیں بھیگ چکی تھیں۔ کپڑے بھیگ کر جسم کے ساتھ چپک گئے تھے۔ دھلے دھلے سے چہرے پر پریشان بال بکھرے بکھرے سے تھے۔

پہلی نظر میں اسے لڑکی دلچسپ لگی۔

لڑکی نے ٹیکسی کا دروازہ کھولنا چاہا۔ تو وہ جلدی سے بولا۔

کہاں جانا ہے آپ کو؟

لڑکی ٹھٹھک کر رہ گئی۔ اور پھر غصے سے بولی۔

تم لوگوں میں ہمدردی نام کی کوئی چیز نہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ اس طوفانی موسم

میں ایک انسان پریشان ہے۔ ویسے فکر نہ کرو مجھے کافی دور جانا ہے تمہارے جتنے پیسے بنیں گے اس سے کچھ زیادہ ہی دوں گی۔ اب کہو۔ بیٹھ جاؤں تمہاری ٹیکسی میں۔

دانش اس حملے کے لیے بالکل تیار نہ تھا لیکن لڑکی نے جو ڈانٹ اسے دی تھی اس سے وہ یہ تو سمجھ گیا تھا کہ لڑکی اسے ٹیکسی ڈرائیور سمجھ رہی ہے۔ میں مسکراتا ہوا کہنے لگا۔

"بیٹھئے جی۔ میں نے اس لیے تھوڑا ہی پوچھا تھا۔ آپ تو ناراض ہو گئیں۔"

"مجھے پتہ ہے۔ تم ڈرائیور لوگ دور کی سواری بٹھاتے ہو۔ تاکہ پیسے زیادہ بنیں مگر کسی کی پریشانی نہیں دیکھتے۔"

وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"انسان انسان میں بڑا فرق ہے جی!"

وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

"مگر تم لوگ یہ کہاں سمجھتے ہو۔!"

لڑکی بولی۔

"کہاں چلوں۔!"

وہ آہستہ سے بولا۔

"چوبرجی۔!"

"جی بہتر۔!" دل ہی دل میں وہ اس عجیب اتفاق پر مسکرا رہا تھا۔ آئینے پر نظر پڑی تو اس نے دیکھا۔ لڑکی کا چہرہ اس ملگجے سے اندھیرے میں بھی روشنی دے رہا تھا۔

"اے۔!" لڑکی بولی۔

"جی۔!" وہ پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے بولا۔

"میٹر تو چلا لو۔!"

"اوہ۔ بھول ہو گئی۔!"

اس نے میٹر کو ٹھیک کیا۔

"اس بھول کا خمیازہ سواری کو بھگتنا پڑتا ہے۔!"

لڑکی مسکرا کر بولی۔

"آپ بہت نالاں معلوم ہوتی ہیں ٹیکسی ڈرائیوروں سے۔!" دانش مسکرا کر بولا

"آپ لوگ ایسی باتیں نہ کیا کریں جس سے کوئی نالاں ہو۔ ابھی پرسوں ہی کی بات ہے مجھے اسکول میں ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنا تھی۔ اور میں ٹیکسی اسٹینڈ پر کھڑی ادھر ادھر بھاگ رہی تھی۔ کوئی بھی ڈرائیور اس طرف کی سواری لے جانے کے لئے تیار نہ تھا۔!"

"کیوں!" دانش نے پوچھا۔

"اس لئے کہ سڑک پر گڑھے پڑے ہیں۔"

"اوہ۔! دانش مسکرایا۔

اور نتیجہ یہ ہوا کہ میں اسکول وقت پر نہ پہونچ سکی۔

آپ اسکول میں پڑھتی ہیں ابھی۔ دانش چھیڑنے کے انداز میں بولا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ پھر بولی۔

"پڑھتی نہیں پڑھاتی ہوں۔"

"اچھا اچھا میں سمجھا پڑھتی ہوں گی۔!" دانش بولا۔

"کیوں میں تمہیں اتنی بچی دکھائی دی ہوں۔!"

"جی۔ وہ۔ میں نے اندازے سے کہا ہے۔ وہ اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بولا!"

لڑکی جھینپ سی گئی۔

آپ شام کے اسکول میں پڑھاتی ہیں شاید۔ دانش مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے بولا۔

شام کے اسکول میں۔ لڑکی حیرت سے بولی۔

آپ اس وقت۔ میرا مطلب ہے۔

"اوہ۔ نہیں۔ پڑھانی تو صبح ہی کے اسکول میں ہوں۔ آجکل اوور ٹائم دے رہی ہوں۔ امتحان قریب ہیں نا مگر تم کیوں پوچھتے ہو۔"

لڑکی کو اب خیال آیا کہ وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور سے خواہ مخواہ باتیں کئے جا رہی ہے

"کچھ نہیں۔ یونہی پوچھ لیا۔!"

دانش اس کے غصے سے لطف لیتے ہوئے بولا۔

بارش لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اور لڑکی بار بار پریشان ہو کر باہر دیکھتی۔

اچانک گاڑی جھٹکے کھانے لگی۔ اور پھر یوں ڈگمگ ڈولنے لگی۔ جیسے پانی میں تیرتی ہوئی کشتی ہوا کے زور سے ہلنے لگی۔

دانش نے بریک لگائی۔

گاڑی رک گئی۔

کیا ہوا لڑکی نے پوچھا۔

معلوم نہیں دیکھتا ہوں۔ دانش نے دروازہ کھولا۔ اتر کر دیکھا۔ گاڑی کا

پچھلا پہیہ پنکچر ہو چکا تھا۔ جانے کیوں۔ اس جلدی کے باوجود دانش کو پہیہ پنکچر ہونے سے خوشی ہوئی۔

"کیا ہوا۔!"

وہ کھڑکی سے باہر چہرہ نکال کر بولی۔

"گاڑی کا پہیہ پنکچر ہو گیا ہے۔!"

وہ اطمینان سے بولا۔

اوہ خدا۔ اب کیا ہو گا۔

یہی میں سوچ رہا ہوں۔

"ڈرائیور۔!" لڑکی بولی۔

"جی فرمائیے۔!" وہ اس کے یوں پکارنے پر مسکرایا۔

"پہیہ بدل لو نا پھر کھڑے کیوں ہو۔!" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"میں۔!" وہ حیرت سے بولا۔

"ہاں تم۔!"

"میں کیسے۔!" وہ آہستہ سے بولا۔

"تو کیا میں بدلوں گی۔!" وہ غصے سے بولی۔

"نہیں۔ وہ میں سوچ رہا تھا کہ بارش بہت زیادہ ہو رہی ہے نا۔"

"تو کیا ہوا۔ نمک کے بنے ہوئے تھوڑے ہو۔"

وہ آہستہ سے بولی۔

"جی کیا کہا آپ نے۔" دانش بولا۔

"کچھ نہیں۔ یہ ڈرائیور خدا کے لئے کچھ کرو، بڑی دیر ہو گئی۔ یا یوں کرو کہ کوئی ٹیکسی رکشا ہی روکو میرے لئے!"

وہ جھلّی سے بولی۔

"کوئی نظر آئے تب نا!"

دانش اس کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوتا ہوا بولا۔

"ہاں یہ بھی مصیبت ہے۔ اچھا یوں کرو، پہیہ بدلنے کی کوشش ہی کرو!"

"ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ دانش نے ڈگی کھول کر دوسرا پہیہ نکالا۔ اور کہنے لگا۔

"آپ میری مدد کریں گی"

"میں۔ وہ گھبرا کر بولی۔

"جی ہاں آپ کو مدد کرنا پڑے گی۔ ایک آدمی کا کام نہیں ہے"

"اچھا" وہ بادلِ نخواستہ گاڑی سے نیچے اتر آئی۔

دانش نے بڑی مشکل سے پہیہ نکالا اور پھر لڑکی سے کہنے لگا، میں گاڑی کو اوپر کرتا ہوں۔ آپ پہیہ لگا دیں۔

لڑکی نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور بھاری پہیہ اٹھائے بولی۔

"کس کا منہ دیکھ کر گھر سے نکلی تھی"

میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔

دانش ہنس کر بولا۔

"لڑکی نے غصے سے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔ لو پہیہ تو لگ گیا اب کیا کروں!"

"اب آپ گاڑی میں بیٹھئے۔ میں ذرا نٹ لگا لوں!"

وہ اس کے تمتماتے ہوئے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
گاڑی میں بیٹھ کر لڑکی کو اس پر ترس آنے لگا۔ بے چارہ ایک تو میرے لئے اتنی مصیبت کر رہا ہے اور کوئی ہوتا تو کہہ دیتا، جائیے بھاڑ میں۔ میں کیا کروں۔ اور یہ ہے کہ میری ڈانٹ غصہ برداشت کرتا جا رہا ہے۔ میں بھی کبھی کبھی زیادتی کر جاتی ہوں
پنکچر پہیہ ڈگی میں رکھ کر وہ اپنی سیٹ پر آ بیٹھا۔
لگ گیا۔ لڑکی ذرا حلیمی سے بولی۔
جی ہاں۔ اب وہ اکھڑا اکھڑا سا بولا۔
تم تو بالکل بھیگ گئے۔ اس نے اس سے ہمدردی جتانی چاہی۔
وہ خاموش گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔
گاڑی اسٹارٹ ہو گئی۔ تو وہ خاموشی سے ڈرائیو کرنے لگا۔
"ڈرائیور۔!"
جی فرمائیے۔
یہ ٹیکسی تمہاری اپنی ہے۔
"جی نہیں۔!"
"اوہ سمجھی۔!"
"کیا؟"
"کسی کی ہو گی۔ اور تم اس کے ملازم ہو گے۔ ہے نا۔!"
"بڑی سمجھدار ہیں آپ" والش مسکرایا۔
"مجھے سب یہی کہتے ہیں۔" وہ ہنس دی۔

"سب کون؟"

"میرے ابا میرے بہن بھائی اور اسکول کا اسٹاف بھی؟"

"اچھا؟"

"اس طرف موڑ لو" لڑکی نے ایک گلی کی طرف اشارہ کیا۔

"دانش نے گاڑی موڑ لی"

بس یہیں روک لو آگے گلی تنگ ہے گاڑی نہیں جا سکتی۔ دانش نے گاڑی روک لی"

یہ ایک تنگ و گنجان سا محلہ تھا۔ بارش کی وجہ سے گلی میں پانی بھر آیا تھا۔ کونے میں ایک پان کی دوکان پر ٹھٹھری ٹھٹھری سی روشنی نے گلی میں تھوڑا سا اجالا کر دیا تھا۔

"کتنے پیسے ہوئے" لڑکی اپنا بیگ ٹٹولتے ہوئے بولی۔

"پیسے۔؟"

"ہاں ہاں"

وہ۔ وہ جھجک رہا تھا کہ کیا کرے۔

لیکن اس نے خود ہی میٹر دیکھ لیا۔ ارے یہ تو بہت کم ہوئے۔

"ٹھیک ہی ہوں گے" دانش بولا۔

"نہیں نہیں میٹر شاید ٹھیک نہیں ہے" یہ لو دس روپے۔

جتنے رکھنے ہیں رکھ لو۔

"مگر یہ تو بہت زیادہ ہیں" اور میرے پاس کھلا نہیں ہے۔

چینج تو میرے پاس بھی نہیں ہے۔ لڑکی بولی۔

"تو پھر رہنے دیجئے۔ میں پھر لے لوں گا۔"

"واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" لڑکی بولی۔

واقعی۔ مجھے آپ اپنے اسکول کا پتہ بتا دیں۔ کل آکر لے لوں گا۔

"اچھا تم یہ رکھ لو۔ باقی پیسے کل واپس کر دینا۔" لڑکی بولی۔

"آپ مجھ پر اتنا اعتبار کریں گی۔" دانش مسکرا کر بولا۔

وہ مسکرا دی کہنے لگی "عجیب ہو تم بھی۔"

"اچھا تو اسکول کا پتہ۔!" دانش بولا۔

"چوک والا ہائی اسکول۔!" لڑکی بولی۔

"کل میں بقایا پیسے واپس کرنے ضرور آؤں گا چھٹی کس وقت ہوتی ہے۔" ایک بجے لڑکی بولی۔ اور جانے کے لئے مڑ گئی۔

دانش نے دیکھا۔ اس نے ایک گھر میں داخل ہوتے ہوئے پھر مڑ کر دیکھا اور دانش بھی مسکراتا ہوا گاڑی موڑنے لگا۔

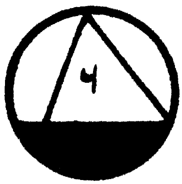
اس عجیب اتفاق پر وہ حیران بھی تھا اور مسرور بھی۔

کہاں چمک دمک کی زندگی۔

اور کہاں یہ معصوم سی زندگی سے بھرپور باتیں۔

حسین سے خیالوں میں ڈوبا ہوا جب وہ گھر پہونچا تو میٹنگ میں آکر لوگ واپس جا چکے تھے۔ اچانک اسے انور کا خیال آیا۔ بے چارہ۔

اس نے نوکر سے مکینک کیلئے فون کرنے کو کہا اور خود کپڑے تبدیل کرنے چلا گیا۔



بادل چھٹ گئے تھے اور رات نکھر سی گئی تھی۔ تاروں نے اپنا حُسن بکھیر رکھا تھا۔

دانش بالکونی کا پردہ سرکا کر اپنے پلنگ پر لیٹ کر گزرے ہوئے لمحوں کے بارے میں سوچنے لگا۔

جانے کون تھی وہ۔

مجھے جھنجوڑ گئی ہے۔

کیسی سونی سونی سی تمام راہیں تھیں میری زندگی کی۔ دل کی وادیاں سو گئی تھیں۔ اپنی دھڑکنیں بھی پرانی سی معلوم ہوتی تھیں مگر اب۔

وہ اجنبی لڑکی۔

جس کی رفتار میں نرم شاخوں کی لچک ہے اور گفتار میں پھولوں کا رچاؤ ہے۔

کالی کالی زلفیں رخساروں پر جھولتی ہیں تو دل میں یہی خواہش پیدا ہوتی ہے کہ ان زلفوں میں چھپ کر سو جاؤں۔ کھو جاؤں۔ ان آنکھوں میں بے شمار جلوے مچلتے ہیں۔ تو دل چاہتا

ہے ڈوب جاؤں۔ اس اجنبی لڑکی نے اسے یوں ہی جھنجوڑ دیا تھا۔ جیسے کوئی مضراب کسی ساز کے تاروں کو چھیڑ دے اور سریلی، مترنم ترنگوں سے فضا میں ارتعاش پیدا ہو جائے۔ دانش ایک میٹھی میٹھی آنچ میں جل رہا تھا۔

اندر ہی اندر شعلے لپک اٹھے۔ اور اک آگ کی لپٹیں اس کے پورے وجود پر چھائی جا رہی تھیں۔ پسینے کے ننھے قطرے رینگ رہے تھے۔ لیکن اندر کی یہ آگ بجھ نہیں پا رہی تھی۔ بلکہ بھڑکتی جا رہی تھی۔

اجنبی لڑکی اس کے حواس پر اپنی خوبصورت پلکیں جھپکتی ہوئی چھائے جا رہی تھی۔

اور اس کی موہنی صورت کو ذہن میں مقید کرتے ہوئے اسے محسوس ہو رہا تھا

وہ تھک گیا ہو۔

آنکھوں کی جلن بڑھ گئی۔

ڈوبتی ہوئی رگیں اور انگڑائیاں تھیں۔

تپتے ہوئے لب۔ جلتے ہوئے رخسار۔

نگاہوں میں ایک غبار تھا۔

اور دل کے قریب تپش ہی تپش تھی۔

گھبرا کر وہ اٹھا اور تھرموس منہ سے لگا لیا۔

لیکن تپش بڑھتی گئی۔

ڈگمگاتے قدموں سے وہ اٹھا اور ہولے ہولے چلتا ہوا۔

قد آدم آئینے کے سامنے آکھڑا ہوا۔

اس نے اپنے چہرے میں کچھ ڈھونڈنا چاہا۔

نگاہوں میں اداسی تھی۔
ہونٹوں پہ پیاس تھی۔
تب اس کے بے قرار جذبوں نے ایک دم فیصلہ کر دیا۔
تم میری محبت ہو۔
تم کچھ بھی ہو۔ میری جنت ہو۔
اور میں تمہیں ہر صورت پا کر رہوں گا۔
اس کے لئے چاہے مجھے بہروپ بھرنا پڑے۔ چاہے کچھ بننا پڑے۔

جذبے اتنی شدت سے اس پر چھا گئے تھے کہ اس کی اپنی شخصیت ان جذبوں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئی تھی۔ اور صاحبزادہ دانش حیات کی بجائے ایک ٹیکسی ڈرائیور رہ گیا تھا۔

اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے اس اتفاق کا سہارا لینا اس کے لئے ضروری بن گیا تھا۔

مگر کسی نے جیسے چپکے سے اسے کہا
" اگر اسے تمہارا صحیح روپ معلوم ہو گیا تو "

تو۔ تو اسے کتنی خوشی ہو گی کہ۔ کہ میں ٹیکسی ڈرائیور نہیں۔ ایک امیر کبیر آدمی ہوں۔

اور۔

اس سے آگے اس نے حالات پر چھوڑ دیا۔ اور اس سے ملنے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔

اس کے لئے اسے انور کی مدد کی ضرورت تھی۔

اس کے جذبات میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی ۔

یوں جیسے سمندر میں سُریں اٹھ رہی ہوں ۔

یہ زندگی کی پہلی رات تھی جو اس نے کسی کی یاد میں جاگتے ہوئے گزاری تھی ۔

اور یوں رات بیتی جا رہی تھی ۔

اور اس کی زندگی میں دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی ۔ اس کی ملاقات جن عورتوں سے تھی وہ ان سے بالکل مختلف تھی ۔ اور یوں چند لمحوں میں وہ اس کی مالک بن گئی تھی ۔

دوپہر کے بارہ بجے تو دانش کی
بے چینی میں اضافہ ہو گیا۔

"سر بمبئی سے کچھ ملز اونر ملنے آئے ہیں"
اس کا منیجر اندر آ کر بولا۔

"اوہ۔ کہہ دو ہم اس وقت کسی ضروری
کام سے جا رہے ہیں"، دانش جھلا کر بولا۔

"تو سر شام کا کوئی ٹائم دوں انہیں"

"ہاں ہاں شام کو اپائنٹمنٹ کر لو"، دانش
جلدی جلدی فائلوں پر دستخط کرتا ہوا بولا۔

"آپ کی کال ہے"

"کس کی ہے" دانش نے پوچھا۔

"صاحب کوئی مسز رشدی ہیں"

"کہہ دو صاحب نہیں ہیں"

"بہتر سر"

اور یوں اس نے جلدی جلدی سارے
کام نپٹا لیے۔ اب وہ انور کے انتظار میں تھا۔
وہ ابھی ٹیکسی نہیں لایا تھا۔ حالانکہ اس نے صبح
ہی اس سے کہہ دیا تھا کہ وہ بارہ بجے ٹیکسی لے آئے
اب اسے انور پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ تیزی

سے نیچے اترا تو دیکھا انور گاڑی پارک کر رہا تھا۔
اس نے دم میں انور کو جالیا۔
دیر کر دی تم نے۔
" مجھے یہ تو بتاؤ اتنی بے تابی کیوں ہے!"
انور مسکرا کر بولا۔
پھر بتاؤں گا۔ اس وقت جلدی ہے۔ دانش دروازہ کھولتا ہوا بولا۔
مگر یار وہ میں اپنی مس مصروفیت کو کیا کروں گا۔
یار میری گاڑی لے جاؤ۔ معتز کیوں چاہتے ہو۔ اور ہاں یہ اپنا کوٹ اتار دو۔
دانش بولا۔
کیوں۔
اتار دو۔
لو۔ یہ میرا کوٹ تم پہن لو۔ دانش نے اپنا کوٹ اسے دے دیا۔
عجیب ہو تم۔ انور بولا۔
یہ اپنی کیپ بھی عنایت کرو۔
" لو بابا۔ مگر بات کیا ہے۔"
" بتاؤں گا نا صبر نہیں کر سکتے۔" دانش بولا۔
" یہ خیال رکھنا پیٹ پھول جائے گا میرا۔"
" کوئی پرواہ نہیں پرسنیلٹی بن جائے گی بیٹا۔"
دانش نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ اور انور نے دانش والی مرسڈیز اس کے

پیچھے لگادی۔

"میرے پیچھے کیوں آرہے ہو" راستے میں دانش گاڑی اس کے قریب لاکر بولا۔

"معمہ حل کرنے کے لیئے" انور ہنس کر کہنے لگا۔

"جاؤ یار، تبادولگانا۔

"میں تو مذاق کررہاہوں" وہ مس میری ہے نا۔ اس کے دفتر کا یہی راستہ ہے۔ آج اسے اپنے ٹھاٹھ بتانے ہیں" انور بولا۔

انور دوسرے راستے کی طرف مڑگیا۔ اور دانش تقریبًا گاڑی بھگاتا ہوا چوک والے ہائی اسکول پہونچ گیا۔ ایک جگہ گاڑی لاک کر وہ اسکول کے گیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ اب وہ پورا ڈرائیور لگ رہا تھا۔

آئینے میں دیکھ کر اس نے کیپ درست کی اور مسکرادیا۔

اسکول کی گھنٹی بجی۔

اور اسکول کا گیٹ ڈھیراں ڈھیر بچے باہر اگلنے لگا۔

کتنی دیر ہوگئی۔ وہ باہر نہیں نکلی۔

کئی استانی نما صورتیں بھی باہر نکلیں اور بس اسٹاپ کی جانب بڑھ گئیں۔

اسے کھڑے کھڑے آدھ گھنٹہ بیت گیا۔ تو کئی خدشات اس کے دل میں سر اٹھانے لگے۔

کہیں کل بھیگنے سے بیمار نہ ہوگئی ہو۔

کسی وجہ سے اسکول نہ آئی ہو۔

وہ مایوس سا اسکول کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں آہستہ آہستہ خاموشی چھا

رہی تھی۔ اس نے بے دلی سے گاڑی اسٹارٹ کرنا چاہی تو اس نے دیکھا۔
وہ گیٹ سے باہر نکلی ہے۔
پیازی رنگ کے کپڑوں میں وہ تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔
دانش کا دل کھل اٹھا۔
اس نے گاڑی کا ہارن بجایا۔
اس نے چونک کر دیکھا اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کی طرف آنے لگی۔
دانش مسکرا کر سوچنے لگا۔
قدرت نے اس لڑکی کے چہرے کو ملیح بنانے میں بہت فیاضی سے کام لیا ہے
کالی سینڈل میں اس کے گلابی پیر دلکش انداز میں اس کی طرف بڑھ رہے تھے
سادہ سا لباس اور اس سادگی میں اس کی خاموشی اور سنجیدگی کے کافی پرکاری
بخش دی تھی۔
تیکھے نقوش، پتلے پتلے ہونٹ جنہیں وہ اپنے موتی جیسے دانتوں تلے دباتی
ہوئی اس کے سامنے کھڑی تھی۔
جھیل جیسی خاموش آنکھیں جھکی جھکی سی تھیں۔
"سلام بی بی جی"
دانش اپنی مسکراہٹ بمشکل چھپاتے ہوئے بولا۔
جھکی جھکی پلکیں اٹھیں اور دانش کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔
آہستہ سے کہنے لگی۔
"تم"

"جی۔ وہ آپ کے پیسے تھے نا میرے پاس"

"ہاں ہاں"

"تو حضور کل سے بوجھ لئے پھرتا ہوں۔ آپ واپس لے لیں تو کچھ سکون ملے"

"اچھا" وہ مسکرا کر بولی۔

"جی ہاں اپنی کچھ ایسی عادت ہے!"

وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

وہ خاموش سی ہو گئی۔

تو اس نے جیب سے ریزگاری نکالی۔ چار روپے واپس کرتے ہوئے بولا۔ لیجئے۔

"شکریہ۔!"

لڑکی نے پیسے لئے اور جانے کے لئے مڑی تو دانش بولا۔

"گھر نہیں جائیں گی آپ؟"

"کیوں نہیں جاؤں گی"

وہ ذرا سی چڑ گئی۔

"تو چلئے پھر۔!"

دانش جھجکتے ہوئے بولا۔

میں روزانہ بس میں آتی جاتی ہوں۔ اس روز تو بارش کی وجہ سے مجبور تھی۔

"تم جاؤ۔ میں بس سے چلی جاؤں گی۔!"

اس نے جانے کے لئے قدم بڑھایا تو دانش پریشان سا ہو گیا۔

کیا ہو گا۔

کیسے ملوں گا اس سے۔

اپنے دل کی باتیں کس طرح کہوں گا اس سے۔

اس نے تو یہیں سلسلہ ختم کر دیا ہے۔

پریشان ہو کر اس نے دیکھا۔ چند قدم پر جا کر وہ رک گئی تھی اور اپنے پاؤں پر جھکی ہوئی تھی۔

اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اس کے قریب سے گزرنے لگا۔

تو وہ بولی۔

"اے"

"جی۔ مجھ سے کچھ کہا۔"

وہ کھڑکی سے منہ باہر نکال کر بولا۔

"پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے!"

اس کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔

ہونٹ لرز رہے تھے اور آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر تکلیف سے دائرے سے بن رہے تھے۔

دانش گھبرا کر نیچے اتر آیا۔ اور بولا۔

"کیا ہوا۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا"

"پاؤں میں موچ آگئی شاید" وہ تکلیف سے کراہ کر بولی۔

"دیکھیے آگئی موچ!" وہ اس کے قریب ہی زمین پر گھٹنے ٹیک کر اس کے پاؤں کو دیکھنے لگا۔

"پتہ نہیں۔ پاؤں الٹا پڑ گیا۔ یہ اونچی ہیل کم بخت!"

وہ سچ مچ رو دی۔

"تو چلیے آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے چلوں!"

دانش بولا۔

"تم بھی عجیب ہو۔ موچ کو ڈاکٹر کیا کرے گا۔!"

وہ چڑ کر بولی۔

"تو۔ تو پھر جیسے آپ کہیں!"

"مجھے گھر پہنچا دو۔!"

وہ اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

دانش کو اگر اس وقت قارون کا خزانہ مل جاتا تو شاید اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی اس بات سے ہوئی تھی۔

"چلیے۔!"

وہ اپنی خوشی چھپاتے ہوئے بولا۔

وہ بمشکل اٹھی لیکن جب پاؤں ہلایا تو اس کی چیخ نکل گئی۔

میں سہارا دے دوں آپ کو

نہیں۔ وہ آنسوؤں کے درمیان بولی۔

دانش مسکرا دیا اور دروازہ کھول کر بولا۔

"فیصلہ کیجیے۔ اور ایک مرتبہ ضبط کر کے گاڑی میں بیٹھ جائیے"

"نہیں بیٹھا جاتا نا۔!" وہ اپنے پاؤں کو پکڑے اسی طرح کھڑی تھی۔

آیئے۔ کوشش کیجئے۔

اور تب بھی وہ جی کڑا کر کے گاڑی میں آ بیٹھی، گو اس کی چیخیں نکل گئیں مگر کوشش کامیاب ہو گئی۔

دانش اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

بڑا چھوٹا دل ہے آپ کا۔

"تمہارے پاؤں میں موچ آتی تو پتہ چلتا تمہیں۔!"

وہ سُوں سُوں کرتی بولی۔

دانش ہنس دیا۔

تو وہ بولی۔

بڑے بے درد ہو تم۔

کیوں۔ دانش پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے بولا۔

کسی کی تکلیف کا احساس جو نہیں تمہیں۔ میری جان نکل رہی ہے اور تم ہنس رہے ہو

"واقعی غلطی ہو گئی۔ معافی چاہتا ہوں!"

دانش اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بولا۔

وہ اب بھی کراہ رہی تھی۔

بی بی جی۔ دانش ڈرتے ڈرتے بولا۔

کیا ہے۔

"آپ کہیں تو کسی ڈاکٹر کے پاس لے چلوں"

"نہیں۔!" وہ ہچکی لیتے ہوئے بولی۔

"میرا مطلب ہے آپ کو تکلیف زیادہ ہے نا؟"

"بس مجھے گھر پہنچا دو۔"

پھر خاموشی چھا گئی۔ جوں جوں لڑکی کا گھر قریب آ رہا تھا دانش کی سوچ بڑھتی جا رہی تھی۔

لڑکی اپنی تکلیف میں مگن تھی۔ اسے راستوں کا کوئی علم نہ تھا کہ دانش کون سے راستے سے جا رہا ہے۔

اس کا گھر قریب آ گیا تھا۔ صرف ایک سڑک کا فاصلہ رہ گیا تو دانش گھبرا گیا۔ اس نے یہ یک دم بریک لگا دی۔

"کیا ہوا۔!"

لڑکی بولی۔

"کچھ نہیں جی۔ شاید گاڑی پھر خراب ہو گئی۔"

وہ جلدی میں یہی بات بنا سکا۔

"گاڑی بھی تمہاری بس دن پورے کر چکی ہے!"

وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"میں گاڑی کی طرف سے بھی معذرت خواہ ہوں!"

دانش مسکرا کر بولا۔

"کیا کہا۔!" وہ تیز ہو کر بولی۔

"کچھ نہیں جی وہ!"

گاڑی خراب جو ہو گئی۔ اور آپ کو تکلیف بھی ہے پاؤں میں۔

"اچھا اب یہیں کھڑے رہو گے یا اپنے اس کھٹارے کو ٹھیک کرو گے !"
وہ غصے سے بولی۔

"جی ہاں۔!"
دانش جھاڑ کھا کر انجن کی طرف چلا گیا۔
اور خواہ مخواہ میں پرزوں کو دیکھنے لگا۔
"ٹھیک ہوئی۔ لڑکی باہر منہ نکال کر بولی "
"جی ہاں بالکل ہو گئی۔ دراصل میں نے اسے کہہ دیا ہے کہ ٹھیک ہو جاؤ۔ بی بی جی
کے پاؤں میں تکلیف ہے ورنہ رہ جائیں گی !"
لڑکی تکلیف کے باوجود ہنس پڑی۔
دانش آ کر سیٹ پر بیٹھ گیا۔
چلو اب۔ لڑکی بولی۔
جی ہاں چلتا ہوں۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔
اب تو آپ کو چھٹیاں لینی پڑیں گی۔ کچھ دیر بعد دانش بولا۔
چھٹی بھی نہیں لے سکتی ان دنوں۔ لڑکی روہانسی ہو کر بولی۔
کیوں۔
امتحان قریب ہیں نا۔
اوور ٹائم دے رہی ہوں۔
پھر۔ دانش
"تم کیوں پوچھتے ہو۔ !"

لڑکی آہستہ سے بولی۔

وہ جی۔ اس لئے کہ میرا مطلب ہے آپ بس سے اسکول جاتی ہیں نا۔ آپ کے بیمار ہونے سے جانے میں نے کیوں سوچ لیا۔ کہ آپ کو ٹیکسی کی ضرورت پڑے گی۔ اور کچھ دن لگی بندھی آمدنی کی صورت ہو جائے گی۔

دانش کو جو کچھ سوجھا وہی اس نے کہہ دیا۔

"خوب۔ کسی کی جان جائے اور آپ کو خوشی ہو!"

لڑکی طنزیہ بولی۔

"کیا کروں جی۔ پیشہ ہی ایسا ہے!"

"بڑے ضرورت مند لگتے ہو۔ لڑکی کو اس کے دکھ بھرے لہجے سے اس کے ساتھ کچھ ہمدردی سی ہو گئی۔"

"آپ نے میری بات کا برا تو نہیں مانا بی بی جی!"

اثر ہوتے دیکھ کر دانش اپنی آواز میں مزید درد پیدا کرتے ہوئے بولا۔

"نہیں نہیں۔ میں تو یہ کہنے والی تھی، جتنے روز میں بیمار ہوں تم مجھے اسکول پہنچایا بھی کرو اور واپس بھی لے آیا کرو!"

"جی۔؟"

دانش کی توقع کے خلاف ہی یہ سب ہو گیا تھا۔ مسرت سے وہ جھوم اٹھا۔

کیا سوچ رہے ہو۔

جی کچھ نہیں۔ وہ اپنی خوشی چھپاتے ہوئے بولا۔

کچھ تو سوچ رہے تھے۔

"جی یہی کہ آپ کتنی ہمدرد ہیں۔ کتنی اچھی!"
لڑکی کا چہرہ سرخ ہو گیا کہنے لگی۔
"اچھا ہونے کی بات نہیں!"، کچھ تمہاری ضرورت۔
کچھ میری ضرورت۔
"جی۔ یہ تو سچ کہا آپ نے!"
وہ آہستہ سے بولا۔
"بس یہیں روک لو!"
لڑکی بولی۔
"میں دروازے تک لئے چلتا ہوں۔ آپ چل نہیں سکیں گی نا۔!"
ہاں مگر۔
اگر مگر کچھ نہیں جی۔
"تنگ گلی میں بمشکل گاڑی جا سکی مگر عین دروازے کے سامنے اس نے گاڑی روک دی!"
"آپا آگئی۔ ایک چھوٹا لڑکا بھاگا ہوا باہر نکل آیا!"
ایک صاف ستھرا مکان تھا۔
کتنے پیسے ہوئے۔ لڑکی بولی۔
"اکٹھے لے لوں گا۔ اب تو میرا مطلب ہے روز آپ کو اسکول پہنچانا ہے نا!"
دانش مسکرا کر بولا۔
"تمہاری مرضی!"

"منے۔ ادھر آئیے۔!"
لڑکی نے بچے کو پکارا۔
"کیا ہوا آپا۔؟!"
"پاؤں میں موچ آگئی ہے منے۔ آؤ میں تمہارا سہارا لے کر آؤں گی!"
دانش نے دروازہ کھولا۔ اور لڑکی بمشکل اتری۔
اترتے ہوئے پھر اس کی چیخ نکل گئی۔
"آپ کو زیادہ تکلیف ہے شاید۔!"
"ابھی کچھ کرتی ہوں اس کا!" لڑکی منے کے کندھے پر ہاتھ رکھے لنگڑاتی ہوئی اندر چلی گئی۔

اور دانش مسرور انداز میں گاڑی میں
آ بیٹھا۔ گاڑی ریورس کی اور سڑک پر نکل آیا۔
راستے میں اسے ٹیکسی کی تلاش میں کئی لوگوں
نے روکا مگر وہ آج یہاں کسی کی طرف دیکھ نہیں
رہا تھا۔ اس کی نظر دل میں تو وہ تمتمایا ہوا چہرہ
تھا۔ وہ بھولی بھولی باتیں تھیں۔
راستے میں اس نے دیکھا کہ انور اس کی
گاڑی میں مس میری کو بٹھائے جا رہا ہے۔
انور۔ اس نے گاڑی اس کے قریب
کرتے ہوئے کہا۔
کون ہے ڈارلنگ۔ مس میری بولی۔
میرا دوست ہے ٹیکسی ڈرائیور۔ دراصل
میں تو انہیں غریب بن کر ملا تھا اس لیے کہ تم
امیر سمجھ کر بھاگ نہ جاؤ۔ آج یہ پول تم پر کھل
ہی گیا۔
"اوہ۔ تم کتنا ناٹی ہے انور۔" مس میری
ہنسی انور نے دانش کو اشارہ کیا تو دانش نے
مسکرا کر کار کی اسپیڈ بڑھائی۔
رات بھر ان خواب دیکھتے بیت گئی

اور صبح وہ ٹیکسی لیے لڑکی کے دروازے کے سامنے کھڑا ہارن دے رہا تھا۔
منے نے آکر اطلاع دی کہ وہ ناشتہ کر رہی ہیں۔
"ادھر آؤ منے میاں!" دانش نے منے کو پاس بلا لیا۔
"کیا ہے!" منا گاڑی میں آکر بیٹھ گیا۔
"تم اسکول نہیں جاتے۔!"
دانش نے پوچھا۔
"جاتا ہوں!"
"پھر گئے نہیں؟؟!"
"ابھی تھوڑی۔ دس بجے جاؤں گا۔!"
کچھ دیر وہ سرخ ٹماٹر جیسے منے کو دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔
"تمہاری آپا کا پاؤں ٹھیک ہو گیا!"
"اوں ہوں۔ لنگڑی ہو گئی ہیں۔ نکڑ والے فضلو کی طرح چلتی ہیں۔!"
منا کھلکھلا کر ہنس دیا۔
"کس کی نقل اتار رہے ہو!"
دانش نے چونک کر دیکھا۔
وہ سامنے کھڑی تھی۔
"وہ۔ بچہ ہے ناجی!"
دانش نے بیوقوفوں کی سی ایکٹنگ کی۔
منے نے دروازہ کھولا۔

لڑکی لنگڑاتی ہوئی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"چلوں جی!"

وہ آہستہ سے بولا۔

"ہاں۔ جاؤ منے!"

لڑکی بولی۔

"خدا حافظ آپا۔!"

منا زور سے بولا۔

"بچہ بڑا پیارا ہے!"

دانش گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

لڑکی نے نوٹس نہیں لیا۔

خاموش بیٹھی اپنی نوٹ بک دیکھتی رہی۔

"آپ کا پاؤں کیسا ہے۔!" دانش بولا۔

"تکلیف ہے ابھی۔!"

"ڈاکٹر کو دکھایا جی!"

دانش شیشے میں اس کا چہرہ دیکھتا ہوا بولا۔

"نہیں وکس ملا تھا۔!"

لڑکی ناگواری سے بولی۔

دانش اس کے ماتھے پر تیور دیکھ کر کچھ گھبرا گیا۔ مزید بات کرنے کی ہمت نہ رہی

خاموش بیٹھا رہا۔

ڈرائیور۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی بولی۔
" تمہارا گھر کہاں ہے ؟"
" جی یہیں قریب ہے !"
وہ ہولے سے مسکرایا۔
" اچھا !"
" جی ہاں !"
گھر میں کون کون ہے ۔ میرا مطلب ہے تمہارے بچے ہوں گے ۔
لڑکی اپنے سوال پر خود ہی گھبرا گئی ۔
" میں اکیلا ہوں بی بی جی !"
دانش اس ذکر پر سچ مچ اداس ہو گیا۔
" اچھا۔ اوہ " لڑکی کو افسوس ہوا۔
کہنے لگی ۔
" ٹیکسی تمہاری اپنی ہے ۔ ؟"
" جی ہاں ۔ !"
" کتنے کما لیتے ہو دن میں ۔ ؟"
" جی بس یہی پچیس روپے !"
بس پھر تو ٹھیک ہے ۔ اکیلے آدمی ہو۔ لڑکی اس کی آمدن کا سوچتی ہوئی بولی ۔
جی ہاں اللہ کا شکر ہے ۔ گزارہ ہو جاتا ہے ۔
" تمہارا نام کیا ہے !" لڑکی نے پوچھا۔

"نام۔ ہاں نام ۔میرا نام ۔ وہ جلدی میں اپنا نام بھی نہ سوچ سکا۔"
کیوں ۔لڑکی حیران سی ہو گئی ۔
"میرا نام تو ریاض ہے جی ۔مگر سب لوگ مجھے راجہ کہتے ہیں ۔ اور مجھے بھی یہی اچھا لگتا ہے !"
"راجہ ۔ ؟" لڑکی نے پوچھا ۔
"جی ہاں راجہ ۔!"
"تمہیں اچھا لگتا ہے !"
لڑکی نے پوچھا ۔
"جی ہاں !"
"کیوں ۔ ؟"
"اس لئے کہ ۔میری ایک چھوٹی سی دنیا ہے ۔جس کا میں راجہ ہوں ۔ اب دیکھئے نا یہ ٹیکسی میری ہے ۔میں اس کا مالک ہوں ۔میں اپنے طور پر راجہ ہی ہوا نا !"
وہ آہستہ سے ہنس پڑی ۔
اسکول آ گیا ۔دانش نے اسے پیار سے دیکھا اور گاڑی کو بریک لگا دی ۔
وہ لنگڑاتی ہوئی اترنے لگی تو وہ آہستہ سے بولا ۔
"ایک بات پوچھوں ۔برا تو نہیں منائیں گی !"
کیا بات ہے ؟
"جی وہ ۔میں آپ کا نام پوچھنا چاہتا تھا ۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا"
"کیوں !"

لڑکی نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔

"جی۔ وہ اس لئے کبھی ہو سکتا ہے کہ دور کی سواری مل جائے اور مجھے یہاں پہنچنے میں دیر ہو جائے۔ تو میں آپ کو کس طرح اطلاع دوں گا کہ میں آگیا ہوں!" اس نے جلدی سے بات بنالی۔

"ہاں۔!"

لڑکی کی سمجھ میں بات آگئی۔

کہنے لگی۔

"تم تو کیدار سے کہنا مس آرزو کو بلا دو۔!"

"آرزو۔!"

وہ اپنی نظروں کا پیار سنبھالتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔!"

"جی بہتر!"

"اچھا تو ایک بجے آجانا!"

"ضرور۔ خدا حافظ!"

وہ مسکرا کر بولا۔

اس نے ایک نظر اسے ہراساں سا ہو کر دیکھا۔ اور پھر اپنا پاؤں پکڑے اسکول کے گیٹ کی طرف چلی گئی۔

"آرزو۔ کتنا خوبصورت نام ہے تمہارا!"

سوچتے ہوئے اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"تم میری آرزو ہے!"

کہتے ہوئے وہ مسکرادیا۔ اس کے لبوں پر پیار کی چاشنی تھی۔ دل میں دھڑکنوں کا طوفان مچا ہوا تھا۔ اور اسے پالینے کی شدت تھی۔

اسی جذبے سے سرشار وہ گھر پہونچا۔

دیکھا انور بیٹھا تھا۔

"چکر کیا ہے!"

انور اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیا چکر۔!"

وہ مسکرا کر بولا۔

"یہ ڈرائیوروں کا مذاق اڑا رہے ہو۔ یا واقعی ہماری زندگی پسند آگئی ہے!"

"پسند آگئی ہے۔ اور بہت زیادہ!"

وہ آنکھیں بند کرتا ہوا بولا۔

"مگر کیوں۔؟!"

"بتاتا ہوں انور۔ انور مجھے اس روز ایک لڑکی ملی!"

وہ آنکھیں بند کئے ہوئے صوفے سے ٹیک لگائے محبت میں ڈوبا ہوا اسے سنانے لگا۔

"کس روز یار۔!"

"اسی روز جب میری گاڑی خراب ہوئی تھی۔ اور میں تمہاری ٹیکسی لئے گھر کی طرف آرہا تھا۔

پھر

وہ بارش کی وجہ سے پریشان ٹیکسی کی تلاش میں کھڑی تھی ۔

اور پھر دانش نے اسے ساری بات بتا دی ۔

انور دلچسپی سے سب کچھ سن رہا تھا ۔ دانش نے بات ختم کی تو انور بولا ۔

" اب ہوگا کیا ۔ ! "

" ہوگا کیا ۔ وہ ایک دم میری مالک بن گئی ہے انور ۔ میں اسے نہ پا سکا ۔ تو جانے کیا ہو جائے ۔ ! "

" نہیں یار ایسی کیا مشکل ہے ۔ مجھے بتاؤ ۔ جا کر اتہ پتہ کر دوں ۔ ! "

" میں نے سب پتہ کر لیا ہے ۔ ! "

دانش بولا ۔

" تم تو عاشقوں کے استاد نکلے ۔ اتنی جلدی پتہ بھی لگا لیا ۔

" کچھ پتہ لگایا ہے ۔ کچھ اندازہ ہے ! "

دانش سگریٹ سلگاتا ہوا بولا ۔

" کیا اندازہ ہے ! "

" یہی کہ لڑکی نہایت شریف خاندان سے ہے ۔ مالی حالات ان کے ٹھیک نہیں اسی لئے وہ نوکری کرتی ہے ۔ ! "

" یار میں کسی طرح اس کی مدد نہیں کر سکتا ۔ ! "

دانش کے لہجے میں بے چینی سی تھی ۔

" کیوں نہیں کر سکتے ! " انور بولا ۔

" نہیں یار ۔ یہ اتنا آسان کام نہیں ہے ۔ وہ بڑی خوددار لڑکی ہے ۔ ! "

"ترکیب سوچوں گا!" انور بولا۔

"ٹھیک ہے!"

"اب کیا پروگرام ہے!"

"پروگرام یہ کہ سب سے پہلے ایک ٹیکسی خریدنا ہے۔ اور ڈرائیور کا لباس سلوانا ہے۔"

"ٹیکسی کیوں خریدو گے۔ یہ تمہاری نہیں ہے!"

انور برا مان گیا۔

"ہے تو میری لیکن تمہیں تکلیف ہوتی ہے نا۔!"

"میری چھوڑو۔!"

"نہیں انور۔ اور ہاں اب تم پھنسے ہو۔ تم نے آج تک میری بات مانی ہے جو میں تمہاری ٹیکسی کو اپنا سمجھوں۔ یہ سمجھوتہ تو تب ہو سکتا ہے اگر تم میرے کاروبار کو اپنا سمجھو۔!"

"پھر ہانکنے لگے تم۔!"

انور بولا۔

"اچھا تو پھر ایک گاڑی لے لو۔ اور اسے ٹیکسی بھی بنا دو!"

"اچھا بھئی۔ یہ عجیب محبت ہے!"

دانش ہنس دیا۔ انور نے آج پہلی مرتبہ اس کے چہرے پر سچی خواہش دیکھی۔ وہ پیار سے اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

کیا دیکھ رہے ہو۔ دانش نے پوچھا۔

"تمہارے چہرے پر آج بھی خوشی ہے دانش!"

انور محبت بھرے لہجے میں بولا۔

"ہاں انور۔ میں اسے پا کر بہت خوش ہوں۔ اب یہ دعا کرو کہ اس کے دل میں بھی جگہ پالوں۔ دیکھو نا انور۔ دل کا ایک شہر ہوتا ہے اور اس میں لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے میرے دل میں میں ایک ایسا شہر ہے۔ لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔

دل کا شہر یہ شہر اندھیروں میں ڈوب جاتا ہے۔ ہلکی ہلکی سی کوئی خوشی کبھی غم،

لیکن آرزو کے آنے سے جانے کیوں مجھے لگتا ہے کہ اس شہر میں ہر طرف چراغاں ہے۔ خوشیاں۔ رنگ و نور سے آرزو میرے دل کے شہر کی حکمران بن گئی ہے۔ انور!"

وہ محبت کے نشے میں بہک سا گیا تھا۔

اور انور اسے دیکھے جا رہا تھا۔

پھر کہنے لگا۔

"اب تو دیکھنا پڑے گا۔ آرزو بھابی کو!"

"دیکھو گے تو ضرور میری پسند کو داد دو گے!"

"دیکھے بغیر ہی داد دے رہا ہوں۔ کیا ہے جس نے تمہیں لیا ہے!"

انور مسکرا کر بولا۔

"چلو وقت چلیں۔!"

دانش گھڑی دیکھ کر بولا۔

"چلو۔!"

مگر ایک بجے مجھے اسے واپس پہنچانا ہے!"

دانش بولا۔

اور انور قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

ہنسے کیوں۔؟

"تم گئے کام سے!"

انور بولا۔

"کام پر تو جا رہا ہوں!"

دونوں باتیں کرتے ہوئے دفتر پہونچے۔ اور اپنی مس میری کو ٹیلیفون کرنے لگا۔

اور دانش جلدی جلدی فائلوں پر دستخط کرنے لگا۔

"تمہارا ٹیلیفون ہے۔!"

انور نے رسیور اسے دیتے ہوئے کہا۔

ہیلو۔ دانش بولا۔

ہیلو دانش۔ کہاں ہو تم۔ کٹی تھی۔

"اوہ کٹی کیسی ہو۔!"

"ٹھیک ہوں مگر تم پورے تین روز سے غائب ہو۔!"

کٹی بولی۔

"کچھ مصروف تھا!"

"کیسی مصروفیت ہے!"

"بڑی پیاری۔!"

دانش ہنس کر بولا۔

"اچھا۔!"

"ہاں۔!"

"مجھ سے بھی زیادہ دانش!" کٹی جذباتی ہو گئی۔

"دوست اپنی جگہ ہوتے ہیں۔ اور باقی اپنے مقام پر!"

"مگر یہ کون۔!"

کٹی شکست خوردہ سی بولی۔

کس کے بارے میں پوچھ رہی ہو۔ دانش بولا۔

"وہی مصروفیت۔؟"

مصروفیت ظاہر ہے۔ مصروفیت ہی ہو سکتی ہے!"

دانش بولا۔

"اچھا باتیں نہ بناؤ۔ آج شام ہمارے ہاں آ رہے ہو۔!"

"خیریت!"

"یونہی!"

"کسی روز آؤں گا۔!"

دانش بولا۔

"باتیں تو خوبصورت کرتے ہی ہو مگر ٹالنے کا انداز بھی خوبصورت ہے!"

کٹی بولی۔

"وہم ہے تمہارا۔!"

"اچھا۔ خدا حافظ!"

دانش بات ختم کرتے ہوئے بولا۔
ٹیلیفون رکھتے ہوئے بولا۔
" لوگوں کی سمجھ کتنی موٹی ہو گئی ہے !"
" کون تھی۔ انور نے پوچھا !"
کٹی ۔
" کونسی نسل ہے !"
انور نے پوچھا ۔
" کیا مطلب ؟"
" نام تو سیامی بلی جیسا ہے !"
" ایک لڑکی ہے کلب میں تعارف ہوا تھا !"
دانش بولا۔
" تو کیا اس نے بھی کچھ امیدیں وابستہ کرلیں ہیں تم سے !"
انور ہنس کر بولا ۔
" معلوم نہیں۔ لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے میں ہر ایک سے صاف دلی سے ملتا ہوں۔ بس صرف کمپنی کے لئے۔ یا دوستی سمجھ لو۔ مگر یار یہ عجیب لڑکیاں ہیں دوستی ان کے لئے کوئی شے نہیں۔ جب بھی کوئی مرد ان سے ملتا ہے۔ سمجھتی ہیں ہم پر مرمٹا ہے حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہوتی !"
" ہمارے ساتھ تو ایسا نہیں ہوتا !"
انور بولا۔

"میرے ساتھ کیوں ہوتا ہے!"

دانش نے پوچھا۔

"اس لیے تم میں وہ سب باتیں موجود ہیں جو لڑکیوں آیئڈیل ہوا کرتی ہیں۔ یعنی تم مالدار ہو۔ ہینڈسم ہو۔ قائل کرلیتے ہو۔ پرسنیلٹی ہے تمہاری!" انور نے کہا۔

"اس سے کیا ہوتا ہے!"

دانش بولا۔

"کیوں نہیں یار۔ اب کٹی یا دوسری محترمہ۔ کیوں تم میں دلچسپی لیتی ہیں کس لیے!"

انور ہنس کر بولا۔

"کٹی تو چلو مان لیتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ غیر شادی شدہ ہے۔ زندگی گزارنے کے لیے اسے اچھے ساتھی کی خواہش ہے لیکن مسز رشدی کی دلچسپی مجھے سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ شادی شدہ ہے!"

دانش واقعی یہ سمجھنے سے قاصر رہا تھا۔

"میری سوچ سمجھ کے مطابق تو یہ بات ہے کہ ایسی خواتین کسی محرومی کا شکار ہوتی ہیں انہیں ان کے پسندیدہ شوہر نہیں ملتے۔ احساس محرومی انہیں دوسرے مرد کی طرف راغب کرتا ہے۔ یا پھر انہیں اپنی شخصیت پر اتنا ناز ہوتا ہے!"

وہ سوسائٹی میں اپنے آپ کو مقبول بنانے کے لیے کسی اچھی پرسنیلٹی سے رابطہ قائم کرتی ہیں۔ کہ میں اب بھی کم نہیں ہوں۔ دو قسم کی عورتیں ہیں نا۔ ایک قسم وہ جو حالات سے سمجھوتہ کرلیتی ہیں۔ دوسری وہ جو حالات سے سمجھوتہ نہیں کرتیں۔

"مگر انور!"

دانش درمیان میں بول اٹھا۔

"کیا۔!"

ایسے لوگ جو حالات سے سمجھوتہ نہیں کیا کرتے۔ وہ اپنے آپ سے اپنا سکون چھین لیتے ہیں۔

"لیکن ان کی ضد بن جاتا ہے دانش!"

اور اس کے لئے جو طریقے استعمال کئے جاتے ہیں وہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ انسان کے ساتھ عیاشی کا لیبل لگ جاتا ہے۔ وہ اپنا موجودہ مقام بھی کھو دیتا ہے!"

وہ بات کر رہے تھے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔

دانش نے ریسیور اٹھایا۔

مسز رشدی تھیں۔

دانش مسکرا دیا۔

کہنے لگا۔ میں آپ کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔

شکر ہے تم نے میرے بارے میں سوچا تو۔ مسز رشدی کھل کھلا اٹھیں۔

"مگر یہ تو پوچھئے کیا سوچ رہا تھا"

دانش مسکرا کر بولا۔

"یہ پوچھ کر میں اس لمحے کی خوشی کھو دوں گی۔ مجھے نہ ہی بتاؤ"

مسز رشدی بولیں۔

"اور سنائیں کیسی ہیں آپ"

"زندگی گزر رہی ہے۔!"

"یعنی حالات سے سمجھوتہ !"

دانش بولا۔

"حالات سے سمجھوتہ تو کبھی نہیں ہو سکتا!"

"کیوں۔!"

اس لئے کہ سمجھوتہ کر لیا تو میں بوڑھی ہو جاؤں گی۔

"آپ کا وہم ہے۔!"

دانش بولا۔

" مجھے زندگی کے اس دور سے بڑی محبت ہے اور اسے میں ضائع نہیں کر سکتی دانش۔!"

"ہو سکتا ہے کبھی پچھتانا پڑے۔"

دانش بولا۔

" زندگی بھی تو ایک پچھتاوا ہی ہے اور بعض پچھتاوے بھی بڑے عزیز ہوتے ہیں انسان کو۔!"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔!"

دانش آہستہ سے بولا۔

تم کسی کی زندگی پُرسکون بنانے میں کوئی مدد نہیں کر سکتے!"

"آپ کیسی باتیں سوچتی ہیں۔!"

دانش بے بس سا ہو گیا۔

"صرف چند لمحے بخش دیا کرو، دانش میری تو مانگ بھی اتنی بڑی نہیں۔!"

"میں اپنی پوری زندگی کسی کو بخش چکا ہوں مسز رشدی!"

مسز رشدی چپ سی ہو گئیں۔ اور پھر کھوئی کھوئی سی بولیں۔

"کون ہے وہ۔!"

"ہے ایک۔!"

دانش کی آنکھوں کے سامنے آرزو کا چہرہ تھا۔

میں نہیں جانتی؟

"نہیں۔!"

"کیسی ہے!"

مسز رشدی کی آواز میں حسد تھا۔

"وقت آئے گا۔ آپ خود دیکھ لیجئے گا!"

دانش کے لہجے میں محبت سمٹ آئی۔

"بہت محبت ہے اس سے!"

مسز رشدی بولیں۔

"محبت تو انسان کے سینے میں کبھی ختم نہیں ہوتی۔ مسز رشدی۔!"

"جب وہ مجھے نہیں ملی تھی۔ میں بے چین اور اداس تھا۔!

"لیکن اب تو۔ اب تو خوشیوں کو پرکھنے کے لئے مجھے اپنا دل چھوٹا معلوم ہو رہا ہے!"

"کلب آؤ گے!"

مسز رشدی کو اس ذکر سے وحشت ہونے لگی۔

"آؤں گا شام کو۔!"

"اچھا۔ پھر یہیں باتیں ہوں گی!"

"اوکے۔!"

دانش بولا۔

اور ریسیور رکھ دیا۔

انور جو غور سے اس کی گفتگو سن رہا تھا قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"کیوں۔!"

دانش نے پوچھا۔

"کیسے کیسے لوگ ہیں دنیا میں۔!"

"ہاں۔ واقعی۔!"

"ایک بجنے والا ہے۔ مسٹر مجنوں۔!"

انور نے اسے وقت کا احساس دلایا۔

تو وہ جلدی سے اٹھا اور نظروں میں دنیا جہاں کی محبتیں لئے کیپ لگائی اور ٹیکسی لے کر چل دیا۔

موسم بڑا خوبصورت تھا۔
اسکول کی چھٹی ہو چکی تھی۔ لڑکیاں اسکول
سے نکل نکل کر بس اسٹاپ پر جمع ہو رہی تھیں۔
تھوڑی دیر بعد وہ بھی کسی سے باتیں کرتی
ہوئی نکلی۔
اس کے ریشمی بال ہوا سے بکھر بکھر جا رہے
تھے۔ چہرہ کچھ تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔
وہ ہلکے ہلکے قدم اٹھاتی ہوئی ٹیکسی کی
طرف آ رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی ایک
پینسل نما لڑکی تھی۔

"آؤ!"

اس نے دروازہ کھول کر دوسری لڑکی
کو بلایا۔
دانش کا دل بجھ سا گیا۔ وہ دونوں بیٹھ
چکیں تو وہ بے دلی سے بولا۔

"چلیں جی۔!"

"ہاں۔!"

آرزو بولی۔
دانش نے گاڑی اسٹارٹ کر دی

دانش نے آئینہ درست کیا، اور اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں دیکھا۔
دونوں کی نظریں ملیں۔
آرزو جھینپ گئی اور دانش مسکرا دیا۔
آرزو کو محسوس ہوا۔ ان آنکھوں میں ایک کہانی ہے۔ ایک گیت ہے۔
وہ ان آنکھوں کی کشش سے گھبرا سی گئی۔
یہ ٹیکسی ڈرائیور ہے۔ بینسل نما لڑکی جس کا نام شمو تھا مسکرا کر بولی۔
چپ رہ۔ آرزو نے آہستہ سے کہا۔
دانش کے کان پیچھے کی گفتگو سن رہے تھے اور آنکھیں شیشے میں لگی تھیں۔
"بڑا خوبصورت ہے!"
شمو بولی۔
"تو میں کیا کروں۔!"
اس کے کان کی لویں تپنے لگیں۔
ڈرائیور کی وجہ سے تو مسیح نہیں آئی۔ شمو مزید چھیڑتے ہوئے سرگوشی کے لہجے میں بولی۔
"بکو نہیں میں بہت آہستہ بات کر رہی ہوں۔ اس کے کان اتنے تیز نہیں ہیں!"
"تمہیں کیسے معلوم!"
آرزو ہنسی اور کہکشاں کی لڑی بکھر گئی۔
"اس لئے کہ اس کی آنکھیں زیادہ تیز ہیں!"
"آوارہ کہیں کی!"

آرزو کے چہرے پر شفق کا رنگ پھیلا جا رہا تھا۔

"اور آنکھوں کا استعمال بھی صحیح کرتا ہے!"

شمو شیشے میں دیکھتے ہوئی بولی۔

"شمو خدا کے لیے چپ ہو جا۔!"

آرزو پریشان سی ہو گئی۔

"مگر ہے ڈرائیور۔!"

شمو منہ بنا کر بولی۔

"بری بات شمو۔ ڈرائیور انسان نہیں ہوتا۔!"

آرزو بھولپن میں کہہ گئی۔ اور شمو نے تو بات پکڑ ہی لی۔

"اچھا۔ تو یہ بات ہے۔!"

"کیا بات!"

آرزو گھبرا گئی۔

"تو معاملہ آگے پہونچ گیا ہے۔ میں بھی کہوں آرزو جیسی کنجوس لڑکی ٹیکسی میں آنے جانے کی جرأت کیسے کر سکتی ہے!"

"شش شمو چپ ہو جانا۔ تو کیسی بیہودہ باتیں سوچتی ہے!"

آرزو عاجزی سے بولی۔

"ویسے ہے خوب!"

شمو اس کی تعریف کرتی بولی۔

"دیکھ رہی۔ وہ سن رہا ہے!"

آرزو ڈر سی گئی۔

"سنتا ہے تو سن لے!"

"کس مصیبت میں پھنس گئی تمہیں لاکر۔!"

آرزو بولی۔

"اے بھائی۔ ادھر کو موڑ لو کس موڈ میں چلے جا رہے ہو۔!"

شمو نے دانش سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

آرزو کا رنگ پیلا ہوا جا رہا تھا۔

وہ بے بسی سے شمو کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"جی، مجھ سے کچھ کہا۔!"

دانش اپنی مسکراہٹ چھپا کر بولا۔

"ہاں ہاں تم سے ہی کہا۔ اس سڑک پر موڑ لو۔ پہلے مجھے ڈراپ کر دو، پھر انہیں۔!"

شمو ہنس کر بولی۔

"جی بہت اچھا!"

دانش نے گاڑی گلی میں موڑ لی۔

"اس کا اتہ پتہ معلوم کروں آرزو۔!"

شمو بولی۔

"شمو مار کھاؤ گی مجھ سے۔ تم واقعی بڑی وہ ہو۔!"

"بس یہیں روک لو بھائی۔!"

شمو بولی۔

دانش نے گاڑی روک لی تو شمو بولی۔ "آؤ آرزو امی سے تو مل لو۔!"
نہیں بھئی اس وقت نہیں پھر کبھی آؤں گی۔
"آجاؤ۔ یہ ذرا ٹھہر جائیں گے!"
شمو کی آنکھیں شرارت پر تلی ہوئی تھیں۔
"جی۔ میں ٹھہر جاؤں گا۔ آپ مل آئیے!"
دانش بولا۔
"نہیں پھر سہی۔!"
"اچھا تمہاری مرضی۔ خدا حافظ!"
"سنو شمو۔!"
آرزو نے اسے پکارا۔
کیا ہے۔
"یہ اپنے پیسے تو لے لو۔!"
"قرضہ۔ پھر دے دینا۔!"
"نہ بابا لے لو۔ میں زیادہ قرضہ نہیں چڑھا سکتی!"
آرزو نے کاپی کے اندر سے ڈھونڈ کر دس روپے کا نوٹ نکالا۔
"تمہارا میرا حساب ختم۔!"
آرزو نے دس کا نوٹ اسے دیتے ہوئے کہا۔
"ہاں۔!"
"اچھا خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

شمو چلی گئی۔ دانش نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ اور بولا یہ بھی استانی تھیں (جی)۔

"ہاں یہ میری سہیلی بھی ہے!"

بڑی خوش مزاج معلوم ہوتی ہیں۔ دانش بولا۔

"شیطان ہے پوری۔!"

آرزو آہستہ سے مسکرائی۔

"بڑا انکساری تھیں آپ کو۔!"

دانش بولا۔

"تم نے ہماری باتیں تو نہیں سنیں۔!"

آرزو گھبرا گئی۔

"جی کچھ سنیں، کچھ نہیں!"

دانش آہستہ سے بولا۔

"ہائے اللہ۔!"

آرزو نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔

اور شرمائی شرمائی گھبرائی گھبرائی سی تھی۔

اور دانش کو اس کی اس جھینپ، شرمندگی پر پیار آگیا۔

وہ گھٹ کر رہ گیا۔

بےبس سا ہو گیا۔

جذباتی سا ہو کر بولا۔

"آپ نے ایک بڑی اچھی بات کی ہے بی بی جی ۔ !"

"کیا ۔ !"

وہ ہراساں سی بولی ۔

"یہی کہ ڈرائیور بھی تو انسان ہوتا ہے ۔ !"

وہ خاموش سی ہو گئی ۔ لیکن چہرہ سرخ ہو گیا ۔

"یہ آپ نے بالکل سچ کہا ۔ پیشے تو انسانوں نے بنائے ہیں اور ہر انسان جینے کا حق رکھتا ہے ۔ ہے نا بی بی جی ۔ !"

"ہاں ہاں ۔ !" وہ گھبرائی ہوئی بولی ۔

"آپ ۔ آپ کتنا اچھا سوچتی ہیں ! "

وہ اب بھی گھبرائی ہوئی تھی ۔

اور دانش اس کے چہرے کو دیکھتا رہا ۔ اس کا چہرہ یوں تھا جیسے زرد دھوپ اور شفق میں آنکھ مچولی ہو رہی ہے ۔

کہنے لگا ۔

"پٹرول ڈلوا لوں ۔ !"

ہاں ۔ آرزو کھوئی کھوئی سی تھی ۔

اس نے زیادہ وقت اس کے ساتھ گزارنے کے لئے یوں ہی خواہ مخواہ پٹرول کا بہانہ بنا لیا تھا ۔ حالانکہ گاڑی میں پٹرول کافی تھا ۔

گاڑی میں پٹرول ڈلوا کر اس نے آرزو کی طرف دیکھا اور بولا ۔

"معاف کیجئے گا ۔ !"

وہ گاڑی میں بیٹھنے لگا۔ اس نے دیکھا سامنے مینا گاڑی لئے اسے گھور رہی ہے
مینا اسے اس حالت میں دیکھ کر حیران سی تھی۔
پھر اس کی نظر پیچھے بیٹھی ہوئی آرزو پر گئی۔
دانش نے بھی اسے دیکھ لیا لیکن خاموشی سے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔
مینا دیکھتی رہ گئی۔
اور گاڑی پٹرول پمپ سے نکل گئی۔
وہ اب بھی خاموش بیٹھی تھی۔

"بی بی جی۔!"
دانش بولا۔

"ہاں۔ہاں۔!"
"آپ کچھ خاموش ہیں آج خیریت ہے نا۔!"
"کوئی بات نہیں۔یونہی۔!"
وہ آہستہ سے بولی۔
"میری بات تو بری نہیں لگی۔
وہ آہستہ سے بولا۔
"نہیں تم نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔!"
وہ کھوئی کھوئی بولی۔
"پھر کیا ہے۔؟"
"کچھ نہیں۔!"

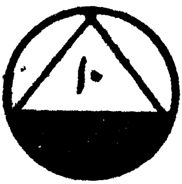
"ہے۔؟"

"نہیں۔!"

"ہے نا۔!"

اس کے لہجے میں پیار تھا۔ اور آرزو گھبرائی ہوئی تھی۔ گھر آگیا۔ تو وہ پریشان سی اتر کر اندر چلی گئی۔

حسین سی شام تھی۔
اور دانش فوم کے نرم و گداز بیڈ پر لیٹا آرزو
کے بارے میں سوچ رہا تھا۔
اسے یوں لگا جیسے آرزو رقص کرتی ہوئی
ایک مدھر تال پر ٹھہر گئی ہو، جیسے کسی سنگ تراش
نے اسے اسی حالت میں مورتی بنا دیا ہو۔
وہ مجسمہ اس کے سامنے تھا۔
اور
اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ محض جسم
ہو اور آرزو اس کی حیات کا سرچشمہ۔
جیسے وہ صرف گوشت پوست کا بنا ہوا
ایک ڈھانچہ ہو اور آرزو اس کی روح۔
جیسے وہ ساز ہو اور آرزو سرگم۔
آرزو۔
میرے بے چین روح کی تلاش کا انجام۔
کب تک دور رہو گی۔
اور پھر تصوری تصور میں اس نے دیکھا۔
وہ آرزو کا ہاتھ تھامے کسی سنہرے نگر میں
چلا گیا تھا۔



جہاں وہ اس کے ساتھ بادلوں کی روش سے نور کے بگولوں پر ہوتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے
آرزو کا آنچل ہوا میں اڑا جا رہا ہے۔ زلفیں بکھرتی چلی جا رہی ہیں۔ اور وہ ان عنبریں
زلفوں کو بار بار سنوار دیتا ہے۔
محبت کی ڈور میں بندھے ہوئے، دلوں کے نغمات بکھرتے ہوئے وہ دونوں
ایک دوسرے میں کھو گئے ہیں۔
محبت کے سمندر میں ہلکورے لیتا ہوا آنکھیں بند کئے وہ یوں ہی پڑا تھا کہ
ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔
اس نے ریسور اٹھایا۔
کلب کا سکریٹری تھا جس نے اسے کلب بلایا تھا۔
اس نے سکریٹری سے کہہ دیا کہ وہ تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ جائے گا۔
بے دلی سے وہ اٹھا۔ لباس تبدیل کیا۔
گاڑی تیار تھی۔ گنگناتا ہوا گاڑی میں بیٹھا اور چل دیا۔
موڑ میں اسے خبر ہی نہ رہی کہ وہ کہاں جانا چاہتا تھا۔
گاڑی یہاں جا رہی ہے۔
کچھ دیر بعد چونکا تو دیکھا۔
وہ آرزو کی گلی میں تھا۔
ارے۔ وہ گھبرا گیا۔ کہیں اس نے دیکھ لیا تو غضب کر جائے گا۔
گھبرا کر وہ پلٹا۔
دیکھا وہ منے کا ہاتھ تھامے سامنے چلی آ رہی تھی۔ ہاتھ میں دوا کی شیشی تھامے۔

اس نے جلدی سے ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لیا۔
آرزو اس کے پاس سے گزر گئی۔
اور وہ خدا کا شکر ادا کرتا ہوا سڑک پر نکل آیا۔
آرزو۔
میری آرزو۔ کب میری دنیا میں آؤ گی۔
تمہاری قسم۔ تمہاری ریشمی پلکوں کے پیچھے جھانکتی ہوئی مدبھری آنکھوں میں دیکھنے کے بعد دنیا کی کوئی خواہش باقی نہیں رہتی۔
آجاؤ۔
میری سونی سی زندگی میں رنگ بکھیر دو۔
خیالوں میں ڈوبا محبت میں کھویا کھویا وہ کلب پہنچا۔
جہاں۔
مردوں کے قہقہے گونج رہے تھے۔ اور عورتوں کی سُریلی سی ہنسی فضا میں نغمے بکھیر رہی تھی۔
وہ ہال کے مغربی کونے میں آ گیا۔
لیکن مختلف کونوں میں بیٹھی ہوئی عورتوں نے اسے دیکھ لیا تھا۔
وہ سیٹھ طاہر کے پاس بیٹھ گیا۔
لیکن مسز رشدی وہاں بھی اٹھ آئیں۔
"ہیلو دانش۔!"
سلیولیس بلاوز میں اس کے بازو بجلی کی مانند چمک رہے تھے۔ بال بکھر کر ماتھے پر

آ گئے تھے اور سگریٹ پینے کی وجہ سے لپ اسٹک پھیکی پڑ گئی تھی۔

"ہیلو۔ کیسی ہیں آپ۔!"

"فائن۔ تھینکو۔!"

"بیٹھو۔!"

وہ اس کے قریب والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تمہیں مبارکباد دینا چاہتی ہوں۔!"

"کیسی مبارکباد۔؟"

دانش مسکرایا۔

"تم نے صبح کہا تھا نا کہ تم نے کسی کو پسند کر لیا ہے۔!"

"اوہ۔ ہاں۔ تھینکو۔"

دانش کی آنکھوں میں خمار سا آ گیا۔

"اسے ساتھ نہیں لائے۔!"

مسز رشدی بولیں۔

"کبھی وہ دن آجائے گا۔!" کبھی وہ دن بھی آجائے گا۔

دانش محبت کے نشے میں سرشار بولا۔

"مگر وہ ہے کون۔؟"

"آپ نہیں جانتیں اسے!"

"تم سے کب جان پہچان ہوئی!"

"حال ہی میں۔!"

دانش بولا۔

"یقیناً کوئی خوبصورت لڑکی ہوگی۔!"

مسز رشدی ڈبیہ سے سگریٹ نکالتی ہوئی بولیں۔

دانش صرف مسکرادیا۔

آج دانش مسز رشیدی کو زیادہ اچھا نہ لگ رہا تھا۔ وہ آس پاس دیکھنے لگی۔

"مسٹر رشدی کو دیکھ رہی ہیں۔!"

دانش نے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔!"

مسز رشدی جلی جلی سی بولیں۔

دانش ہنس دیا۔

اور مسز رشدی اٹھ کر چلی گئیں۔

ہال کے مشرقی کونے میں مدھم روشنیوں کے غبار میں مینا ایک میٹھی شمپئن سے دل بہلا رہی تھی۔

لیکن اس کی نظریں دانش پر تھیں۔

اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے سے کھنچ گئے تھے۔ ہونٹوں کی پیاس بڑھتی جارہی تھی

آہستہ سے وہ اٹھی۔

آتشیں رنگ۔ کے لباس میں وہ آگ ہی نظر آرہی تھی۔

چند منٹ کسی سے باتیں کیں۔

چند لمحے کسی دوسرے ٹیبل پر ضائع کئے۔

ادھر یونہی لوگوں سے باتیں کرتی ہنستی مسکراتی وہ دانش کے قریب آگئی۔

"ہیلو مسٹر طاہر۔!"

وہ دانش کو نظر انداز کر گئی۔

"اوہ۔ہیلو۔مس مینا۔!"

طاہر کی ساری بتیسی باہر نکل آئی۔

"کیسے ہیں آپ۔!"

وہ شوخی سے بھرپور آواز میں بولی۔

"بالکل اچھا ہوں۔آیئے بیٹھئے۔مسٹر دانش سے آپ کا تعارف نہیں ہے کیا!"

طاہر کھی کھی کرتا بولا۔

"جانتی ہوں انہیں۔!"

مینا دانش کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

"اچھا اچھا!"

طاہر جلدی سے بولا۔

"مگر یہ مجھے نہیں جانتے شاید۔!"

اب کے مینا نے ایک بھرپور نظر ڈالی۔

"کیوں مسٹر دانش۔!"

طاہر بولا۔

"ٹھیک کہتی ہیں۔!"

دانش سپاٹ لہجے میں بولا

مینا کے دل کو چوٹ سی لگی۔

لیکن وہ سنبھل گئی۔

کہنے لگی۔

"پہچاننے کے لئے دل کی آنکھیں چاہئیں مسٹر دانش!"

"واقعی آپ سچ کہتی ہیں۔!"

"ہاں مجھے دیکھئے۔ میں آپ کو جانتی ہوں۔ اور آپ جہاں جس روپ میں ہوں آپ کو پہچان لوں گی۔!"

دانش اس کا طنز سمجھ گیا۔ اور بولا۔

"دل کی آنکھیں جب کسی کو پہچان لیتی ہیں تو پھر روپ بھی بدلنا پڑجاتا ہے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے!"

"یہ آپ کو یقین ہے کہ آپ نے جس کے لئے روپ بھرا اسے اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھا تھا۔!"

"یقیناً!"

دانش آہستہ سے ہنسا۔

"ہوسکتا ہے۔!"

"آج آپ کا ڈانس ہے۔!"

دانش بات بدلنے کے لئے بولا۔

"نہیں۔!"

"کیوں۔!"

"آج میں گاؤں گی۔!"

مینا اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھوں کا نشہ انڈیلتے ہوئے بولی۔

"کس وقت۔!"

"تھوڑی دیر بعد۔!"

اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔

کچھ دیر خاموشی کے بعد مینا بولی۔

"آؤ۔!"

"کہاں۔!"

"تم پیانو بجانا میں گاؤں گی۔!"

"مگر۔!"

"انکار نہ کرو۔ آؤ۔ زندگی چند لمحوں کے لئے ہمارے ہاتھ لگی ہے انجوائے کرو!"

"مگر میں۔!"

دانش بے بس سا ہو گیا۔

"آؤ نا۔!"

اس نے دانش کا ہاتھ پکڑ لیا۔

مگر دانش نے ایک دم ہاتھ چھڑا لیا اور اس کے ساتھ چل دیا۔

بے دلی سے وہ پیانو بجانے لگا۔

اور وہ ساتھ کھڑی۔ لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں گانے لگی۔

"آج رات جھوم لو۔!"

گانے کے دوران وہ دانش کی طرف دیکھتی تو دانش کی نگاہیں اس کی بے باک نگاہوں کی تاب نہ لا سکتیں اور جھک جاتیں۔

اس نے گانا ختم کیا۔

اور دانش تو یوں بھاگا۔ جیسے پکڑے جانے کا ڈر ہو۔ باہر نکل کر اس نے گاڑی نکالی اور تیزی سے گھر کی طرف لوٹ آیا۔

اُف۔ توبہ۔

کتنی عجیب ہے یہ مینا۔

گھر آیا تو انور اس کے کمرے میں بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس نے انور کو جگایا اور اس کے ساتھ باتوں میں لگ گیا۔

گورے گورے ہاتھوں سے

آٹا گوندتے ہوئے بارہا وہ رک جاتی کسی کی میٹھی
نظروں کا احساس ہوتا۔
تو دل کی دھڑکنیں بڑھ جاتیں۔
چہرے پر سرخی سی پھیل جاتی۔
"آرزو بیٹی۔!"
اس کے ابا حقے کی چلم میں آگ کا کوئلہ رکھنے
اس کے قریب آگئے۔
"جی ابا۔!"
"بیٹی میرا سوئیٹر بن گیا ہے۔؟"
"بس ابا گلے کی پٹی باقی رہتی ہے۔!"
آٹے کا تھال ایک طرف رکھتے ہوئے بولی۔
"فرصت ملے تو مکمل کردو۔ صبح فیکٹری جاتے
ہوئے ہوا بڑی سرد ہوتی ہے!"
"اچھا ابا۔ آج ضرور کر دوں گی"
ابا حقے کی چلم بھر کر برآمدے میں بچھی چارپائی
پر کمبل لپیٹے منے کا سبق سن رہے تھے۔
اور آرزو کو پھر وہی میٹھی نظریں اپنی لپیٹ
میں لے رہی تھیں۔ صحن میں لگے نل پر ہاتھ دھوتے

ہوئے اسے یوں لگا۔ جیسے راجہ کہہ رہا ہو۔

"آپ کتنی اچھی ہیں بی بی جی۔ کتنا اچھا سوچتی ہیں۔!"

اسے یاد آیا۔

وہ کہہ رہا تھا۔

"آج آپ کچھ خاموش ہیں بی بی جی۔!"

"نہیں تو۔!"

"میں نے کچھ کہا ہے!"

"نہیں تم نے تو کچھ نہیں کہا۔!"

"پھر کیا ہے۔!"

"کچھ نہیں۔!"

"ہے۔!"

"نہیں۔!"

"ہے نا۔!"

اسے یوں لگا، جیسے ان لفظوں میں راجہ نے شہد بھر دیا ہے۔

کتنا عجیب ہے راجہ۔

وہ شرما گئی۔

"آپا۔!"

منا اپنی کتاب لیے اس کے پاس آیا۔

"کیا ہے۔!"

"آپا یہ لفظ بتا دیجئے !"
منا کتاب کے صفحے پر انگلی رکھتے ہوئے بولا۔
"کونسا۔!" وہ کتاب پر جھک گئی۔

"یہ۔!"
"پڑھو۔!"
وہ منے کو پڑھانے لگی۔
"ایک تھا راجہ۔!"
"ایک تھا راجہ۔!" منا سبق یاد کرتے ہوئے بولا۔
اور آرزو کی نظروں میں مخمور آنکھوں والا راجہ آگیا۔
"آگے پڑھاؤ نا آپا۔؟"
"ہاں۔!" وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔
"ایک تھا راجہ۔!"
"یہ تو مجھے آگیا۔ آپا راجہ کیسا ہوتا ہے۔!"
منا بھولپن سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
"راجہ۔ راجہ بڑا خوبصورت ہوتا ہے منے۔!"
کہتے ہوئے اس کے دل کی دھڑکنیں بڑھ گئیں۔
اچھا آپا۔؟ منا بولا۔
"مجھے راجہ دکھاؤ گی آپا۔!"
"ہاں۔ دکھاؤں گی۔!"

وہ آہستہ سے ہنس پڑی۔

"کب۔!"

"صبح۔!" اس کی آنکھیں آپ ہی آپ جھک گئیں۔

"آ گئے پڑھائیے آپا۔!" منا بولا۔

"جاؤ ابا سے پڑھو۔ میں کھانا پکا لوں۔!"

اس نے منے کے گال پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا۔

منا ابا کے پاس چلا گیا۔

تو وہ سوچنے لگی۔

"توبہ میری۔ مجھے کیا ہو رہا ہے۔ میں کیوں راجہ کے بارے میں سوچ رہی ہوں معلوم نہیں وہ کون ہے۔ کیا ہے۔

"میں۔ میں بھی کیا خیال کرنے لگی۔!"

"نہیں نہیں۔ مجھے اس کے بارے میں نہیں سوچنا چاہیئے۔"

"شمو بھی کتنی شریر ہے۔"

"کیا کیا کہتی رہی۔ اور وہ سنتا رہا۔ توبہ اللہ

"کیا سوچتا ہوگا۔ کیسی لڑکیاں ہیں۔!"

"کیسی بے ہودہ باتیں کرتی ہیں۔!"

وہ جتنا راجہ کا خیال جھٹکنا چاہتی۔ راجہ پھر مسکراتا ہوا اس کے سامنے آکھڑا ہوتا۔ ایک انجانی سی کسک تھی جو دل کو بے چین کئے دیتی تھی۔ کھانا بنا کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اور ایک کتاب میں دل لگانے کی کوشش کرنے لگی۔

لیکن خیالوں کے آبی پرندے اڑتے جا رہے تھے۔ اس نے کتاب ایک طرف پھینک دی اور ابا کا سوئیٹر اٹھا لیا اور اس کا گلا ٹھیک کرنے لگی۔

"آرزو۔!" اماں اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

جی اماں۔

"دوا ختم ہو گئی ہے میری!"

"صبح لیتی آؤں گی اماں!"

"بیٹی تیرا پاؤں اب ٹھیک ہو گیا ہے اس ٹیکسی والے کا حساب کر دے اب۔!"

"اچھا اماں!"

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

ماں تو چلی گئی اور وہ سوچنے لگی۔ واقعی اس کا حساب کر دینا چاہیے۔

۱۲

"راجہ۔!"

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے آرزو آہستہ سے بولی۔

دانش نے مڑ کر دیکھا۔ حیرت سے مسرت سے۔ آج اس نے پہلی بار آرزو کے منہ سے یوں پکار سنی تھی۔

اس نے دیکھا۔ آرزو کے چہرے پہ شفق کانپ رہی تھی۔ آنکھیں حیا بار رہی تھیں۔

"جی۔ آپ نے مجھے پکارا۔!"

جذبات میں الجھی ہوئی آواز میں وہ بولا۔

"ہاں۔!" جھکی جھکی پلکوں کی جھالر کانپی۔

"فرمائیے۔؟"

"راجہ۔ تم اپنا حساب کر لو۔"

دانش کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں پکڑ کر مسل دیا ہو۔ حیرت اور پریشانی سے بولا۔

"کیوں۔!"

"اس لئے۔ اس لئے کہ میرا پاؤں ٹھیک ہو گیا ہے۔!"

"تو۔ تو کیا ہوا۔!"

"اب میں بس میں جایا کروں گی۔!"

وہ آہستہ سے بولی۔

"مگر بی بی جی۔!"

"مگر کیا۔!" وہ چونک کر بولی۔

"جی وہ اس لئے کہ کم از کم ایک مہینہ تو پورا کرتیں آپ!"

"کیوں میں نے تم سے مہینے کا تھوڑی کہا تھا۔!" وہ تیز ہو کر بولی۔

"آپ نے کہا تو نہیں تھا۔ مگر جانے میں نے کیوں سمجھ لیا تھا کہ آپ کم از کم مہینہ میری ٹیکسی میں آئیں جائیں گی!"

اس کے لہجے سے آرزو کانپ سی گئی۔

بی بی جی۔ ایک مہینہ پورا کر لیجئے نا۔ وہ لجاجت سے بولا۔

اس کے لہجے میں ایک التجا تھی۔ آرزو کے لبوں پر مسکراہٹ سی کھل گئی۔

"کہنے لگی۔!"

"اچھا۔ تم کہتے ہو تو مہینہ ہی پورا کر لو۔!"

"آپ۔ آپ واقعی گریٹ ہیں۔!"

"وہ خوشی سے بولا۔!"

اور آرزو حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

راستے میں دانش نے گاڑی روک دی۔

"کیوں۔ کیا ہوا۔!"

"گاڑی کا ایک ڈینٹ پڑ گیا ہے۔ پانچ منٹ میں ٹھیک ہو جائے گا۔

دانش نے کہا۔

اور پھر گیراج کا لڑکا گاڑی کا ڈینٹ ٹھیک کرنے لگا۔ گاڑی کا ڈینٹ تو ایک بہانہ ہی تھا۔ وہ تو کچھ دیر اس کے ساتھ باتیں کرنا چاہتا تھا۔

لڑکا ڈینٹ ٹھیک کر رہا تھا۔ وہ گاڑی میں آبیٹھا۔

"مجھے دیر ہو جائے گی!" وہ آہستہ سے بولی۔

"ابھی پہنچا دیتا ہوں بی بی جی بس پانچ منٹ۔!"

کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔

وہ اسے والہانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اور آرزو گھبراہٹ میں اپنی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

"بی بی جی۔ وہ خوابیدہ سی آواز میں بولا۔!"

کیا ہے۔

"آپ تو پڑھی لکھی ہیں ماشاءاللہ۔ میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔

"بتائیں گی۔!"

"پوچھو۔!"

وہ آہستہ سے بولی۔

"میں یہ پوچھنا چاہتا تھا بی بی جی۔ کہ بعض اوقات انسان اتنا پاگل کیوں ہو جاتا ہے!"

"کیا مطلب۔!" اسے غصہ آگیا۔

"مطلب یہی کہ وہ عجیب عجیب خواہشیں کر بیٹھتا ہے جنہیں حاصل کرنا تو درکنار سوچنا بھی گناہ ہے اس کے لئے!"

" مجھے تمہارا سوال بالکل سمجھ میں نہیں آیا!" وہ جھلا سی گئی۔

" آپ تو استانی ہیں ماشاءاللہ۔ اسکول کے بچے آپ سے سوال پوچھتے ہوں گے۔ کیا آپ ان پر بھی ایسے ہی غصہ کرتی ہیں۔!"

دانش کے اس انداز پر آرزو کو ہنسی آگئی۔

کہنے لگی۔

" تم بچے ہو۔؟"

" بچہ تو نہیں مگر پڑھا لکھا نہیں ہوں نا۔ یہ باریک باتیں نہیں سمجھ سکتا!"

" کیا خواہش کر بیٹھے تم۔!" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

" ہے ایک تمنا۔!"

" مجھے نہیں بتانے والی۔!"

" بوجھ لیں!" دانش اسے پیار سے دیکھتے ہوئے بولا۔

" بتا دوں۔!" آرزو ہنس کر بولی۔

" بتا دیں۔!"

" بوجھ لی میں نے۔!"

" بتائیے پھر!"

" یہ گاڑی موٹر سے ہے نا تمہاری خواہش یہ ہے کہ تمہارے پاس اتنے سارے پیسے آجائیں کہ تم ٹیوٹا خرید لو۔!"

" ہے نا یہی بات!" آرزو ہنستے ہوئے بولی۔

" اوں ہوں۔ یہ خواہش نہیں ہے!"

"اچھا ٹھہرو۔ ابھی ایک منٹ میں بتاتی ہوں!"
"ہاں بتائیے!" دانش اس کے اس شوخ انداز میں لطف لے رہا تھا۔
"تمہاری خواہش یہ ہے کہ ساری دنیا کے پاؤں میں موچ آجائے!"
دانش زور سے ہنس دیا۔
"کہنے لگا۔ یہ بھی نہیں۔!"
"مجھے نہیں پتہ۔ تم ہی بتاؤ پھر۔!" آرزو جھلا گئی۔
"میری خواہش عجیب سی ہے۔ پھر بتاؤں گا کبھی۔!"
وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔
اور وہ نگاہوں کے اس تصادم سے گھبرا اٹھی۔
"کہنے لگی۔ اب چلو بھی۔!"
"ڈینٹ ٹھیک ہوا ہی چاہتا ہے۔!"
مجھے دیر ہو رہی ہے نا۔
"ویسے آپ میری خواہش کے بڑی قریب پہنچ گئی ہیں!" وہ آہستہ سے بولا۔
"کیا مطلب۔!"
"یہی کہ پاؤں میں موچ آجائے۔!"
"بڑی اچھی خواہش ہے تمہاری۔!" آرزو شکوہ کرتے ہوئے بولی۔
"کیا کروں۔ پیشہ ہی ایسا ہے!" وہ ہنس کر بولا۔
"کیا کرو گے اتنا پیسہ کما کر۔!" آرزو نظریں جھکا کر بولی۔
"دولت ہر انسان کی کمزوری ہے بی بی جی۔!"

"مجھے تو دولت اچھی نہیں لگتی۔!" آرزو سنجیدگی سے بولی۔

"کیوں۔؟"

دانش بری طرح چونک گیا۔

"اس لئے کہ دولت آتے ہی ڈھیروں برائیاں ساتھ آجاتی ہیں۔ اور دولت مند بنتے ہی انسان مرجاتا ہے۔!"

"کیا مطلب جی!"

دانش حیرت سے بولا۔

"تم نے دولت مند لوگ دیکھے نہیں شاید۔ وہ اپنے آپ کو کسی اور ہی دنیا کی مخلوق سمجھتے ہیں۔!"

"اچھا جی!"

دانش جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے بولا۔

"میں نے تو آج تک یہی دیکھا ہے کہ دولت مند لوگوں کے سینے میں درد مند دل نہیں ہوتا۔ وہ صرف اپنے لئے سوچتے ہیں۔ اپنی تجوریاں بھرنے کی فکر میں رہتے ہیں!"

"ہو سکتا ہے آپ کا خیال غلط ہو!" دانش آہستہ سے بولا۔

"میرا خیال بالکل غلط نہیں ہے۔ میں نے ہمیشہ غریبوں کو حالات کی چکی میں پستا دیکھا ہے۔ اور پتہ ہے وہ حالات کس نے پیدا کئے ہیں۔ انہی دولت مندوں نے۔!"

"مگر بی بی جی۔ یہ تو محنت کی بات ہے۔ کسی نے محنت کی دولت مند بن گیا!"

"محنت!" آرزو درمیان میں بولی۔

"کیسی محنت۔ کرسی پر بیٹھ کر ہیر پھیر کرنا محنت ہے۔!"

"مگر۔!" دانش نے بولنا چاہا۔
لیکن آرزو کی آواز میں جوش تھا۔ بغیر رکے وہ بولی۔
"آج دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ گئی ہے۔ اور ملک میں چاروں طرف مایوسی ہے۔ افلاس ہے۔ بھوک ہے۔!"
"یہ تو قومی مسئلہ ہوا نا پھر۔!" دانش آہستہ سے بولا۔
"قوم کیسی بنتی ہے۔ یہ مسائل کون پیدا کرتے ہیں۔ کبھی سوچا تم نے۔ یہاں صرف ہوس ہے راجہ۔
تم بہت اچھی زندگی گزارتے ہو۔ دولت کی خواہش کبھی نہ کرنا۔ محنت میں بڑا سکون ہے۔ سارا دن سڑکوں پر گھومنے کے بعد تم جب گھر جاتے ہوگے تو سکون کی نیند آتی ہوگی۔ مجھے دیکھو میرا ضمیر مطمئن ہے۔ میں اپنی ضرورت محنت سے پوری کر لیتی ہوں۔ آرام کی نیند سوتی ہوں۔ جا کر دولت مند لوگوں سے پوچھو انہیں نیند آتی ہے؟ کبھی نہیں۔
یہ لوگ نیند کی گولیوں کے محتاج ہیں حقیقی سکون سے بہت دور ہیں راجہ!"
دانش حیرت سے اس کے سرخ ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔
ڈینٹ درست ہو چکا تھا۔
اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔
باقی راستہ خاموشی میں کٹا۔
"اسکول لگ گیا آج تو۔" آرزو اسکول کے گیٹ کی طرف دیکھ کر بولی۔
"معافی چاہتا ہوں!"
وہ اتر کر گیٹ کی طرف چلی گئی۔

اور دانش گھر کی طرف ہولیا۔
کپڑے بدل کر جب وہ دفتر پہنچا تو اس کا ذہن بے حد پریشان تھا۔
آرزو کی باتوں نے اسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔
"سر۔!" اس کا مینجر آکر بولا۔
"کیا ہے۔!"
"مزدور آج کام پر نہیں آئے۔!" مینجر آہستہ سے بولا۔
"کیوں۔!"
دانش چونک کر کہنے لگا۔
"جی وہ۔!"
"کیا ہے جلدی بتاؤ۔!" دانش غصے سے بولا۔
"انہوں نے کچھ مطالبات پیش کئے تھے جی۔!"
"کون سے مطالبات۔ مجھے تو کچھ پتہ نہیں۔!"
"جی وہ مطالبات پورے نہیں کئے جا سکتے۔ مینجر آہستہ سے بولا۔!"
"مگر آخر ان کا مطالبہ کیا ہے۔ مجھے کیوں نہیں بتایا آپ نے۔!"
"سر وہ تنخواہ بڑھانا۔ اور آٹھ گھنٹے ڈیوٹی۔!"
"تو کیوں نہیں پورے کئے جاتے یہ مطالبات۔!"
دانش غصے سے بولا۔
"سر دوسری فیکٹریوں والے ہم سے تعاون نہیں کرتے۔!"
"دوسری فیکٹریوں والے نہیں کرتے تو نہ کریں۔ ہماری فیکٹری یہ مطالبات پورے

کرے گی۔ یہ مطالبات جائز ہیں۔ ہر انسان کو زندہ رہنے کا حق ہے ہماری فیکٹری مزدوروں کے دم سے قائم ہے۔!"

دانش جوش میں بولا۔

"مگر سر سوچ لیجیے یہ مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔!"

"مینجر صاحب۔ آپ کے سینے میں دل ہے۔؟"

"جی۔!" مینجر گھبرا گیا۔

"جائیے ان سے کہہ دیجیے کہ وہ کام پر آجائیں، ان کی مانگ پوری کی جائے گی۔ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔!"

"مگر حضور پھر مال کے دام بھی بڑھانے پڑیں گے مینجر بولا۔ مال کے دام نہیں بڑھیں گے۔ ہم منافع کم لیں، سمجھ گئے آپ۔!"

"سمجھ گیا سر۔!"

مینجر باہر چلا گیا۔

باہر مزدور دانش کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔

اور دانش کو یوں لگ رہا تھا۔

جیسے آج تک وہ سو رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ اور آج۔

آرزو کے چند لفظوں نے اسے جھنجوڑ کر جگایا تھا مگر ساتھ ہی ساتھ وہ بے چین ہو گیا

آرزو۔

میں تمہیں اپنا آپ بتا دینا چاہتا ہوں۔ لیکن ڈرتا ہوں کہیں تمہیں ہمیشہ کے لیے ہی نہ کھو دوں۔

کاش میں تمہیں بتا سکتا کہ میں کیا سوچتا ہوں۔
آرزو۔
میں تمہیں کیسے بتاؤں۔ کہ میں کون ہوں۔ میں کون ہوں۔
مگر نہیں۔ میں تمہیں نہیں بتاؤں گا۔
جب تک تمہیں جیت نہ لوں۔
یہ فیصلہ کرنے کے بعد۔ وہ اسے اسکول سے لینے چلا گیا۔

۱۳

واپسی پر آج پھر شمو اس کے ساتھ تھی
شمو کسی بات پر ہنستی ہوئی آرزو کے ساتھ
ٹیکسی کی طرف آ رہی تھی۔
دانش آج کچھ رنجیدہ سا تھا۔

"کیا حال ہے بھیا۔!"
شمو پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اچھا ہوں جی۔ مہربانی آپ کی۔!"
"آرزو نے شمو کے کہنی ماری!"
اور دانش نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"آج کچھ سیر کرواؤ بھیا۔!"
شمو آرزو کے بازو میں چٹکی کاٹتے ہوئے بولی۔

"دیوانی ہوئی ہو کیا!" آرزو غصے سے بولی۔

"اس میں دیوانگی کی کیا بات ہے۔ جو لوگ سیر کرتے ہیں وہ دیوانے ہوتے ہیں کیا!"
شمو نے کہا۔

"دیکھ شمو باز آجا۔!"
آرزو عاجزی سے بولی۔

"میں تم سے کہہ رہی ہوں بھیا! سیر کراؤ آج

"جی۔ بہت بہتر۔!"
دانش آہستہ سے بولا۔
"آج اس کا موڈ بھی خراب لگتا ہے۔!" شمو بولی۔
"نہیں رابعہ سیدھے گھر چلو!" آرزو نے جلدی سے کہا۔
"ہوں۔ راجہ۔!" شمو آہستہ سے بولی۔
"تو بڑی بیہودہ ہے شمو۔!" آرزو پریشان ہو کر بولی۔
"چلوں بی بی جی!" دانش نے پوچھا۔
"نہیں۔ گھر چلو!" آرزو جلدی سے بولی۔
"جانے تو کیسی لڑکی ہے۔ سارا دن تو اس کی باتیں کر کے میرا مغز کھاتی رہی ہے اب چلنے سے انکار کر رہی ہو۔!"
شمو سرگوشی کرتے ہوئے بولی۔
"کیا باتیں کی ہیں میں نے تجھ سے۔!"
آرزو جلدی سے بولی۔
"کہہ نہیں رہی تھی۔ کہ لڑکا کسی شریف گھرانے سے لگتا ہے۔!"
"تو اس میں کیا برائی ہے!"
آرزو نے جواب دیا۔
"اچھا۔ تو دوسری بات یاد کرو۔!"
شمو اس کے کان کے پاس منہ کر کے بولی۔
"کونسی۔!"

آرزو نے جلدی سے آگے دیکھا۔

کہیں وہ ان کی گفتگو سن تو نہیں رہا لیکن وہ بظاہر لاپرواہ سا بنا ہوا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ کان پیچھے کی طرف لگے ہوئے ہوں۔

"ارے وہی۔ کہ راجہ کتنا خوبصورت ہے۔ بالکل ڈرائیور نہیں لگتا۔"

شمو آہستہ سے بولی۔

"کیا لگتا ہے۔؟" آرزو کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

"شہزادہ۔!" شمو نے فیصلہ کر دیا۔

"چل ہٹ۔!" آرزو شرما گئی۔

ماں نے نام سوچ کر رکھا ہے۔ شمو بولی۔

"تو مرتی ہے اس پر۔!" آرزو مسکرا کر بولی۔

"میں نہیں۔ بلکہ تو۔!" شمو انگلی سے اس کا گال چھوتے ہوئے بولی۔

"میرا دماغ خراب ہے کیا۔؟" آرزو نے کہا۔

"اچھا۔ پھر تعریف کیوں کر رہی تھی؟" شمو نے کہا۔

"ایسے ہی۔!" آرزو بولی۔

"ایسے ہی۔!" شمو نے اس کا منہ چڑایا۔

"آپ کا گھر آگیا بی بی جی۔!" دانش گاڑی روکتے ہوئے بولا۔

"ارے۔ آگیا میرا گھر۔!" شمو دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ جاؤ دفع!" آرزو ہنسی۔

"اچھا۔ کل نپٹوں گی۔!" کہتی ہوئی شمو بھاگ گئی۔

دانش نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ اور آرزو دل ہی دل میں ڈر رہی تھی کہیں را
نے ان کی باتیں تو نہیں سن لیں۔

"آپ کی سہیلی بڑی اچھی ہے۔!" دانش ہونٹوں میں مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔!" آرزو ڈری ڈری سی بولی۔

"بڑی اچھی باتیں کرتی ہیں۔!" دانش ہنسا۔

"کون سی باتیں!" آرزو سہم گئی۔

"جو ابھی کر رہی تھیں وہ!" دانش ہنسی چھپا کر بولا۔

"تو۔ تو تم نے وہ ساری باتیں سن لیں۔!"

آرزو روہانسی ہو گئی۔

"جی ہاں۔!" دانش پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے بولا۔

"اوہ میرے خدا۔!"

آرزو نے اپنا سر تھام لیا۔

"کیا ہوا۔؟" دانش آہستہ سے بولا۔

"گاڑی چلاؤ سیدھی طرح!" وہ مری ہوئی آواز میں بولی۔

"آپ کو بری لگیں ان کی باتیں۔!"

"اف میرے خدا۔!" رابعہ میں مار بیٹھوں گی تمہیں۔

دانش زور سے ہنس دیا۔

اور آرزو جھینپ گئی۔

پھر آہستہ سے بولی۔

"تم آج اپنا حساب کر لو۔"

"یہ اچھی دھمکی ڈھونڈی آپ نے۔!" دانش مسکرا کر بولا۔

"بس تم اپنا حساب کر لو۔!" آرزو فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

"بی بی جی وعدہ بھی کوئی چیز ہے۔ آپ نے ایک مہینے کا وعدہ کیا ہے۔"

"توبہ۔ تم سے کون الجھے اب۔!"

"میں کب الجھنے کو کہتا ہوں بی بی جی۔!"

"راجہ۔ کل سے تم مت آنا۔!" وہ غصے میں بولی۔

"میں تو آؤں گا بی بی جی۔!"

"میں جو کہتی ہوں۔!"

"آپ تو یہ بھی کہتی ہیں کہ میں شریف آدمی ہوں۔ اور!"

"تم چپ نہیں رہو گے۔!" آرزو روہانسی ہو کر بولی۔

"آج میں بہت خوش ہوں بی بی جی۔ زندگی میں پہلی بار ایک خوشی ملی ہے۔ آج مجھے بولنے دیجیے۔!"

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔!" آرزو بولی۔

"آپ نے خود ہی تو کہا تھا۔ ہر انسان کو زندہ رہنے کا حق ہے۔ کہا تھا نا!"

وہ اپنی آنکھوں کا خمار اس کے چہرے پر بکھیرتا ہوا بولا۔

آرزو ڈول سی گئی۔

کہنے لگی۔

"کہا تھا مگر۔!"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔!" آرزو بولی۔

وہ چپ رہا لیکن اُسے مڑ کر بار بار دیکھ لیتا۔ اس کی نظروں میں ایک والہانہ پن تھا۔

چاہت تھی۔

پیار تھا۔

تشنگی تھی۔

اک آگ تھی۔

جس کی تپش آرزو کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔

وہ گھبرا گئی۔

اور کہنے لگی۔

"راجہ۔ کل سے تم نہیں آؤ گے۔ میں بس میں چلی جایا کروں گی!"

"مجھے ایک بات بتا دیجیے!" دانش نے اس سے سوال کر دیا۔

"کیا!" حیرت سے اس کی آنکھیں اٹھیں۔

"مجھے آپ انسان سمجھتی ہیں نا!"

"تم۔ تم کیسی باتیں کرتے ہو!"

"آپ ٹال رہی ہیں۔!"

"اوہ۔!"

"بتا دیجیے نا۔!" وہ ضدی بچے کی طرح مچل گیا۔

"کیا۔؟!"

"یہی کہ آپ مجھے انسان سمجھتی ہیں "
"کیوں نہیں سمجھوں گی ۔ !"
آرزو آہستہ سے بولی ۔
"تو بس پھر ٹھیک ہے !"
"کیا ٹھیک ہے !" وہ کچھ تیز ہو کر بولی ۔
"یہی کہ آپ میری ٹیکسی میں آیا جایا کریں گی !"
آرزو ہنسی ضبط کرنے کے باوجود بے قابو ہو گئی ۔
کہنے لگی ۔
"بڑے گھاگ ہو راجہ تم ۔ !"
"انسان ہونے کے ناطے یہ ٹیکسی آپ کی بھی تو ہے ۔ !"
"ہاں ۔ جانتی ہوں تمہیں ۔ !" آرزو بولی ۔
"کیا ؟" دانش نے جلدی سے پوچھا ۔
"پہلے روز جب تم مجھے بارش والے دن ملے تھے ؟"
"کیا دن تھا وہ بھی ۔ !" دانش لمبی سانس لیتے ہوئے بولا ۔
آرزو ہنستے ہوئے بولی ! "میں تمہیں تمہارا کاروباری رویہ یاد دلا رہی ہوں !"
"کیسا کاروباری رویہ ۔ !" دانش چونک کر بولا ۔
"دس جی ۔ کہاں جائیں گی آپ ۔ !" آرزو اس کی نقل اتارتے ہوئے بولی ۔
"تو کیا ہوا ۔ !" دانش بولا ۔
"جانتی ہوں کس لئے پوچھ رہے تھے ۔ !"

"کس لیے پوچھ رہا تھا۔؟"

"یہی کہ نزدیک جانا ہو تو چھوڑ کر چلے جائیں۔ دور کی سواریاں پیسے زیادہ بناتی ہیں نا!"

آرزو اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔

اور دانش کو جیسے دو جہاں کی خوشیاں مل گئی تھیں۔

آرزو کا گھر آگیا۔

اترتے ہوئے وہ پھر آہستہ سے بولی۔

کل اپنا حساب کر لینا

"اوں ہوں۔ پورا ایک مہینہ!" اس کی آواز جذباتی سی ہو گئی۔

"ضروری ہے کیا۔!" وہ آہستہ سے بولی۔

"ہاں بہت۔ غریب آدمی ہوں۔!" وہ آہستہ سے ہنسا۔

"بڑے غریب ہو جیسے۔؟" آرزو مسکرا کر کہنے لگی۔

"آپ کو ترس ہی نہیں آتا۔!" دانش کھڑکی سے منہ نکال کر بولا۔

"کچھ کچھ آنے لگا ہے۔!"

جاتے جاتے وہ مڑ کر بولی۔ اور پھر اندر بھاگ گئی۔

اور اس لفظ کے سرور سے دانش کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

وہ وہیں کھڑا رہتا۔

لیکن ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔

راوی چلے گے۔ ایک بوڑھا تھا۔

وہاں کیا کروں گا جا کر۔ وہ چونکتے ہوئے بولا۔

"کیوں" نوجوان ہنس کر بولا۔
"دریا کا بہاؤ تیز ہے۔ آپ بھی نہ جائیے" دانش مسکرا کر بولا۔
"مشورے کا شکریہ" لڑکی جل کر بولی۔
"تم کس طرف جا رہے ہو" نوجوان بولا۔
"جی میں فی الحال تو۔ تھانے کی طرف جا رہا ہوں"
چالان ہو گیا تھا۔ دانش بولا۔
"بہت بیڑہ غرق کی۔ سارا موڈ خراب کر دیا۔
تھانے چلیں تو لے چلوں۔ دانش بولا۔
نوجوان ہنستا ہوا لڑکی کی ساتھ دوسری جانب چلا گیا۔
اور دانش نے مسکرا کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔
گنگناتا ہوا وہ انور کے گھر کی طرف چل دیا۔

"بس نہیں آتا مجھ پر۔!"

"کچھ کچھ آنے لگا ہے۔!"

اور اس کے بعد آرزو کا تمتماتا ہوا چہرہ، اور شرما کر بھاگ جانا۔ یہ منظر دانش کی آنکھوں کے سامنے گویا منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔ دفتر میں بیٹھا وہ کب سے سامنے دیوار کو دیکھے جا رہا تھا۔ ان لفظوں کا سحر اسے مدہوش کئے دے رہا تھا۔

انور دفتر میں داخل ہوا لیکن دانش کو کوئی ہوش نہ تھا کہ کون آیا ہے۔ کیا ہو رہا تھا۔

وہ تو ٹکٹکی لگا کے سامنے دیکھ رہا تھا۔

انور نے چند لمحے تو اس کی اس بے خبری کو دلچسپی سے دیکھا پھر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"دانش۔!" انور بولا۔

"آں۔ ہاں۔ تم۔!" دانش ہکی بکی سی آواز میں بولا۔

"ہاں فی الحال تو میں ہی ہوں۔!"

"آؤ بیٹھو۔!" دانش مسکرا کر بولا۔

"واپس آ جاؤ بھیا۔!" انور اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"نہیں آیا جاتا۔!" دانش کی آواز میں ایک نشہ سا تھا۔

"پھر چلے جانا۔ کچھ دیر مجھ سے دل بہلا لو۔!"

"آج میں بہت خوش ہوں انور۔!"

"وہ مل گئی ہو گی۔!"

"اس نے ایک بات کی ہے پتہ ہے کیا بات۔!" میں نے کہا۔

مجھ پر ترس نہیں آتا بی بی جی۔ تو۔ تو اور یہ کہتے ہوئے وہ اندر بھاگ گئی کہ کچھ کچھ آنے لگا ہے۔

دانش اس کی محبت کے نشے میں بہکا بہکا سا اسے سنا رہا تھا۔ اور انور کے چہرے پر بھی بھی خوشی بکھرتی جا رہی تھی۔ کہنے لگا۔

"مبارک ہو۔!"

"تمہیں بھی۔!"

"تھینکیو، آؤ کدھر چلیں۔!"

"کہاں!" دانش نے پوچھا۔

"کہیں گھومنے۔!"

"یار یہ اتوار کا دن کیوں آجاتا ہے۔!" دانش بیزاری سے بولا۔

"لو۔ لوگ تو شکر کرتے ہیں کہ اتوار کا دن آیا۔ اور تم بیزار ہو رہے ہو۔!" انور بولا۔

"بیزاری کی بات ہے آج اسے چھٹی ہے۔!"

"صبر بھی کر لیا کرو۔ ایک دن کی ناغہ اچھی ہے۔ کل جب دونوں ایک دوسرے کو

دیکھیں گے تو زیادہ شدت ہو گی !،،

" کل ہی تو اسے مجھ پر ترس آیا ہے ۔ !،،

دانش ہنس کر بولا ۔

" حوصلہ ۔ حوصلہ ۔ تم تو سارے عاشقوں کے استاد نکلے ۔ !،،

انور ہنس کر کہنے لگا ۔

" استاد کیسے ہوئے ۔ آج دس روز سے میری اس کی جان پہچان ہے ۔ لیکن میں اپنے دل کی بات اس سے نہیں کہہ سکا !،، دانش برا سا منہ بنا کر بولا ۔

" دس روز میں ایک لفظ بہت ہے یار ۔ !،، انور بولا ۔

" اپنی کہو ۔ تم نے تو ایک ملاقات میں وہ چھپکلی رام کر لی تھی ،،

" اچھا ۔ اب ہماری مس میری چھپکلی ہو گئی ،، انور بولا ۔

" تو اور کیا ہے !،،

" دیکھ لیں گے تمہاری چھپا کلی کو بھی ۔ !،،

انور چڑ کر بولا ۔

" پاگل ہو جاؤ گے ۔ !،،

" اتنی ڈراونی ہے کیا ۔ !،،

" ادب سے بات کرو بیٹا ۔ !،، دانش گھور کر بولا ۔

" اچھا ۔ !،، انور نے کہا ۔

" بالکل ۔ !،،

" دیکھیں گے تو بتائیں گے ، اپنی رائے ۔ !،،

انور بھنویں سکیڑتے ہوئے کہنے لگا۔

"مجھے پتہ ہے تم کیا کہو گے۔ دانش سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا۔!"

"کیا کہوں گا۔!"

یہی کہ دانش واقعی تم خوش قسمت ہو۔

"ویسے دانش!" انور اس کے سگریٹ سے اپنا سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا۔

"ہوں۔"

"تمہیں کیا ہوا۔ میں تو حیران ہوں یہ سب دیکھ کر!"

"مجھے!" دانش آہستہ سے بولا۔ اس کے لہجے میں خلوص تھا۔

عقیدت تھی۔ پیار تھا۔

کہنے لگا۔

"اس کی دلنواز شخصیت نے میرے دل کے خاموش تاروں کو جھنجھنا کر رکھ دیا ہے مجھے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے میری ہمیشہ سے بھٹکنے والی تمناؤں کو منزل مل گئی ہو۔"

"انور۔!"

"میں نے اس کی جھکی پلکوں میں اپنی تشنہ آرزوؤں کی جھلک دیکھی ہے۔"

اور انور۔

یہ بھی تمہیں بتادوں۔ اگر مجھے وہ نہ ملی تو۔ تو میں مر جاؤں گا!"

"ارے کیا ہوا ہے تمہیں دانش!"

انور اس کے سرخ ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"بہت کچھ ہو گیا ہے!" دانش مسکرا کر بولا۔

"آؤ چلیں گھوم آئیں۔!" انور بولا۔

"چلتے ہیں۔ ہاں انور۔ کل سے نمائش لگ رہی ہے۔ اپنی مل کے پارچات کی نمائش کے لئے میں نے نمائش گاہ میں جگہ لے لی ہے۔ آؤ گے نا۔!"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔!" انور بولا۔

"میرے خیال میں تو تم ہی کچھ دن اسٹال سنبھال لو!"

"نہ بابا مجھے تو معاف رکھو۔!"

"یار مجبوری ہے نا۔ مان جاؤ۔!"

"نہیں بھئی اپنے بس میں نہیں۔!"

"مجھ سے بات نہ کرنا پھر!"

دانش ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

"یہ اچھی دھمکی ہے۔!"

"مان جاؤ نا۔!"

"لیڈیز شو ہوگا۔!"

انور مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہاں ہاں، دو روز۔!"

"تو پھر ٹھیک ہے۔!"

"پکی رہی نا۔!"

"ہاں۔ ہاں بالکل۔!"

دونوں نے ہاتھ ملایا۔

اور دانش بولا "کوئے محبوب کا ایک راؤنڈ ہو جائے۔ چلو پھر شاید کہیں نظر آجائے۔!"

دونوں اٹھ کر باہر نکل گئے۔ آرزو کے گھر کی طرف گئے۔ لیکن وہاں کوئی نظر نہ آیا۔

۱۵

گاڑی کا دروازہ کھول کر آنند پچھلی
سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس کے رخسار دمک رہے تھے
آنکھیں حیا سے جھکی جھکی جا رہی تھیں۔
"چلوں۔!" دانش مسکراہٹ ہونٹوں
میں چھپاتے ہوئے بولا۔
"ہاں۔!" جھکی جھکی نظروں کے ساتھ وہ
آہستہ سے بولی۔
اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔
گلی سے نکل کر کھلی سڑک پر آتے ہوئے
اس نے ایک بار پیچھے مڑ کر دیکھا۔
وہ اپنی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔
دونوں چپ چاپ تھے۔
لیکن دھڑکنیں زبان بن گئی تھیں۔
خاموشی داستان بن گئی تھی۔
کافی دیر بعد دانش آہستہ سے بولا۔
"بی بی جی۔!"
"ہوں؟"
"آپ آج خاموش کیوں ہیں۔!"
"ایسے ہی۔!" آنند کے کان کی لویں تپنے لگیں

"کوئی وجہ تو ہو گی۔!" وہ شرارت بھرے انداز میں بولا۔

"کوئی نہیں۔!"

"اچھا نہیں ہو گی!" مگر میں سمجھا تھا۔

"کیا سمجھے تھے۔!" وہ آہستہ سے بولی۔

"شاید میری بھول ہو۔!" دانش بولا۔

"کیا۔!"

"میں سمجھا تھا۔ جیسے خاموشی کی وجہ میں ہوں"

آرزو کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"بتائیے نا۔ میں ٹھیک سمجھا تھا کہ غلط۔!" وہ مچل گیا۔

"راجہ۔!" آرزو جھلا کر ڈانٹ بھرے انداز میں بولی۔

پھر آہستہ سے بولی۔

"راجہ۔ تم اپنا حساب کر لو۔!"

"یہ تو دھمکی بنا لی آپ نے!" دانش ہنس کر بولا۔

"تم اب واقعی اپنا حساب کر لو۔!" وہ گھبرائی ہوئی اسے بڑی اچھی لگ رہی تھی۔

"واقعی۔!" دانش گردن موڑ کر اپنی آنکھوں کا خمار اس کی آنکھوں میں انڈیلتا ہوا بولا۔

"ہاں۔!" پریشان ہو کر اس نے نظریں جھکا لیں۔

دانش اداس سا ہو گیا۔

کہنے لگا۔

"اگر آپ یہی چاہتی ہیں تو میں زبردستی تھوڑی کر سکتا ہوں!"

"کل سے میں نہیں آؤں گا۔!"

"آرزو کا دل جانے کیوں ڈوب سا گیا۔!" کہنے لگی۔

"اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔!"

"آپ برا ماننے کا کہتی ہیں مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے جیسے آپ یہ کہہ کر مجھے پھانسی کی سزا سنا رہی ہیں۔!"

دانش کی آواز میں دکھ تھا۔

اور اس دکھ کی جھلک سے آرزو لرز گئی۔ کانپ گئی۔ کہنے لگی۔

"راجہ، بات دراصل یہ ہے کہ۔ کہ میں سمجھتی ہوں کہ میرے لئے یہ فضول خرچی ہے!"

دانش نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔

اس کی نگاہوں میں بے چارگی تھی۔

"سمجھ گئے نا راجہ۔!" آرزو مسکرا دی۔

"میں اب کیسے بتاؤں کہ مجھے پیسے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میری یہ گاڑی آپ کی ہے۔ آپ!" دانش کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے آرزو کو سمجھائے۔

"راجہ۔!" آرزو سہم گئی۔

"معافی چاہتا ہوں۔!"

دانش کو احساس ہوا کہ اسے یوں ایک دم اسے کچھ نہیں کہنا چاہیئے تھا۔

آرزو خاموش سی ہو گئی۔

اور وہ بے بسی۔ بے چارگی کے سمندر میں ڈولتا ہوا کہنے لگا۔

"میں بھی کتنا عجیب ہوں بی بی جی"

یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں حالات کے ہاتھوں ایک ایسا پیشہ اپنائے ہوئے ہوں جو معاشرے کی نظروں میں باعزت نہیں۔ اپنے آپ کو جانے کیا سمجھنے لگا ہوں اور کیسی تمنا کر بیٹھا ہوں۔!"

"ایسی تمنا۔!

جو میرے لئے سراب ہے!

میں جو اپنے آپ سے اتنا پیار کرتا ہوں۔ یہ سمجھتا ہی نہیں کہ میرے انسان ہونے پر میرے پیشے کی چھاپ لگی ہے۔!"

"راحیہ!"، وہ روہانسی ہو رہی تھی۔ کہنے لگی۔

"تم کیسی باتیں کرنے لگے ہو"

"خدا کے لئے سوچو۔ اور سمجھو۔ ایسی باتیں نہ کرو۔!"

"میں پھر معافی چاہتا ہوں۔!"

"انسان ہوں نا۔ اور انسان کبھی انسان نہیں رہتا۔ آدمی بن جاتا ہے۔ معاف کر دیجئے۔!"

"تم دوسرے راستے پر نکل آئے ہو۔ مجھے اسکول جلدی جانا ہے"

آذر و آس پاس دیکھتے ہوئے بولی۔

"جی۔ ابھی پہنچا دیتا ہوں۔!"

اس نے گاڑی واپس موڑ لی۔

"معاف کر دیا آپ نے مجھے!"

کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ آہستہ سے بولا۔
"کیسی معافی!"
"میں نے عجیب و غریب باتیں کر کے آپ کو دکھ پہنچایا ہے نا۔!"
"نہیں، ایسی بات نہیں ہے!"
وہ نظریں جھکائے بولی۔
"تو میں۔ اب نہیں آؤں گا۔!" وہ آہستہ سے بولا۔
"ناراض ہو گئے ہو۔!"
آرزو ہمت کر کے بولی۔
"آپ سے بھلا کوئی ناراض ہو سکتا ہے۔ آپ کا اسکول آگیا!" اس نے گاڑی میں بریک لگادی۔
"ایسی باتیں تو کر رہے ہو۔!" آرزو مسکرا دی۔
"آپ بار بار کہتی ہیں نا۔ اپنا حساب کر لو۔!"
وہ روٹھا روٹھا سا بولا۔
"ہاں کتنے پیسے ہوئے"! آرزو آہستہ سے بولی۔
"میں نے آپ سے کہا تھا۔ مجھے پیسے نہیں چاہئیں۔!" وہ منہ پھیر کر بولا۔
"مگر۔ تم۔ تم نے تو کہا تھا!" آرزو حیرت سے بولی۔
"غلط کہا تھا۔!"
"پھر اتنا عرصہ مجھے بیوقوف بناتے ہو۔!"
آرزو ہنس کر بولی۔

"خدانخواستہ۔ ہیں ۔ اتنا کہ انہیں جتنا آپ سمجھ رہی ہیں۔ !"

پھر۔ یہ سب کہا تھا۔

"یہ سب۔ یہ اس لئے کہ آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ اور میں نے اسی لئے !"

"راجہ !"

آرزو پریشان ہو کر گاڑی سے نیچے اتر آئی۔

"میں ایک بجے آؤں گا۔ !"

وہ پھر پہلے والا کھلنڈرا دانش بن گیا۔

آرزو نے تیز نظروں سے اسے دیکھا اور اسکول کی طرف چلی گئی۔

دانش نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

اسکول کی گھنٹی بجی۔
ڈھیر ساری لڑکیاں گیٹ سے نکلیں اور
ادھر ادھر بکھر گئیں۔
کچھ دیر اور بیت گئی۔
کچھ اور لڑکیاں نکلیں۔ اور بس اسٹاپ
کی جانب بڑھ گئیں۔
پھر کچھ دیر اور گزری۔
لیکن آرزو ابھی تک اسے نظر نہ آئی۔
وہ ٹیکسی میں بیٹھا اسکول کے گیٹ کی طرف
نظریں جمائے ہوئے تھا۔

۱۶

کافی دیر بیت گئی۔
سڑک اب ویران ہو چلی تھی۔ لڑکیاں بسوں
میں بھر بھر کر جا چکی تھیں۔
مایوسی اسے اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی کہ
اس نے دیکھا۔
آرزو گیٹ سے نکلی ہے۔
اسے دیکھا۔ لیکن آگے بڑھ گئی۔ اور پھر بس
اسٹاپ پر جا کر رک گئی۔
دانش نے گاڑی اسٹارٹ کی اور بس

اسٹاپ کے قریب آکر روک دی۔
کہنے لگا۔
"چلیئے۔!"
تم کل آکر اپنے پیسے لے جانا۔ آرزو نظریں جھکائے بولی۔
"آپ چلئے تو سہی۔!"
"نہیں راجہ۔ تم جاؤ۔ اب میں بس میں جایا کروں گی۔ بڑے دن آرام کر لیا۔"
وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔
"آیئے نا۔!" اس کے لہجے میں التجا تھی۔
"نہیں۔!"
"آیئے بھی۔" وہ اتر کر اس کے قریب آگیا۔
آرزو گھبرا سی گئی۔
اور گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔
دانش نے گاڑی اسٹارٹ کی اور شہر سے باہر والی سڑک پر ہو لیا۔
"کہاں جا رہے ہو راجہ۔!" آرزو غصے سے بولی۔
"آپ سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔ بہت ضروری۔" دانش گاڑی تیز کرتے ہوئے بولا۔
"راجہ۔ میں تمہیں شریف آدمی سمجھتی ہوں۔!" آرزو غصے سے بولی۔
"میں اتنا برا بھی نہیں۔ اطمینان رکھیئے۔!"
"واپس چلو!" اس کا غصہ انتہا پر پہنچ چکا تھا۔
"خدا کے لئے ایک بار میری بات سن لیجیئے۔" دانش کے لہجے میں بیچارگی تھی۔

"میں کہتی ہوں واپس چلو۔!"

لیکن دانش نے ایک نہ سنی۔ اور ایک پارک کے قریب گاڑی کھڑی کردی۔

آرزو کی آنکھوں میں آنسو آچلے تھے۔

کہنے لگی۔

"میں تمہیں اچھا آدمی سمجھتی تھی۔ مگر۔!"

دانش کا خیال تھا کہ وہ اسے یہاں لاکر ساری بات بتادے گا کہ وہ کون ہے کیا چاہتا ہے مگر یہاں تو بات ہی الٹی ہوگئی تھی۔ اور اس کی کوئی بات سننے کے لئے تیار نہ تھی۔

"خدا کے لئے چپ ہو جایئے۔ میں آپ کو یہاں صرف اپنے دل کی بات سنانے لایا ہوں۔!"

وہ اس کے رونے سے پریشان ہوگیا۔

لیکن اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرتے جارہے تھے۔

"میں آپ سے اس گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔!"

دانش کو اس کے رونے سے تکلیف ہورہی تھی۔

"خدا کے لئے چپ ہوجایئے نہیں تو میں۔ میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ آپ کے رونے سے مجھے کس قدر دکھ ہورہا ہے۔"

"پھر مجھے یہاں لائے کیوں ہو۔ مجھے دکھ دینے۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"آپ نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا تھا۔ اس لئے!" دانش بولا۔

"کیا چھینا ہے میں نے!" آرزو آنسوؤں کے درمیان بولی۔

"میری زندگی۔ میری دنیا۔ میری تمنائیں۔!"

"تم۔ تم جھوٹ بولتے ہو۔!"

"نہیں۔ میں جھوٹ نہیں بولتا۔ سچ کہتا ہوں۔ آپ نے خود ہی تو کہا تھا۔ کہ میں بھی انسان ہوں۔!"

"راجہ۔ خدا کے لئے مجھے واپس پہنچا دو۔!"

دانش کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

کہنے لگا۔

"یقین کیجئے۔ میں۔ یہ نہیں چاہتا تھا کہ آپ کو آپ کی مرضی کے بغیر یہاں لانے کی جرأت کروں لیکن جانے کیوں۔ آپ ہی آپ یہ سب کچھ ہو گیا ہے اور صرف اس لئے کہ کہ۔ اپنے دل کی باتیں آپ سے کہہ سکوں۔

...... کیونکہ مجھے جانے کیوں یہ احساس ہونے لگا تھا کہ جو جذبہ میری دنیا میں ہلچل مچائے ہوئے ہے وہ جذبہ آپ کے دل میں بھی ہے اور اس لئے میں نے اتنی ہمت کی۔!"

"لیکن اب۔ آپ کے اس رویہ سے مجھے اپنے آپ پر سخت ندامت ہو رہی ہے خدارا مجھے معاف کر دیجئے۔!"

اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ چہرہ شدت جذبات سے گرم ہو گیا تھا۔

اس نے ایک نظر آرزو کو دیکھا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

آرزو خاموش بیٹھی تھی۔ رونے سے اس کی آنکھوں میں سرخی بڑھ گئی تھی۔ راستہ یوں ہی چپ چاپ طے ہو گیا۔

دانش نے گاڑی اس کی گلی میں روک دی۔

آرزو آہستہ سے اتری۔

دانش نے دکھی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اور گاڑی ریورس کرنے لگا۔

"سنو۔!" وہ جاتے جاتے پھر اس کے قریب آگئی۔

"جی۔!" دانش اس طرف دیکھے بغیر بولا۔

کل صبح آؤ گے۔ آرزو مدھم سی آواز میں بولی۔

"نہیں۔!"

"کیوں۔؟" آرزو ہولے سے مسکرا دی۔

"اس لئے کہ۔ آپ نے کہا تھا۔!"

اس کی آواز میں تڑپ تھی تشنگی تھی۔ بے چارگی تھی۔

"کل صبح مجھے چھٹی ہے۔ اور۔ میں۔ تمہارا انتظار کروں گی!" وہ حیا آلود تبسم کے ساتھ بولی۔

"جی۔!" دانش کو اس کی بات پر یقین نہ آیا۔

"ہاں۔!"

"تو۔ کیا۔!"

"اب جاؤ بھی نا۔!" آرزو کی آنکھیں جھک گئیں۔

"آرزو۔!"

پہلی بار ضبط کرنے کے باوجود اس کی زبان پر یہ نام اٹک سا گیا۔

"ضدی۔!" آرزو کی آواز میں حیا تھی۔

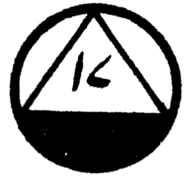
دانش کی نظروں کے بے پناہ پیار کو وہ برداشت نہ کر سکی اور اندر بھاگ گئی۔

اور دانش کا جی چاہا کہ وہ اسے سینے میں چھپا لے۔ اور کیسے۔ کتنی عجیب ہو تم۔ کبھی کچھ۔ کبھی کچھ۔ مسرت اور خوشیوں کے سمندر میں ڈولتے ہوئے اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور سڑک پر نکل آیا۔

موسم اپنی وسعتوں میں سپنوں بھری
فضاؤں کی غنودگی سمیٹ رہا تھا۔ اور وقت
اپنی دھڑکنوں میں پیاری پیاری کہانیوں
کی کہکشاں سنوارنے لگا تھا۔ دانش کے سامنے
پھیلا ہوا راستہ۔ تاروں کی جگمگاہٹ لئے ہوئے
تھا۔ اور پھر۔

اس کے سامنے موسم۔ وقت اور راستے
میں ایک تصادم ہوا۔

فضاؤں کی غنودگی۔



کہانیوں کی کہکشاں۔

اور راستوں کی جگمگاہٹ، ایک دوسرے
میں تحلیل ہوگئیں۔ اور ایک پیاری سی حقیقت
کی صبح جاگی۔

اس نے اس نئی صبح کے سورج کو گھٹا
ٹوپ اندھیرے میں طلوع ہوتے دیکھا۔

اس کی پہلی شرمیلی کرن کی سرگوشی سنی
اور اسے یوں لگا

جیسے ایک دنیا کی دوڑ ختم ہوگئی ہو۔ دل
کے شہر میں آنے والے کئی چہرے ایک دوسرے

میں مدغم ہو گئے۔ پرچھائیں ابھریں۔

اور پھر سب کچھ دھند میں غائب ہو گیا۔ خیالوں کی مٹیالی دیوار پہ دھندلے دھندلے سے سائے تھرتھرائے۔ اور گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔

اور پھر تاریک اندھیرے میں آرزو نے ایک دم اجالا کر دیا ہو۔

اور ان اجالوں میں روشن روشن وہ ٹیکسی لیے اس کے دروازے پر جا پہنچا۔

ہارن بجایا۔

تھوڑی دیر بعد وہ باہر نکل آئی۔

دانش نے اسی والہانہ انداز میں اسے دیکھا اور گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔

وہ جھجکتی ہوئی یوں بیٹھ گئی۔ جیسے چوری کرنے جا رہی ہو۔

دانش نے گاڑی اسٹارٹ کی اور کھلی سڑک پر نکل آیا۔

دونوں خاموش تھے۔

لیکن لمحہ دھڑک رہا تھا۔

مستقبل کی انجانی کہانیاں کروٹ بدل رہی تھیں۔

دانش کے سامنے بدلتی ہوئی شام کے بھیگے بھیگے دھندلکوں میں وہ پہلی ملاقات تھی۔

اور آرزو کے سامنے۔

ایک حسین متین چہرے پر ابھرتی ڈوبتی دو آنکھیں تھیں۔

جب غم جاناں نہیں رہتا تو غم دوراں شدت اختیار کر لیتا ہے۔

یہی حال دانش کا تھا۔

ساتھی مل گیا تھا تو منزل پا لینے کی جستجو مچلنے لگی تھی۔
ایک نظر مڑ کر دیکھا۔
آرزو گھبرائی گھبرائی سی تھی۔ کچھ وحشت۔ کچھ خوف۔ حیا اور شرم کے ملے جلے جذبات نے اس کے چہرے پر حسن بکھیر دیا تھا۔
دانش نے مسکرا کر گاڑی اور تیز کر دی۔
شہر سے دور اپنی مل کے قریب اس نے گاڑی روک دی اور سیٹ پر بازو ٹیک کر گردن آرزو کی طرف موڑ دی۔
"آرزو۔!"
اس کی آواز جذبات میں بھیگی بھیگی سی تھی۔
آرزو نے ایک نظر دیکھا۔ اور نظریں جھکا لیں۔
"آپ نے مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے!"
وہ تب بھی خاموش رہی۔
"کچھ بولئے نا!"
دانش نے سرگوشی کی۔
"کیا بولوں۔!"
اس کے لب ہلے۔
"کچھ۔!"
"اپنا حساب کرلو۔!"
آرزو گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔

دانش زور سے ہنس دیا۔

پھر کہنے لگا۔

"وہی تو کر رہا ہوں۔!"

کیا۔

"مجھے آپ سے محبت ہے۔ اور اس حساب میں آپ کو بھی مجھ سے محبت کرنی ہوگی۔ حساب برابر۔!"

دانش مسکراتے ہوئے بولا۔

اس کے رخساروں پر شفق کانپنے لگی تھی۔

"آپ چاہیں تو میں۔ یہ۔ پیشہ چھوڑ دوں۔ اگر آپ کو ناپسند ہو!"

دانش اسے اپنا آپ بتانا چاہتا تھا۔ اور اسی لیے اس نے یہ تمہید باندھی۔

"یہ خیال کیسے آیا!" آرزو آہستہ سے بولی۔

"یونہی۔ یہ پیشہ اتنا اچھا جو نہیں۔!"

"یہ کس نے کہا؟" آرزو بولی۔

کہا تو کسی نے نہیں یوں ہی خیال آ گیا۔

"غلط خیال آیا۔!"

آرزو دھیا او ر تبسم کے ساتھ بولی۔

"کہیے۔!"

دانش کی پرشوق نگاہوں نے سوال کیا۔

"اس لیے کہ کوئی بھی جذبہ انسان کے لیے دل میں پیدا ہوتا ہے نا۔ پیشے کی

بلندیاں اور پستیاں اس جذبے کا راستہ نہیں کاٹتیں۔!"

"اچھا!" دانش مسکرادیا۔

"غلط ہے کیا۔؟"

حیا آلود تبسم سے اس نے دانش کی طرف دیکھا۔

"نہیں صاحب بالکل سچ مگر میں خود اسے چھوڑنا چاہتا ہوں۔!"

دانش اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیوں۔؟"

"اس لئے کہ۔ کہ آپ۔!"

"میری بات چھوڑیئے۔ اس نے درمیان میں بات کاٹ دی۔!"

کہنے لگی۔

"اگر میں ان بلندیوں پستیوں میں الجھی ہوتی تو اس وقت آپ کے ساتھ نہ ہوتی!"

"کتنی اچھی ہو تم۔!"

دانش محبت کے نشے میں بہکا ہوا بولا۔

"ایسی باتیں کیں تو۔ تو میں بھاگ جاؤں گی۔!"

آرزو حیا کے بوجھ میں دبی دبی سی بولی۔

"اب تو بھاگ نہیں سکتیں۔!"

"کیوں۔؟"

"محافظ بڑا چوکس ہے!"

دانش ہنسا۔

" اوں - دیکھ لیں گے - ! "

" آرزو ! "

وہ آہستہ سے ہنس دی اور پھر بولی -

" تم بڑے وہ ہو راجہ - ! "

" کیا ہوں - ! "

" وہ - ! "

" وہ کیا - ! "

" ضدی - ! "

" دانش ہنس دیا - ! "

" کہنے لگا - ! "

" آج میں بہت خوش ہوں آرزو - بہت - ! "

" کیا مل گیا - ! "

" خــــزانہ - ! "

" ہونہہ - خزانہ کیا ہے فضول چیز ہے ! "

آرزو کے دل میں چھپی ہوئی بات اس کی زبان پر آگئی -

اور دانش ڈر سا گیا -

" کیا میں کبھی اسے اپنا آپ نہیں بتا سکوں گا - وہ کچھ اداس سا ہو گیا -

" راجہ ! " آرزو کی آواز محبت میں بھیگی بھیگی سی تھی -

" کیوں - ! "

"راجہ مجھے ڈر لگتا ہے۔ کہیں ہم تباہی کے راستے تو نہیں جا رہے ہے"
آرزو خوفزدہ سی ہو گئی۔
"میرے ساتھ آنکھیں بند کئے چلتی رہو۔ آرزو۔ کچھ نہیں ہو گا!"
"راجہ!"
"دانش کی آنکھوں کا خمار جیسے اس کی آنکھوں سے بہنے لگا"
"چلو اب گھر!"
"نہیں۔ آج تم سارا دن میرے ساتھ رہو گی۔ گھومیں گے اور پھر!"
وہ سارا دن گھومتے رہے۔
آرزو سہمی سہمی سی تھی۔
اور دانش پیار مل جانے کے نشے میں ڈوبا ہوا۔
ایک جگہ گاڑی روک کر دانش نے کچھ سنیکس لیے۔

اور پھر۔
وہ سارا دن۔ ایک دوسرے کو درمیانہ نظروں سے دیکھنے میں گزر گیا۔
شام جب آرزو گھر گئی تو راجہ۔ اس کے دل پر راج کرنے لگا تھا اور دانش کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

"کہاں تھی کل تو۔!" شمو آتے ہی پھر برس پڑی۔

"میں۔ میں۔ وہ مسز قریشی کے ہاں۔!" آرزو گھبرا گئی۔

"جھوٹی۔!" شمو کی آنکھوں میں شرارت مچل رہی تھی۔

"کیوں۔!" آرزو سے چھپانا مشکل ہو رہا تھا مسز قریشی تو کل ہمارے ہاں آئی تھیں۔

"ہاں میں گئی تو تھی۔ مگر وہ گھر نہیں ملیں۔ اور پھر میں وہاں سے مس طاہرہ کے ہاں چلی گئی۔!" آرزو بات بناتے ہوئے بولی۔

"وہ تو پرسوں بمبئی چلی گئی تھی۔ وہاں کیا لینے گئی تھی تو۔!"

شمو نے یہ بات بھی جھوٹ ثابت کردی۔

"مجھے یاد ہی نہیں رہا تھا۔!" آرزو ہنس کر بولی۔

"سیدھی طرح اگل اسے۔!" شمو آنکھیں نچاتی ہوئی بولی۔

"کیا۔!"

یہ کل کہاں گئی تھی۔ !"

"تم نہ مانو۔ میں نے تو تمہیں سچ بتادیا۔ !"

"یہ سچ ہے !"

شمو اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"تو کیا سچ ہے۔ !"

"تیرا چہرہ بتا رہا ہے کہ تو جھوٹ بولنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ !"

شمو ہنس کر بولی۔

"اگر مجھ پر یقین نہیں تو چہرے سے ہی پوچھ لو سچ کہا ہے۔ !"

آرزو روٹھ کر بولی۔

"ابھی پتہ چل جاتا ہے۔ دیکھو میری طرف۔ !"

آرزو نے بڑی بڑی آنکھیں کھول دیں۔ اور بولی !" لو دیکھ لو۔

"بڑی آئی نجومی کہیں کی۔ !"

"کیوں، تمہاری آنکھوں میں ایک نشہ سا ہے۔ تمہارے ہونٹوں پر گیت ہیں۔ اس کا مطلب ہے کچھ ہو گیا ہے۔ !"

"کیا ہو گیا ہے۔ !"

"پیار۔ !"

"بیہودہ لڑکی۔ !"

"میں کہہ کر بیہودہ۔ تم پیار کر کے بیہودہ نہیں۔ واہ بہ اچھی رہی۔ !"

شمو اس کے بازو میں چٹکی کاٹتے ہوئے بولی آرزو نام کو تو اس سے دل کی بات

چھپا رہی تھی۔ مگر۔

چہرہ چغلی کھا رہا تھا۔

کہنے لگی۔

"تنگ نہ کرو شمو!"

"بتا دے پھر۔!"

"کیا بتاؤں!"

اس کے چہرے پر حیا کی سرخی پھیل گئی۔

"بتا نا۔ کل کہاں گئی تھی!"

شمو اس کے گال کو انگلی سے چھوتی ہوئی بولی۔

"بتایا تو ہے۔ اب تو یقین نہ کرے تو کیا کروں!"

"جا میں نہیں بولتی۔!"

شمو روٹھ کر منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔

"چین تھوڑی آئے گا غیب تک سن نہ لے گی۔!"

آرزو اس کا کندھا پکڑ کر اس کا چہرہ اپنی طرف موڑتی ہوئی بولی۔

"بتا پھر۔!"

شمو مسکرا کر بولی۔

"لے سن مرتی۔!"

سنا بھی۔

"میں۔ میں وہاں گئی تھی۔!"

وہ آنکھیں جھکائے ہوئے شرماتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"کہاں۔؟"

"گھومنے۔!"

"کس کے ساتھ۔؟"

"اس کے۔!"

آرزو کی آنکھوں کی جھالر کانپنے سی لگی۔

"اس کا نام بھی کچھ ہے۔!"

شمو تنگ آ کر بولی۔

"وہ، راجہ کے ساتھ۔!"

دھڑکتے ہوئے دل کو سنبھالتے ہوئے وہ آہستہ سے بولی۔

"اچھا۔ تو سیریں بھی ہونے لگیں!" شمو بولی۔

"اب چپ ہو جانا!" آرزو آس پاس دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں تو چپ نہیں رہوں گی جب تک مجھے سیر نہیں کرائے گی۔!"

"اچھا بابا جان چھوڑ۔ کہہ دینا اس سے کرا دے گا سیر تجھے!"

آرزو ہنستی ہوئی بولی۔

کل نمائش پر چلیں گے۔

"اچھا۔!"

آرزو بولی۔

"اچھا یہ تو بتا باتیں کیا ہوئیں۔!"

"کوئی خاص باتیں نہیں ہوئیں بس عام سی!"

"عام سی ہی بتا دے!"

"شمو۔ بڑا چالاک ہے۔ ایسی باتیں کرتا ہے۔ جیسے پتہ نہیں کیا ہوا۔ اتنی عجیب عجیب سی۔ کہ میں تو اس کے سامنے بول ہی نہیں سکتی۔!"

آرزو شوق مسرت اور محبت سے شمو کو ملاقات کا حال سنانے لگی۔

"میں تو پہلے ہی کہتی ہوں، وہ ٹیکسی ڈرائیور لگتا ہی نہیں۔ کہیں کوئی سیٹھ تو نہیں!" شمو بولی۔

"نہیں سیٹھ کوئی نہیں۔ پڑھا تو صفر بھی نہیں۔ اسی لئے تو ٹیکسی چلاتا ہے۔ ہاں ہے بڑا خوددار۔ اور ہاں یہ بھی کہہ رہا تھا کہ میں یہ پیشہ چھوڑ دوں گا۔"

آرزو بولی۔

"اچھا۔!"

"ہاں۔ مگر میں نے کہہ دیا۔ کہ کیا ضرورت ہے!"

کیوں تم نے کیوں کہا۔

"اس لئے کہ ٹیکسی چلاتا ہے شمو۔ کسی کی جیب پر ڈاکہ تو نہیں ڈالتا۔ محنت ہی کرتا ہے نہ چوری تو نہیں کرتا۔ اور محنت کرنا کوئی عیب ہے کیا!"

آرزو سادگی سے بولی۔

"ادھر۔ تو اتنی ہمدردیاں ہو گئیں اس سے!"

شمو بولی۔

"بس پتہ نہیں کیا ہو گیا!"

"تم اس کی صورت پر مرتی ہو۔!"

"نہیں صورت تو خیر مگر۔ وہ ہے اچھا انسان۔!"

"بہادر ہے۔!"

آرزو آہستہ سے بولی۔

"آپا۔ چائے بن گئی!"

منا اندر آکر بولا۔

"اچھا منے لے آؤ یہیں۔!"

آرزو بولی۔

"اچھا آپا۔!" منا چلا گیا۔

تو شمو بولی۔

"شادی کر لو اس سے آرزو!"

"چل ہٹ۔ اتنی جلدی ایسی باتوں پر آگئی ہو!" آرزو شرما گئی۔

"شادی نہیں کرو گی اس سے؟!" شمو نے پوچھا۔

"اس سے شادی میں کوئی برائی ہے کیا۔!" آرزو حیا میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولی۔

"تو پھر کر لو۔!"

"ابھی کیا جلدی ہے۔!"

"ابا مان جائیں گے؟" شمو بولی۔

"تم کس دن کام آؤ گی۔!" آرزو ہنس کر بولی۔

"اچھا کوشش کریں گے۔ خدمت کرتی رہو!" شمو بولی۔
"بڑی آئیں۔!" منا چائے لے آیا اور باتوں کا سلسلہ وہیں رہ گیا۔

"آرزو۔!"

"محبتوں کو دل میں چھپاتا ہوا گھٹتی ہوئی
آواز میں وہ آہستہ سے بولا۔!"

"ہوں"

"کیا سوچ رہی ہو!"

"کچھ نہیں۔!"

"کچھ تو سوچ رہی ہو۔!"

"نہیں راجہ۔!"

"تمہیں میری قسم، بتا دو!"

"میں سوچ رہی تھی راجہ۔!"

"کہ ہمارا انجام کیا ہوگا۔!"

"میں بتا دوں۔ دانش شرارت بھری
آواز میں بولا۔!"

"کیا۔!"

"تم شرما جاؤ گی!"

"راجہ۔!"

"آرزو!"

"کیا ہے۔!"

"اگلی سیٹ پر آجاؤ!"

"نہیں ۔ !"

آجاؤ ۔ وہ محبت میں ڈوبا ہوا بولا ۔

"سیدھی طرح گاڑی چلا ڈرائیور ۔ !"

" آرزو شرما کر بولی !"

"تم آگے آؤ !" دانش نے گاڑی روک دی ۔

" اور ؟"

" آرزو جھجکتی سمٹتی ہوئی اگلی سیٹ پر آگئی ۔ !"

" کہنے لگی ۔ !"

" اب گھر چلو ۔ !"

" ایک بس ڈرائیو ۔ اور پھر تمہیں گھر چھوڑ آؤں گا منظور !"

دانش اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا ۔

" منظور ۔ آرزو آہستہ سے مسکرادی ۔ !"

دانش نے گاڑی شہر سے باہر والی سڑک پر ڈال دی ۔

" کل شمو آئی تھی ۔ آرزو پلکیں جھپکتی ہوئی بولی ۔ !"

" کیا کہہ رہی تھی !"

" بڑی چالاک ہے ۔ مجھ سے سب کچھ اگلوالیا ۔ !"

" اچھا ۔ !"

" ہاں ۔ !"

" تم نے بتادیا !"

"ہاں۔ آرزو بھولپن سے سر ہلا کر بولی!"

"کیا بتایا۔!"

"وہ گھبرا سی گئی۔ بولی۔!"

"یہی۔ کہ۔ میں راجہ کے ساتھ گھومنے گئی تھی۔!"

"بس۔ میں سمجھا تھا۔ تم نے اسے بتایا ہو گا۔ شمو مجھے راجہ سے پیار ہو گیا ہے!"

"تم بھی راجہ۔ حرفوں کے بنے ہوئے ہو۔ آرزو ہنستی ہوئی بولی۔!"

"کیوں۔!"

"تمہیں تھوڑی بتاؤں گی کہ میں نے شمو سے کیا کہا!"

"گھنی پلکوں کی اوٹ میں رقصاں شوخ و شریر نگاہیں چمکیں۔!"

"اور۔!"

۔ دانش کا جی چاہا کہ وہ ان آنکھوں کو پیار کرے۔ مگر وہ گھونٹ کر رہ گیا۔

۔ اور آرزو دریاؤں کی مچلتی ہوئی لہروں کی روانی کی طرح بے پرواہ سامنے سڑک کو دیکھ رہی تھی۔

"دانش کو اس کی پیاری صورت نے شبنم کی سی ٹھنڈک میں ڈبو دیا تھا!"

"چاہت کے ان مسرور کن جذبوں نے اسے مدہوش سا بنا ڈالا تھا۔!"

"آرزو۔ دانش نشے میں بہکا بہکا سا بولا۔!"

"ہوں۔!"

"خواہش۔ تمنا۔ چاہت۔ یہ سب کیا ہے آرزو!"

"زندگی!"

”آرزو نے آہستہ سے جواب دیا۔ !“

”ہاں تم نے سچ کہا۔ !“

”مگر راجہ کہتے ہیں۔ تمنا کبھی پوری نہیں ہوتی۔ چاہت کبھی پھر نہیں آتی !“

”آرزو کے دل کا چور بولا۔ !“

”کہتے ہوں گے آرزو۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ انسان صدق دل سے جو خواہش کرتا ہے یقیناً پوری ہوتی ہے۔ وہ بھی تو خواہش ہی جیسا ایک جذبہ ہے لیکن ہر جذبے کی تکمیل کے لئے دل کی تڑپ چاہیئے۔ !“

”محبت بھی تو ایک جذبہ ہے نا راجہ۔ آرزو کھوئی کھوئی سی بولی !“

”ہاں۔ !“

”تم نے محبت کی ہے راجہ ؟!“

”ہاں۔ !“

”کس سے۔ !“

”خود سے پوچھ لو !“

”دانش اسے والہانہ نظروں سے دیکھتا ہوا بولا، اور آرزو شرما گئی۔ اس کے عارضوں کے گلاب کھل اٹھے، نگاہوں میں کلیوں کی سی حیا امڈ آئی۔ تھرتھراتے گلابی ہونٹ مسکراہٹ سے بھر گئے۔ !“

”اس کے سانس تیز ہو گئے !“

”اور دانش ان بے ربط سے سانسوں کی مہک سے جھوم اٹھا !“

”احساس کے بربط پر نغمے سے گونجنے لگے۔ کہنے لگا۔ !“

"محبت اپنے دامن سے جھٹک نہ دینا!"

"آرزو نے دانش کی طرف دیکھا!"

"ایسی نظروں سے جیسے کہہ رہی ہو، میرے چہرے پر مچلتے ہوئے چاہت کے بے قرار جذبے نہیں دیکھے تم نے!"

اور پھر وہ دونوں کتنی دیر تک ایک دوسرے کی پرخمار نظروں میں الجھے رہے۔

"شمو آئی تو وہ یونہی الجھی الجھی سی بیٹھی تھی۔!"

"اری تو ابھی تک تیار نہیں ہوئی۔ شمو اسے گھورتی ہوئی بولی!"

"ابھی ہو جاتی ہوں!" مگر تو کیا شادی پر جا رہی ہے۔ آرزو اس کے ستاروں والے سوٹ کو دیکھتی ہوئی بولی!"

"رات کا عالم ہے میں نہ چمکوں گی، کپڑے تو چمکیں گے"



شمو اس کے پاس ہی پلنگ پر دھنس گئی

"کم بخت مرد بھی ہوں گے۔!"

خواہ مخواہ تیرے کپڑوں پر نظر اٹھے گی۔

آرزو مسکرا کر بولی۔

"تو کیا ہوا!" شمو بولی۔

"ہوا ہی کچھ نہیں۔!"

آرزو تیز آواز میں کہنے لگی!"

"ہمارے تو کپڑے ہم تمہیں چبھتے ہیں اور تمہارا عشق بھی ہم نے برداشت کر لیا۔!"

شمو ہنستے ہوئے بولی!

"چل ہٹ بدتمیز۔ !"

"آرزو شرما گئی !"

"اچھا اب باتوں میں وقت ضائع نہ کر۔ اور چل۔ !"

"ہاں ہاں چلتی ہوں۔ تم بیٹھو۔ میں منہ ہاتھ دھو آؤں۔ !"

آرزو اٹھتے ہوئے بولی !

"کپڑے تو نکال لو۔ !"

"ہاں۔ !"

آرزو نے چارپائی کے نیچے سے گھسیٹ کر بکس نکالا۔

اور کپڑے الٹنے پلٹنے لگی !

"یہ پہنو۔ !"

شمو نے عنابی رنگ کا کپڑا کھینچا۔ !

"نہ بھئی۔ رنگ تیز ہے۔ !"

آرزو بولی۔

"دفعان۔ بوڑھی روح" شمو نے اس کا منہ چڑا دیا۔ !

"یہ پہن لوں" آرزو نے مسٹرڈ کلر کا سوٹ نکال کر اسے دکھایا !"

"چلو یہی سہی مگر جلدی کرو !"

"ذرا استری پھیر دے" آرزو ملتجی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی !

"اچھا اچھا اب جا بھی۔ شمو اٹھ کر استری لگانے لگی۔ !"

"ابھی تنا فٹ آئی۔ آرزو تولیہ لے کر باہر نکل گئی۔ !"

ثمو نے کپڑوں پر استری لگائی۔ آرزو منہ دھو کر آ گئی۔!

جلدی جلدی تیار ہو کر وہ دونوں باہر نکلیں۔

"کہاں جا رہی ہو۔ آرزو کے ابا انہیں دیکھ کر بولے!

"نمائش دیکھنے ابا" آرزو سہمی سہمی سی بولی!

"ساری استانیاں جا رہی ہیں ابا" ثمو نے جلدی سے بات بنا دی۔

"اچھا اچھا۔ جلدی آجانا۔!"

"اچھا جی" آرزو ثمو کے ساتھ جلدی سے باہر نکل گئی۔

ٹیکسی لی اور نمائش گاہ پہنچ گئیں۔

"رنگ برنگے قمقموں سے پارک جگمگا رہا تھا۔ مختلف دکانوں پر لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے تھے۔!"

"ہائے بڑا رش ہے ثمو" آرزو لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر ہچکچا رہی تھی!

"تو کیا ہوا۔ نمائش ہے آخر۔ لوگ ہی ہوں گے!"

"یہاں" ثمو اس کا ہاتھ پکڑے اسے گیٹ سے اندر گھسیٹتے ہوئے بولی۔

"مجھے تو ڈر لگ رہا ہے!" آرزو بولی۔

"عورتوں کو دیکھو کیا مزے سے پھر رہی ہیں۔ ثمو قریب گزرتی فیشن ایبل تتلیوں پر نظر ڈالتے ہوئے بولی!"

"چلو واپس چلیں۔!" آرزو بولی۔

"بور نہ کرو آرزو!"

دونوں باری باری ہر ایک سٹال کو دیکھ رہی تھیں۔

۔ پبلسٹی کے خوبصورت ماڈل تھے ۔ رنگ و نور کا سمندر تھا۔ فیشن ہی فیشن "قہقہے" خوشیاں ۔

۔ کھانے پینے کی چیزوں کی خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی ۔

۔ کہیں لاٹری کے ٹکٹ پر بھیڑ تھی اور کہیں لوگوں کا شور ۔

۔ آرزو آہستہ آہستہ سہمی سہمی سی چل رہی تھی ۔

۔ اور شمو ہر ایک چیز پر تنقید کرتی ہوئی ساتھ تھی ۔ کپڑے کی ایک بڑی دکان کے سامنے رکی وہ بنارسی ساڑھیوں میں الجھی ہوئی تھیں کہ اچانک آرزو کی نظر سامنے کھڑے ہوئے ایک نوجوان پر پڑی ۔ سامنے دانش شاندار سوٹ میں ملبوس کسی آدمی سے باتیں کر رہا تھا ۔

۔ آرزو بھونچکا سی رہ گئی ۔ اس نے پلکیں جھپک جھپک کر اسے دیکھا ۔

وہ ہر لحاظ سے اسے راجہ ہی نظر آیا ۔

"مگر ۔ !"

"راجہ ۔ !"

۔ اور یہ شاندار سوٹ ۔ یہ سج دھج ۔ یہ ٹھاٹھ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا ۔

لیکن دل کہہ رہا تھا کہ یہ راجہ ہی ہے ۔

اسے کہاں کھو گئی ۔ شمو اسے بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑتی ہوئی بولی ۔

۔ "شمو ۔ وہ ۔ وہ ۔ راجہ ۔ !" آرزو حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہی تھی ۔

"راجہ ۔ کہاں ۔ !" شمو بولی ۔

"وہ سامنے دیکھ !"

"ارے ہاں یہ تو راجہ ہی ہے۔ مگر۔ یہ۔ تو اس وقت ڈرائیور نہیں لگتا۔ !"
شمو بھی اس شاندار شخصیت والے راجہ کو دیکھ کر بوکھلا گئی۔

"دھوکے باز۔ !"
آرزو کی آنکھیں بھر آئیں۔
"کیوں !" شمو دانش پر نظریں جمائے بولی۔
"اس نے مجھ سے اپنا آپ کیوں چھپایا۔ !"
آرزو روہانسی ہو گئی۔
"پہلے تصدیق تو کر لے کہ راجہ ہی ہے یا کوئی اور۔ !" شمو بولی۔
"وہی ہے۔ !"
آرزو جھلملاتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔
"نہیں بھئی۔ !وہ تو کوراان پڑھ ہے۔ اور یہ تو دیکھ اس انگریزی جوڑے سے کتنی اچھی انگریزی بول رہا ہے۔ چل پاس چل کر دیکھتے ہیں۔ !"
"نہیں شمو۔ میں نہیں جاؤں گی !"
آرزو اپنے دل کی بے چینی پر قابو پاتے ہوئے بولی
"چل تو سہی !"
شمو اسے گھسیٹ کر دانش کے قریب لے گئی۔
دانش نے جب دونوں کو دیکھا۔ اس کی تو گویا جان نکل گئی۔ مگر اس نے اپنے آپ پر قابو پالیا اور یوں نظر انداز کر گیا جیسے پہچانتا ہی نہ ہو۔
آرزو اسے دیکھے جا رہی تھی۔

اور شمو کی آنکھیں تو جیسے ایک جگہ گم کر رہ گئیں تھیں۔

"ہوبہو راجہ لگتا ہے!" شمو بولی۔

"ہے ہی راجہ۔!"

آرزو کا دل جیسے کسی نے چٹکیوں میں مسل دیا تھا۔

"ابھی پتہ چل جاتا ہے۔!"

کہتی ہوئی شمو آگے بڑھی۔

"راجہ۔!" شمو اس کے پاس جا کر بولی۔

مگر اس نے کوئی نوٹس نہ لیا۔

"میں تم سے کہہ رہی ہوں۔!" شمو بولی۔

"جی مجھ سے!" دانش شمو کی طرف مڑتا ہوا بولا۔

"ہاں تم سے!"

"فرمایئے!"

"تم راجہ ہو۔!" شمو بولی۔

"جی!" دانش مسکرایا پھر بولا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔!"

"میں سمجھاتی ہوں تمہیں مطلب۔!"

آرزو غصے میں بولی۔

"جی۔!"

دانش حیران حیران نظروں سے آرزو کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"بہروپیے۔! دھوکے باز۔ تمہیں کیا کہوں میں۔!"

آرزو کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ چہرہ غصے سے بھبھوکا ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔!"

دانش کا لہجہ کچھ تلخ ہو گیا۔

"تم راجہ نہیں ہو۔!" شمو جلدی سے بولی۔

"کیسا راجہ۔ کہاں کا راجہ۔ کیا کہہ رہی ہیں آپ!"

دانش تلخ لہجہ بناتے ہوئے بولا۔

"آرزو۔ یہ واقعی راجہ نہیں ہے۔!"

شمو اس کے کان میں آہستہ سے کہنے لگی۔

"مگر۔!" آرزو اسے بے بسی سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"شکل راجہ سے ملتی ہے مگر راجہ نہیں ہے۔ خود ہی سوچو یہ تو کوئی امیر آدمی لگتا ہے!"

شمو اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"کیا بات ہے محترمہ۔!"

دانش آرزو کی طرف دیکھتے ہوئے حلیمی سے بولا۔

"جی۔ وہ۔ وہ۔ کچھ نہیں۔!"

"مگر آپ اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہیں۔!"

دانش ہمدردی سے بولا۔

"کچھ نہیں جی۔ آپ کی شکل ایک آدمی سے اتنی ملتی ہے کہ ہم دھوکہ کھا گئیں۔!"

شمو جلدی سے بولی۔

"اوہ۔!" دانش ہنسا۔

"دیری ساری!" شمو بولی۔

"کوئی بات نہیں!" دانش مسکرایا۔

"چلو شمو!" آرزو پریشان سی بولی۔

"آپ نے کہیں میرے بھائی کو تو نہیں دیکھ لیا۔!"

دانش کو ایک دم ترکیب سوجھی۔ اسی ترکیب پر اس نے عمل کرنا شروع کر دیا۔

"آپ کے بھائی کو؟"

شمو حیرت سے بولی۔

"جی ہاں۔ ہم اصل میں جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں کی شکل صورت ایک جیسی ہے!" دانش بولا۔

"کیا نام ہے اس کا۔!" شمو بولی۔

"ریاض!" دانش جلدی سے بولا۔

"ریاض!" آرزو چونک کر بولی۔

"جی ہاں۔ کیا دیکھا ہے آپ نے اس کو۔ جلدی بتائیے مجھے۔!"

دانش لہجے میں پریشانی بڑھاتے ہوئے بولا۔

"یہ کیا چکر ہے شمو۔ میں تو پاگل ہو جاؤں گی۔!" آرزو کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔

"وہ ٹیکسی ڈرائیور رہے۔!"

شمو بولی۔

"ٹیکسی ڈرائیور۔ آخر اس نے اپنی ضد پوری کر لی۔

آج دو سال سے وہ مجھ سے جدا ہے۔ دو چار بار ملا۔ میں نے اسے سمجھایا کہ گھر واپس

آجائے مگر وہ ہے بڑا ضدی معمولی سی بات پر گھر سے جھگڑ کر چلا گیا۔ اور آج تک لوٹ کر نہیں آیا۔!"

دانش پُر درد لہجے میں کہہ رہا تھا۔

اور آرزو حیرت سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"وہ۔کیوں چلا گیا تھا۔!"

شمو کریدتے ہوئے بولی۔

"بس جی۔ یونہی معمولی سی بات پہ۔ اصل میں وہ خوددار بھی بہت ہے۔ اس نے کسی دوست کی مدد کے لئے مجھ سے روپیہ مانگا میں نے انکار کر دیا بس بگڑ گیا۔ کہنے لگا اپنی دولت اپنے پاس رکھیے۔ اور چلا گیا۔!"

دانش آرزو کے چہرے کی طرف بغور دیکھ رہا تھا اور خوش ہو رہا تھا کہ اس کی ترکیب کا اثر اچھا ہو رہا ہے۔

"آپ اسے کیسے جانتی ہیں۔!"

دانش آرزو کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

"میں۔ میں بس یونہی"، آرزو گھبرا گئی۔ اور شمو ہنس دی۔

دانش بھی معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ کہنے لگا۔

"آپ اسے سمجھائیں کہ گھر واپس آجائے۔ کاروبار بھی مجھ اکیلے سے سنبھالا نہیں جاتا سمجھائیں گی نا؟!"

دانش اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

آرزو گھبرا گئی۔

کیونکہ اس کا یہ بھی انداز راجہ کا انداز تھا۔

کہنے لگی۔ میں اسے نہیں جانتی۔

"یہ تو آپ یونہی کہہ رہی ہیں۔ ابھی تو اس کے دھوکے میں آپ مجھے بہروپیا، دھوکے باز اور جانے کیا کیا کہہ رہی تھیں۔!"

دانش ہنستا ہوا بولا۔

آرزو کے رخسار لال ہو گئے۔

کہنے لگی "اگر ملا تو سمجھاؤں گی۔!"

"ضرور۔ آپ کا بڑا احسان ہو گا۔!"

دانش پھر اسی انداز سے دیکھتا ہوا بولا۔

"چلو شمو۔!"

آرزو گھبرائی ہوئی کہنے لگی۔

"ہاں چلو۔!"

"ہم معافی چاہتے ہیں جی۔!"

چلتے چلتے شمو بولی۔

"کوئی بات نہیں۔!"

"خدا حافظ۔!"

ذرا فاصلے پر جا کر آرزو کے سانس میں سانس آئی۔ کہنے لگی۔

"دونوں بھائی حرفوں کے بنے ہوئے ہیں۔ میں تو راجہ سے اب کبھی نہیں بولوں گی۔"

"کیوں۔!" شمو بولی

اس نے مجھے صاف صاف کیوں نہیں بتایا۔
"ڈر گیا ہو گا تم سے۔!"
"صاف کہہ دیتا۔!"
"مگر ہے خوددار۔ دیکھو لاکھوں کا مالک ہے اور خودداری کے پیچھے ٹیکسی ڈرائیور بنا ہوا ہے۔!"
شمو بولی۔
"ہاں شمو کی بات سے آرزو کو راجہ پر پیار سا آ گیا۔ سوچنے لگی کتنا اچھا ہے راجہ۔
"اس نے مجھے یہی تو بتایا ہے کہ اس کا دنیا میں کوئی نہیں۔ اسی لیے کہ وہ گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ آیا ہے۔!"
"اب بتا آرزو۔!"
"کیا!" آرزو کھوئی کھوئی سی بولی۔
"کیا ہے راجہ۔!"
"سندر ہے راجہ!" آرزو مسکرا کر بولی۔
"وہ تو ہے۔!"
"آؤ پھر چلیں۔ مگر اب تم اسے سمجھانا۔ خواہ مخواہ بیوقوفی کر رہا ہے۔!"
"میں کیوں سمجھاؤں۔ اس نے جو کیا اچھا کیا۔ کیا کرے گا دولت!"
آرزو بولی۔
"تو آؤ چلیں۔!"
دونوں کچھ دیر گھومنے کے بعد باہر نکلیں ٹیکسی کی تلاش میں تھیں۔!"

"کہ کسی نے پیچھے سے آکر کہا۔!"

"اکیلے اکیلے نمائش دیکھ آئیں۔!"

آرزو نے مڑ کر دیکھا۔

دانش تھا۔

ڈرائیور کی وردی میں۔ راجہ بنا ہوا۔

"تم۔!"

آرزو کی نظریں جھک گئیں۔

"جی جناب۔!"

دانش نے جھک کر سلام کیا۔

"ابھی خبر لیتی ہے تمہاری۔!" شمو ہنس کر بولی۔

"کیا قصور ہوا مجھ سے!" دانش مسکین صورت بنا کر بولا۔

"بہت برا۔ اور تمہیں بالکل معاف نہیں کیا جائے گا۔!"

آرزو تیز لہجے میں بولی۔

مگر میرا قصور۔؟

"تم نے بہت سی باتیں ہم سے چھپائیں ہیں نا۔ تم تو کہتے تھے کہ تمہارا دنیا میں کوئی نہیں۔!"

آرزو شکوہ کرتے ہوئے بولی۔

"سچ ہی تو کہا تھا میں نے!"

دانش آہستہ سے بولا۔

"مگر تم نے جھوٹ بولا تھا۔!"

آرزو بولی۔

"جی ؟!"

"ہاں !"

"مگر کیسے۔ ہوا کیا ہے۔!"

دانش بولا۔

"ابھی ابھی تمہارا بھائی ملا تھا۔ اور میں نے تو تمہارے دھوکے میں جانے کیا کیا کہہ دیا اس سے !"

آرزو غصے سے بولی۔

"ارے کہیں کوئی محبت کی بات تو نہیں کہہ دی اس سے !"

دانش لہجے میں گھبراہٹ پیدا کرتے ہوئے بولا۔

"توبہ۔ میں یہ کب کہہ رہی ہوں۔!"

آرزو جھلا گئی۔

"اچھا اچھا شکر ہے۔ ورنہ مجھے تو غصہ آنے لگا تھا۔!"

دانش نے کہا۔

"تم سنو تو سہی۔!"

آرزو تنگ آگئی کہنے لگی "جب مجھے پتہ چلا کہ وہ تم نہیں ہو تمہارا بھائی ہے تو بھی اتنی شرمندگی ہوئی کہ کیا بتاؤں !"

"کوئی بات نہیں۔ آپ خیال نہ کریں !"

دانش مسکرا کر بولا۔

"مگر تم نے یہ بات مجھ سے چھپائی کیوں۔!"

آرزو بگڑ گئی۔

"بس یونہی۔!"

"کیوں۔!"

"اس لئے کہ میں ٹیکسی ڈرائیور رہوں۔ اگر یہ کہہ دیتا کہ میں فلاں آدمی کا بیٹا ہوں اور اتنا دولت مند ہوں تو آپ یقین تھوڑی کرتیں۔!"

دانش جلدی سے بولا۔

"کیوں۔ دولت مند ہونا کون سی بڑی بات ہے۔ میں تو دولت کو کچھ نہیں سمجھتی یقین کیوں نہ کرتی!"

آرزو کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"ویسے راجہ۔ تمہارا بھائی اچھا آدمی لگتا ہے۔!"

شمو جو اتنی دیر سے چپ کھڑی تھی کھوئی کھوئی سی بولی۔

اچھا۔ دانش مسکرا دیا۔

"ہیں۔ اس کا دل آگیا ہے اس پر۔!"

آرزو ہنس کر بولی۔

"ہٹو۔!" شمو شرما گئی۔

اور دانش خفیف سا ہو گیا۔

"راجہ۔!"

آرزو بولی۔

کیوں ؟

"تمہارا بھائی کہہ رہا تھا تم معمولی سی ضد کی وجہ سے گھر چھوڑ آئے ہو!"

"ہاں۔!"

دانش غرور سے سر تان کر بولا۔

"گھر واپس چلے جاؤ۔!" شمو بولی۔

"نہیں۔ اب ایسا نہیں ہو سکتا!"

"کیوں!" شمو بولی۔

"بس میں بات کا بڑا پکا ہوں۔!"

"ٹھیک ہے راجہ۔ مت جانا۔ دولت مند ہو جاؤ گے!"

"تو پہلے سکون دور ہو جائے گا۔ محنت میں بڑا مزا ہے!"

آرزو کے جواب نے دانش کو مایوس سا کر دیا۔ اس نے تو یہ ترکیب محض اس لئے سوچی تھی کہ آرزو کہے گی راجہ گھر چلے جاؤ۔ اور پھر کچھ پس و پیش کرنے کے بعد کہے گا۔ اچھا تم کہتی ہو تو چلا جاتا ہوں۔ اور پھر وہ اسے اپنے گھر لے جائے گا۔ اور یہ بہروپ ختم ہو جائے گا۔ آہستہ آہستہ وہ سب کچھ اسے بتا دے گا۔

"مگر۔!"

آرزو نے بات بالکل اس کی توقع کے خلاف کی تھی۔ وہ تو خوش تھی۔ کہ وہ ٹیکسی ڈرائیور ہی رہے۔

ایک لمحے کے لئے وہ کھو سا گیا۔

"مجھے تمہارا بھائی مغرور سا آدمی لگتا ہے"

- جیسے اس کے دل میں کسی کا درد نہ ہو۔ خود غرض قسم کا انسان ہے۔ تمہارا بھائی کہنے لگا۔ ایک آدمی کی مدد کرنا چاہتا تھا یا میں نے انکار کر دیا اور وہ گھر سے نکل گیا۔ تم نے بہت اچھا کیا راجہ۔ ایسے آدمی کو ضرور سبق دینا چاہیئے۔ سب کچھ دولت ہی نہیں انسانی فرض بھی کوئی چیز ہے آخر۔ تم کسی کی مدد کرنا چاہتے تھے نا۔ کوئی برا کام تو نہیں تھا۔!"

آرزو جوش میں بولتی جا رہی تھی اور دانش بے بسی سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا۔ میں نے تو خود اپنے لیئے الجھن پیدا کر لی ہے!

"چلو بھی آرزو اب!"

شمو اس کا بازو پکڑتے ہوئے بولی۔

"چلئے میں چھوڑ آتا ہوں آپ کو!"

"چلو۔!"

سارا راستہ خاموشی میں کٹا۔

دانش اداس تھا۔

اور آرزو خوش۔ کہ اس کا انتخاب کتنا صحیح ہے۔

کتنا خود دار ہے راجہ۔ کتنا اچھا۔

شمو کو ڈراپ کرنے کے بعد وہ آہستہ سے بولی۔

"راجہ۔!"

"ہوں۔!"

"تم اداس ہو گئے۔!"

"آں نہیں۔ یونہی۔!"

"میں تمہارا غم سمجھتی ہوں راجہ۔ مگر اتنا تو سوچو کہ تم کتنے سکھی ہو اب۔!"

اور وہ تمہارا بھائی کتنا خود غرض۔!

"مجھے کہنے لگا۔ آپ سمجھائیں اسے۔!"

"آخر وہ میرا بھائی ہے۔!"

دانش آہستہ سے بولا۔

"ہاں بھائی تو ہے۔ شکل صورت بھی ایک جیسی ہے۔ مگر۔ تمہارے اور اس کے خیالات میں زمین آسمان کا فرق ہے!"

دانش نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔

آرزو کی نظریں جیسے اس کی بلائیں لے رہی تھیں۔ کتنا پیار تھا ان نظروں میں۔

"راجہ۔!"

وہ آہستہ سے بولی۔

"آرزو!"

"تم کتنے اچھے ہو راجہ!"

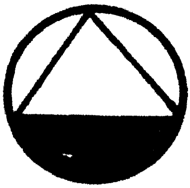
آرزو کا وجود وجاہت کے جذبے میں ڈوب سا گیا۔

"مجھے بھی چاہیئے آرزو۔ مجھے صرف تمہاری محبت چاہیئے۔ اور کچھ نہیں!"

"راجہ!"

آرزو نے اس کے کندھوں پر اپنے ٹھنڈے ہاتھ رکھ دیئے۔ اور دانش نے ان ہاتھوں کو اپنے جلتے ہوئے ہونٹوں سے لگا لیا۔

رات کے بارہ بج رہے تھے اور دانش
اپنے بستر پر پڑا کروٹیں بدل رہا تھا۔
خیالات ساکن تھے اور بے خواب آنکھیں
نیند سے دور سپنوں میں الجھی ہوئی تھیں۔
پڑے پڑے وہ کتنے ہی سگریٹ
پھونک چکا تھا۔
سوچنے لگا۔
میں نے جو سوچا تھا۔ وہ الٹا کیوں ہو گیا
آخر یہ بہروپ کب تک میرے ساتھ رہے گا۔
میں اپنا آپ کب اسے بتاؤں گا۔
اسے وہ وقت یاد آ گیا۔ جب نمائش میں
اسے دیکھ کر وہ حیران رہ گئی تھی۔ اور پھر اس کے
چہرے پر وہ جلال۔ اس کے وہ الفاظ۔
دانش لرز گیا۔
"نہیں نہیں۔ میں اسے نہیں بتاؤں گا کہ
میں کون ہوں۔!"
ورنہ وہ ہمیشہ کے لئے کھو جائے گی
مجھ سے۔
مگر۔!



وہ بے چین سا ہو گیا۔

کب تک ایسا ہوتا رہے گا۔

گھبرا کر اس نے نیا سگریٹ سلگایا۔ دودھیا بلب کی روشنیوں میں کمرہ پر ہول سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔

خیالات کا سکوت ٹوٹا۔

تو آرزو اپنی جھکی جھکی پلکوں کو جھپکاتی ہوئی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ رنگ و نور کی پھواریں دانش کے دل کو گدگدانے لگیں۔

اس کے شریانوں میں دوڑتا ہوا خون آتشیں سا ہو گیا۔

اور جذبے کی تلاطم خیزی اس کے حواس پر چھا گئی۔

اس کا جی چاہا اس مقدس خواب کو اپنی باہنوں میں سمیٹ لے۔ روح کے دامن میں چھپا لے۔ دل کے اس حصے میں لے جائے جہاں دھڑکنیں ہوتی ہیں۔

"لیکن۔!"

وہ دیکھتا رہا۔

اس کے کنوارے بدن کی بھینی بھینی سی مہک اس کے جذبے کو آنچ دیئے جا رہی تھی۔

اور وہ چاہت کی آگ میں سلگنے لگا۔

سامنے بیٹھی آرزو کے لب ہلے۔

"راجہ۔ تمہیں مجھ سے اتنی محبت کیوں ہے؟"

"آرزو۔ تمہیں کیا معلوم۔ میری زندگی کتنے طوفانوں کا شکار ہوئی ہے۔ کتنے حادثات

نے دل کی دنیا سے ہر خوشی کو چھین لیا تھا۔ کتنے نامہربان حالات نے میری رگوں سے جینے کا لطف نچوڑ لیا تھا۔ میری ہر خوشی آوارہ ہو گئی تھی۔

اور میں اکیلا۔

خوشبوؤں کے لئے بھٹکتا رہا سکون کو آواز دیتا رہا۔

لیکن۔ میری زندگی راستے کی دھول بن گئی میرے احساسات گرد سے اٹ گئے۔

تب میں تھک گیا آرزو۔!

اور پھر۔!

میرے زخموں کا مرہم قدرت نے تمہاری شکل میں مجھے عطا کیا میں تمہاری ان خوبصورت آنکھوں میں ڈوب چکا ہوں۔ اور گہرائی اتنی پُر لطف ہے کہ میں پھر ابھرنا نہیں چاہتا۔

آرزو۔!

میرے دل میں اس آدرش کے لئے نہ تو خود غرضی ستیر رہے اور نہ کوئی ایسی خواہش۔ جو مجھے انسانیت سے گرا دے۔

میری دنیا تو تمہارے حسین تصور سے آباد ہو گئی ہے۔

اس نے دیکھا۔

آرزو کے ہونٹوں پر ہلکا ہلکا تبسم تھا۔ لبوں پر رنگین سی شفق تھی۔

آرزو۔ میری زندگی۔

اس نے اسے اپنے جلتے ہوئے سینے میں چھپا لینا چاہا لیکن آرزو کا حسین پیکر پرچھائیں میں تبدیل ہوا اور پھر غائب ہو گیا۔

- چاہت کی آگ اسے جلا رہی تھی۔

اور وہ سلگ رہا تھا۔!

ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔

اس نے ٹیلیفون اٹھا کر بستر پہ ہی رکھ لیا۔ رسیور اٹھایا۔

مسز رشدی تھیں۔

"دانش۔!"

مسز رشدی کی آواز خمار آلود تھی۔

"جی کیسی ہیں آپ!"

"تمہیں کیا۔ تم نے کبھی پوچھا؟"

"کچھ مصروف رہا ہیں۔ کلب نہیں آسکا۔!"

- "لوگوں میں بڑا چرچا ہے آجکل تمہارا۔!"

مسز رشدی بولیں۔

کیا چرچا؟

"یہی کہ تم کسی لڑکی کے ساتھ گھومتے ہو۔!"

"اچھا۔!"

دانش اشتیاق سے بولا۔

"ہاں۔ مینا کہہ رہی تھی۔ اس نے تمہیں کئی بار دیکھا۔ اور تم ٹیکسی ڈرائیور بنے ہوئے تھے۔!"

"اچھا۔!"

دانش مسکرایا۔

"کیا یہ سچ ہے۔!"

مسز رشدی نے تصدیق کرنا چاہی۔

"ہو سکتا ہے سچ ہو۔!"

دانش ہنس کر بولا۔

"مجھے یقین نہیں آتا۔!"

"کیوں۔!"

"تم جیسے آدمی سے اس حماقت کی توقع نہیں۔!"

"ہو سکتا ہے میں آدمی ہی احمق ہوں۔"

دانش ہنسا۔

"کیا یہ وہی لڑکی ہے جس کا ذکر ایک بار تم نے کیا تھا۔!"

"ہاں۔!"

دانش بولا۔

"روپ بدلنے کی کیا ضرورت پڑ گئی۔!"

مسز رشدی نے طنزاً کہا۔

"پیار کے روپ ہزار۔!"

دانش بولا۔

"ہوں۔ کون ہے جس کے لئے تم۔!"

"وہ۔!"

دانش کی نگاہوں میں آرزو کا چہرہ پھر گیا۔محبت میں ڈوبا ہوا کہنے لگا۔

" وہ پھولوں کی لطافت ،کلیوں کی نزاکت ۔غنچوں کی شوخی ۔ اور بہار کے حسن کا امتزاج ہے ۔ ! "

" ہوں ۔ ! "

مسز رشدی ہنس کر بولیں۔

" ہاں ۔ ! "

" اس کی شیریں گفتار میں وہ جادو ہے کہ اس کا اثر ساری زندگی زائل نہ ہو سکے اس کے اخلاق کے موتیوں میں اتنی چمک دمک ہے کہ انسان ساری عمر اس کے نام کی مالا جپتا رہے ۔"

خاصے دیوانے ہو رہے ہو ۔مسز رشدی ہنسیں ۔

" یہ محبت بھی کیا شے ہے ،مسز رشدی ۔دانش خوابیدہ سی آواز میں کہنے لگا ۔ میں اسے دیکھ نہیں پاتا تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے کسی چیز کی تلاش ہے ۔ اور جب میری نگاہ اسے ڈھونڈھ لیتی ہے تو عجیب سی خوشی ملتی ہے مجھے ۔ جو کیف پرور بھی ہے اور دلنواز بھی "

" عجیب سی باتیں کرنے لگے ہو تم " مسز رشدی دل کی جلن سے بیقرار ہو کر بولیں

" کیا یہ جذبات میرے پیار کی انتہا نہیں ہیں "

" شکر ہے تمہیں پیار کا لفظ سمجھ میں آ گیا " مسز رشدی گھائل سی ہو گئیں ۔

" ہاں واقعی سچ کہا آپ نے یقیناً آپ نے بھی کسی سے محبت کی ہو گی ۔ اور ایک گھائل دل ہی یہ زخم سمجھ سکتا ہے ۔

"ہے نا مسز رشدی"

"لگتا ہے آج تم نے پی لی ہے" مسز رشدی اس کے بہکے بہکے انداز میں الجھی ہوئی بولی۔

"آپ نے ٹھیک کہا۔ واقعی یوں لگ رہا ہے۔ جیسے میں نشے میں ہوں"

"میں نے ٹھیک جانا" مسز رشدی بولیں۔

"مگر نشہ محبت کا ہے۔ شراب کا نہیں" دانش ہنس کر بولا۔

"زندگی میں بعض ہستیاں کتنا بڑا سہارا ہوتی ہیں کہ انسان کچھ نہ پانے کے باوجود سب کچھ پالیتا ہے۔ ہے نا مسز رشدی۔

وہ ہنس کر شوخی سے بولا۔

اور مسز رشدی کو اس کا یہ کھلنڈرا سا انداز بری طرح چبھ رہا تھا۔

کہنے لگی۔ "مینا بتا رہی تھی کہ وہ بہت معمولی سی لڑکی ہے"

"میری نظر سے دیکھے کوئی اسے تو"

"اچھا چھوڑو" مسز رشدی نے درمیان میں بات کاٹ دی۔ کہنے لگی۔

"صورت دیکھنے سے رہے تمہاری۔ کلب تو آیا کرو"

"آؤں گا کبھی"

"ایسا بھی کیا عشق" مسز رشدی ہنسی۔

دانش ہنس دیا۔ کہنے لگا "مدت بعد عشق ہوا ہے نا۔ عادت ہوتی تو دوسری بات تھی"

مسز رشدی اس چوٹ پر تلملا سی گئیں۔

کہنے لگی۔ خدا حافظ۔!"

خدا حافظ۔ دانش نے ریسیور رکھا۔ اور آرزو کو آنکھوں میں بسا کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

اسکول میں آٹھ روز کی چھٹیاں
تھیں۔

اس لیے وہ آرزو سے مل نہ سکا۔ ٹیکسی لے
کر گھر گیا تو آرزو گھبرائی ہوئی سی نکلی۔

کیا بات ہے آرزو۔ دانش اسے پریشان
دیکھ کر بولا۔

"ابا گھر پر ہیں۔ تم جاؤ راجہ۔!"

"مگر آرزو سوچو تو آج تیسرا دن ہے۔ میں
بے چین ہوں۔ خدا کے لیے آؤ کہیں چلیں۔ ڈھیر
ساری باتیں کریں گے!"

"کیسے راجہ!" آرزو بے بسی سے بولی۔

"آؤ چلو۔ کوئی بہانہ بنا دو۔"

"نہیں راجہ۔ بہانہ نہیں بن سکے گا۔ تم چلے
جاؤ۔ ابا کو پہلے ہی شک ہو گیا ہے۔"

"کیسے؟" دانش چونک کر بولا۔

"کہہ رہے تھے تم ٹیکسی والے کا حساب
کر دو۔ اور بس میں جایا کرو۔"

"پھر؟"

"میں نے کہہ دیا ہے کہ کروں گی۔"

"کیا ہوگا آرزو" دانش اداس سا ہو گیا۔

"تم جاؤ" آرزو اسے محبت سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"مگر"

"جاؤ بھی۔ ابا نکل آئیں گے باہر۔ آرزو پیچھے مڑ کر دیکھتی ہوئی بولی۔

"اچھا" دانش روٹھا روٹھا سا بولا۔

"ناراض ہو گئے" آرزو مسکرائی۔

دانش خاموش رہا بس ایک نظر دیکھ کر رہ گیا جس میں گلہ تھا شکوہ تھا۔ شکایت تھی۔

"اچھا یوں کرو۔ مجھے کوئی جگہ بتا دو۔ وہاں آجاؤں گی"

آرزو کی آواز میں بے چینی تھی۔

بتاؤ نا۔ حیا سے جھکی جھکی پلکیں اٹھیں۔

"اگلے موڑ پر" دانش بولا۔

"نہیں کوئی دور جگہ بتاؤ"

"تو اسٹیشن کے ٹیکسی اڈے پر۔"

"ہاں ٹھیک ہے"

"کب" دانش جلدی سے بولا۔

"چار بجے"

"اچھا تو او کے"

"خدا حافظ" دانش نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

آرزو جلدی سے اندر آئی۔
دیکھا ابا برآمدے میں بیٹھے تھے۔
کون تھا۔ ابا نے پوچھا۔
راجہ تھا۔ منا جلدی سے بولا۔
آرزو کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ کہنے لگی۔ "پوچھنے آیا تھا کہ اسکول کب کھلیں گے"
اس کے جتنے پیسے بنتے ہیں دیدو۔ اور آئندہ بس میں جایا کرو۔
جی اچھا۔ آرزو سہمی سہمی سی بولی۔
زمانہ اتنا برا آگیا ہے۔ لوگ خواہ مخواہ باتیں بنانے لگتے ہیں۔ ابا اماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔
کیا ہوا۔ اماں بولیں۔
نکھٹو الا کنجڑا اب بک کر رہا تھا کل۔
آرزو سہم سی گئی۔
کیا کہہ رہا تھا۔
یوں ہی کہہ رہا تھا۔ پیسے زیادہ آگئے ہیں۔ لڑکی اسکول ٹیکسی میں جاتی ہے۔
"اسے کیا تکلیف" اماں غصے سے بولیں۔
"لوگ تو بہانہ ڈھونڈتے ہیں کسی پر بات کرنے کا۔ اسی لئے میں نے آرزو کو منع کر دیا۔
"ہاں آرزو اس کا کل حساب کر دینا" اماں بولیں۔
"کل تو نہیں جس روز اسکول کھلیں گے اسی روز کر دوں گی۔

آرزو سہمی سہمی سی بولی ۔

"ذلیل لگ رہی ہے۔ میری بیٹی جیسی تو اللہ ہر ایک کی بیٹی ہو"

اماں بڑبڑانے لگیں۔

اور آرزو کو یوں لگا۔ جیسے اماں نے اس کے منہ پہ کالک مل دی ہو۔

ایک جھٹکے سے وہ کمرے کے اندر چلی گئی ۔

میری بیٹی جیسی تو اللہ ہر ایک کو بیٹی دے ۔

اماں کے یہ الفاظ اس کے ذہن پر ہتھوڑے مار رہے تھے ۔

اماں ابا کا مجھ پر اتنا مان ۔

اور میں۔ میں نے کیا کیا۔ راجہ کو دل میں بسا لیا ۔

نہیں میں راجہ سے نہیں ملوں گی نہیں ملوں گی۔ میں اماں ابا کا یہ مان نہیں توڑوں گی۔

بستر پر لیٹی لیٹی سی لرز گئی۔

کچھ لمحے یوں ہی گزر گئے۔

"بیٹی کھانا تو بنا لو" کافی دیر بعد اماں کی آواز سنائی دی۔ تو وہ اٹھی اور کھانے کے دھندے میں لگ گئی لیکن دھیان راجہ میں اٹکا ہوا تھا۔

راجہ تمہیں کیسے بھول سکوں گی۔ اس کی آنکھیں بھیگ سی گئیں ۔

اور اسی خیال میں اس نے کئی چمچے نمک سالن میں ڈال دیا ۔

یہ کیا کر رہی ہو آپا۔ بنا اس کے سامنے کھڑا حیرت سے دیکھ رہا تھا جو ڈبے میں سے چمچ بھر بھر کر نمک ہنڈیا میں ڈالے جا رہی تھی ۔

ارے ۔ وہ چونکی ۔ ہنڈیا میں نمک کے ڈھیر لگے تھے ۔

جلدی سے اس نے ساری ہنڈیا پھینک دی ۔ اور دوبارہ دیگچی میں گھی ڈال کر مسالہ بھوننے لگی ۔

جاؤ منے ۔ باہر کھیلو ۔ وہ منے سے شرمندہ سی ہو گئی ۔

کھانا تیار ہو گیا تو وہ ابا اماں کو باہر ہی دے آئی ۔

اپنے لئے پلیٹ میں سالن ڈالا لیکن کھانے کو دل نہ کیا ۔

یوں لگ رہا تھا جیسے کلیجہ منہ کو آرہا تھا ۔

ابھی ابھی سی وہ کمرے میں آگئی ۔ چار بجنے میں دس منٹ رہ گئے تھے ۔

راجہ انتظار کرتا ہو گا ۔ کیا کروں ۔ وہ تڑپ کر رہ گئی ۔

دل کی آواز سنتی تو دماغ چیخنے لگتا ۔

ضمیر کی آواز سنتی تو دل رونے لگتا ۔ راجہ اپنی وجیہہ شخصیت کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا تھا ۔

" آرزو " اماں کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی ۔

کیا بات ہے بیٹی ۔ اماں اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولیں ۔

- " یونہی اماں طبیعت اداس ہے " وہ اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے بولی ۔

- " صبح والی بات سے رنجیدہ ہے نا ۔ تو کیوں پرواہ کرتی ہے ۔ لوگ تو کہتے ہی رہتے ہیں " اماں اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں ۔

وہ خاموشی چھت کو دیکھتی رہی !

" آرزو ۔ ! "

"جی اماں!"

"بیٹی شکیلہ کے گھر نہیں جاؤ گی!"

"کیوں اماں۔ وہ حیرت سے بولی!"

اے ہے بھول گئیں۔ کل ہی تو وہ مہندی کا بلاوا دے کر گئی ہے۔ اس کی چھوٹی بہن کی شادی ہے نا۔

"مگر اماں۔!" اس کا دل کسی انجانے خیال سے زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"چلی جا بیٹی۔ میں نہیں جا سکتی۔ ان کا گھر بھی تو بڑا دور ہے۔ اور پھر میری ٹانگوں میں کل سے پھر درد ہو رہا ہے۔" اماں حلیمی سے بولیں۔

"مگر اماں۔ میں اکیلی۔ وہ آہستہ سے بولی۔

"رکشا پر چلی جاؤ۔ رات زیادہ ہو گئی تو شکیلہ سے کہنا کسی کے ساتھ نہیں بھیج دے۔

"مگر۔ وہ پھر ایک عجیب سی بات سوچ کر لرز گئی۔"

"چلی جاؤ۔ وہ گلہ کرے گی۔ اماں بولیں!"

"اچھا۔ آپ کہتی ہیں تو۔ وہ اماں کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔"

"اٹھو پھر تیار ہو جا۔"

"اچھا اماں!"

اماں تو باہر چلی گئیں۔

اس نے اٹھ کر کپڑے نکالے۔

سفید چوڑی دار پاجامہ کرتہ۔

کپڑے بدل کر جب وہ بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ تو دل کا چور بولا۔

"چار بج گئے ہیں۔!"

"مگر میں!"

آج راجہ سے مل لے۔ بعد کی بات پھر سوچنا۔

تیار ہو کر وہ باہر نکلی۔ تو جانے کیوں سہمی سہمی تھی۔

جیسے چوری کرنے جا رہی ہو۔

۲۳

ساڑھے پانچ بج چکے تھے ۔

دانش ٹیکسی میں بیٹھا کئی سگریٹ پھونک چکا تھا ۔

وقت گزارنے کے لئے اس نے اخبار خرید لیا۔ اخبار کی ضرورت اسے یوں بھی پڑی تھی کہ کئی جاننے والے گزر رہے تھے ۔ کچھ نے حیرت سے دیکھا۔ کچھ نے شکل کی مشابہت سمجھی ۔

اخبار میں بوریت کے سوا کچھ نہ تھا ۔

چند سیاسی بڈھے کھوسٹ لیڈروں کے چہرے ۔ ان کی ہزار بار دہرائی باتیں۔ جھوٹے دلاسے ، بے سر پیر کی تنقیدیں ۔

گھبرا کر اس نے اخبار پٹک دیا اور سوچا ۔

وقت کے پیر اتنے کیوں سمٹ گئے ہیں

یہ لمحے اتنے طویل کیوں ہو گئے ہیں ۔

" راجہ " آرزو کی میٹھی آواز کا رس اس کے کانوں میں ٹپکا تو اس نے مڑ کر دیکھا ۔

وہ سفید کرتے پاجامے میں جس پر کہیں کہیں سفید ستارے ٹکے ہوئے تھے سہمی ہی سی

کھڑی تھی ۔

"یہ تو خیال کر لیا ہوتا آرزو کہ تمہاری انتظار کا ایک ایک لمحہ کتنا بھاری گزرے گا مجھ پر ۔" وہ روٹھا روٹھا سا بولا ۔

"راجہ ۔ میں بہت پریشان ہوں ۔" اس کی آنکھیں بھیگ سی گئیں ۔

"آؤ بیٹھو تو ۔" دانش نے دروازہ کھول دیا ۔

وہ اپنی آنکھوں کے گوشے صاف کرتی ہوئی اس کے پاس ہی بیٹھ گئی ۔

دانش نے گاڑی اسٹارٹ کی اور کھلی سڑک پر ڈال دی ۔

"کہنے لگا ۔!"

"اب کہو ۔!"

راجہ ۔ وہ اماں اور ابا کہتے ہیں ۔ اب آئندہ اسکول بس میں جایا کروں ۔

"کیوں ۔؟"

محلے والے بڑے ذلیل ہیں ۔ کسی نے ابا سے کہہ دیا ۔

ابا محتاط ہو گئے ۔

"تو رو کیوں رہی ہے ۔!"

"ٹھیک ہے !" میں آئندہ اسکول میں ہی لیا کروں گا ۔

مگر راجہ ۔ کب تک ۔

جب تک یہ مجبوریاں ختم نہ ہو جائیں گی ۔ دانش اس کی ٹھوڑی انگلی سے چھوتے ہوئے بولا ۔

"میں آج شادی پر آئی ہوں ۔" آرزو نے مسکرا کر اپنا سر اس کے کندھے سے لگا دیا ۔

دانش ہنس دیا۔

کہنے لگا "شادی پر بھی چلی جانا"

"پہلے تمہیں خوب گھماؤں گا"

"راجہ۔ تم کمانے کیا ہو گئے آجکل۔ سارا دن تو ہم گھومتے رہتے ہیں"

بہت کچھ ہے میرے پاس۔

دانش آہستہ سے بولا۔

"ناجی۔ کچھ کمائی پر بھی دھیان دو"

"اچھا جی" دانش ہنس دیا۔

اس کے ہونٹوں پر ایک کیف آور مسکراہٹ تھی۔ اور آنکھوں میں عجیب سا نشہ۔

"راجہ!"

"ہوں۔!"

"ہم دونوں کیسے مل گئے۔ تم کہاں تھے۔ میں کہاں۔ اور آج ہم دونوں ایک ساتھ ہیں۔ یہ کیا ہے راجہ"

پتہ کیا ہے۔ دانش بولا۔

کیا ہے۔

"تم کہیں تھیں۔ میں کسی اور جگہ پر۔ اور پھر ہم دونوں یوں چلے جیسے خلائی سفر میں دو اسٹرانات ایک دوسرے سے اچانک ٹکرا کر ہمسفر بن جاتے ہیں"

"لیکن راجہ۔ ہمارا سفر خلائی نہیں ہمیں تو اس زمین پہ سفر کرنا ہے کبھی ننگے پیر تپتی ہوئی جلتی ہوئی اس زمین پر چلنا ہے۔ اور کبھی سنگلاخ پتھریلی راہوں سے گزرنا

ہے۔ خلا کے مسافر تو تنہا ہوتے ہیں۔"

۔ ہمارے ساتھ تو راجہ بہت سے لوگ ہیں۔ بہت سے انسان۔ ان انسانوں کے دکھ درد۔ ان کے مسائل۔ ان کے پیٹ۔ ان کی بیماریاں۔ ان کے دل۔ ان کے جذبات واحساسات اور ان کی بھوک۔ آرزو کے اندر کا انسان پھر سر اٹھانے لگا تھا۔"

"آرزو۔ ہم ہمسفر ہیں۔ ہمارے ساتھ ہماری دبی ہوئی خواہشیں ہیں۔ خواب ہیں۔ اور خواب پورے کرنے کے لئے انسان کو کچھ کرنا پڑتا ہے۔

۔ "عمل کی کٹھن راہوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ اور تب ہی ایک انسان کچھ پالیتا ہے"

"راجہ۔ تمہاری باتوں سے میں ڈرتی ہوں" آرزو بولی۔

"کیوں۔؟"

۔ کبھی کبھی تمہاری جگہ ایک امیر انسان بولنے لگتا ہے۔

آرزو تمہیں اتنی نفرت کس لئے ہے۔

دانش اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

آرزو کی آنکھیں برسنے لگیں۔

بتاؤ نا آرزو۔ آج تمہیں بتانا پڑے گا۔

"بس راجہ۔ مجھ سے نہ پوچھو۔ میں نہیں بتاؤں گی"

"بتاؤ آرزو"

"بس راجہ مجھ سے نہ پوچھو" اس کی آنکھیں لال ہو گئیں۔

۔ چہرے پر گھبراہٹ پھیلا ہوا تھا۔

دانش کچھ خاموش سا ہو گیا۔

وہ آنکھیں پونچھتی رہی۔

آرزو۔ چپ ہو جاؤ خدا کے لئے۔ دانش نے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔

وہ اس کے کندھے سے لگے سسک رہی تھی۔

اور دانش سوچ رہا تھا۔

آرزو کی نفرت کے پیچھے کوئی گہرا راز ہے۔

"راجہ" آرزو کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

دانش نے محبت سے اس کی طرف دیکھا اور گاڑی روک دی۔

وہ اپنے درد میں ڈوبی ہوئی کہنے لگی۔

راجہ۔ اپنے بھائی کے پاس کبھی نہ جانا کبھی نہ جانا۔

وہ تمہیں مجھ سے چھین لے گا راجہ۔ اس دولت نے تو پہلے ہی مجھ سے سب کچھ چھین لیا ہے۔ کہیں تم بھی راجہ۔

وہ اسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے راجہ بھی اس سے چھن جائے گا۔

"پگلی" دانش اسے بے بسی سے دیکھ کر رہ گیا۔

"وعدہ کرو راجہ۔ تم۔ تم اپنے بھائی کے پاس نہیں جاؤ گے۔ تم راجہ ہی رہو گے ریاض صاحب نہیں بنو گے۔ وعدہ کرو"

"آرزو کیا ہو گیا تمہیں۔ دانش اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیتا ہوا بولا"

"وعدہ کرو راجہ"

"سوچو تو سہی تم کیا کر رہی ہو" دانش بولا۔

اس نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

"میں تو بھول گئی راجہ۔ کہ تم ایک امیر آدمی ہو۔ تم بھلا کیسے ساری آسائشیں چھوڑ کر ایسی زندگی گزار سکتے ہو۔

"جاؤ راجہ۔ ابھی سے اپنی زندگی کی طرف لوٹ جاؤ۔

"خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ تم نے یوں بھی اپنی اس زندگی کی طرف ایک نہ ایک دن پلٹنا ہی ہے۔ پھر دیر کا ہے کی؟"

"آرزو!" دانش اس کی یہ جنونی سی کیفیت دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں۔ میری اور تمہاری راہیں الگ ہیں۔ تم نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا۔ میں سمجھ گئی ہوں تم بھٹک چکے ہو۔ تمہیں اپنی دولت زیادہ عزیز ہے۔ اور اسی وقت راجہ۔ میرے اور تمہارے درمیان ایک طویل فاصلہ پیدا ہو گیا ہے۔

اب تم۔ بلندیوں پر کھڑے ہو۔

"جہاں شاندار ایر کنڈیشنڈ بنگلے ہیں۔ رنگ و نور کا طوفان ہے۔ اونچے ہوٹل ہیں۔ تمہارا اونچا طبقہ ہے۔

"بے باک چہرے ہیں۔ عریاں لباسوں والی عورتیں ہیں۔ وہ سب تمہیں بلا رہے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں انتظار کی مایوسی نہیں تمہیں جیت لینے کا عزم ہے۔

اور میں۔

میں وہاں ہوں۔

"جہاں نہ ملبوسات کی رنگا رنگی ہے۔ نہ دولت کی لوٹ کھسوٹ۔ میں تو وہ ہوں راجہ۔ جو اپنے گھر کی دہلیز پر کھڑی تمہارا راہ تک رہی ہوں۔ اور جب تم آؤ گے میرا سر جھک جائے گا۔ مجھے زندگی مل جائے گی۔

"سوچ لو راجہ !"

تمہیں آج فیصلہ کرنا ہوگا !

تاکہ میں ابھی سے اپنی محبت پر جی بھر کر رو لوں۔

بتاؤ۔ !

"میرے رہو گے یا اپنی اس رنگین دنیا کے"

وہ بولتی جا رہی تھی۔

اور دانش کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس کے گرد مایوسیوں کا جال بُن رہی ہے۔

"بتاؤ راجہ۔ !"

آرزو نے اس کا سر پکڑ کر کھینچا۔

"تم اس وقت بہت جذباتی ہو رہی ہو آرزو۔ پھر کبھی بیٹھ کر بات کریں گے" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

"نہیں راجہ۔ اسی وقت فیصلہ ہوگا"

"آرزو۔ خدا کے لئے سوچو۔ تم کیا کہہ رہی ہو۔ !"

"تو تمہاری طرف سے فیصلہ ہو گیا گویا"

"وہ تھکی تھکی سی بولی۔

"نہیں آرزو۔ ایسا نہ سمجھو۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ !"

"جو تم چاہو گی ویسا ہی ہوگا۔ !"

"راجہ۔ !"

آرزو نے اپنا سر اس کے چوڑے سینے میں چھپا لیا۔
کہنے لگی۔ میں بڑی دکھی ہوں راجہ۔!
مجھ سے دولت نے سب کچھ چھین لیا اب مزید میں کوئی داؤ نہیں لگاؤں گی۔
اب میرے پاس کچھ نہیں۔ میں تو بھول ہی چکی تھی کہ میں کون ہوں کیا ہوں۔
جس دن مجھے پتہ چلا کہ تم بھی ایک امیر آدمی ہو۔ تو راجہ میرے دل میں ہلچل مچ گئی۔ اس لئے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ تم سے وعدہ لے لوں۔ کہ تم میرے رہو گے میری دنیا میں رہو گے۔

جہاں ایک عہد ہے۔ سکون ہے۔ محبت ہے۔ زندگی ہے۔ ایک تشنگی ہے بھوک ہی بھوک ہے۔ تم کتنے اچھے ہو راجہ۔ تم نے پیار کے شگفتہ پھولوں کو مسلا نہیں میرے چھوٹے سے خوبصورت گھر کو توڑا نہیں۔ جہاں ہر روز میں خیالوں میں پہنچی ہوتی ہوں

"ہاں آرزو۔!"
وہ چھوٹا سا گھر ضرور آباد ہو گا۔
وقت آنے دو۔!
"ہم دونوں اس گھر میں رہیں گے۔"
"راجہ۔!"
"اب وہ دن بہت قریب ہے۔"
میں ابا اور اماں سے کہہ دوں گی کسی دن۔
"ہاں آرزو۔!"
"میں اکیلا ہوں۔ میری دنیا سونی نہیں رہے گی۔

دانش نے اس کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیا۔
اور پھر وہ کتنی دیر ادھر سے ادھر گھومتے رہے۔
آرزو خوش تھی۔
اس کے لبوں پر ایک ٹھنڈی اور میٹھی مسکان تھی۔
آنکھوں میں بے انتہا پیار۔
اور دانش بظاہر مسکرا رہا تھا۔
لیکن دماغ میں حالات کا تلخ دھواں بھر گیا تھا۔
راہیں غبار میں چھپ گئی تھیں۔
فکر کی بھول بھلیاں تھیں۔ ایک بے کلی تھی۔

"راحیم۔!"
"میں گھر سے ایک شادی میں آئی ہوں۔ مجھے پہنچا دو اب۔!"
آرزو بولی۔
اچھا۔ وہ کھویا کھویا سا بولا۔
اس طرف چلو۔
ہوں۔
چپ کیوں ہو۔ آرزو بولی۔
"یونہی۔!"
"ہونا۔!"
آرزو اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

"وہ ہنس دیا کھوکھلی سی ہنسی۔!"

"شادی والا گھر آگیا تو آرزو بولی۔!"

"جاؤں!"

"نا۔!"

"جاؤں گی اب۔!"

"نا جاؤ۔!"

"کیوں۔!"

۔ ساری رات ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔ چاہت کی آگ میں سلگتا ہوا وہ بولا۔

"پٹواؤ گے تم۔!"

"اچھا جی جاؤ۔!"

"مگر کل چلو گی۔!"

"کل نہیں پرسوں۔!"

"کہاں۔!"

"شمو کے گھر۔!"

"ٹھیک ہے۔!"

"اوکے۔!"

خدا حافظ۔ آرزو گاڑی سے اتر کر مڑ مڑ کر دیکھتی ہوئی اندر چلی گئی۔
اور دانش نے گاڑی کا رخ انور کے گھر کی طرف موڑ لیا۔

دانش الجھا الجھا انور کے ہاں پہنچا۔
انور گھر پر ہی تھا۔
دانش نے کچھ دیر انور کی اماں سے باتیں
کیں۔ پھر اٹھتے ہوئے بولا۔
آؤ انور کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں تم سے۔
دونوں باہر نکلے۔
کہاں چلیں۔ انور بولا۔
چلو کسی ہوٹل میں چل بیٹھتے ہیں۔
دانش بولا۔
تم کچھ پریشان ہو۔ انور بولا۔
بہت۔ دانش اداسی سے بولا۔
"خیریت۔!"
خیریت ہی تو نہیں۔
بات کیا ہے۔ آرزو سے لڑائی ہو گئی کیا۔
نہیں یار۔ لڑائی تو نہیں مگر اس نے میرے
لئے مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔ وہ عجیب سا اتفاق اس
پر ہوا۔ اس اتفاق کو جھوٹ کا سہارا دینا ایک مصیبت
ہو گئی ہے۔ میں اپنے لئے خود گورکھ دھندہ بن
گیا ہوں۔ انور۔

مگر بات کیا ہے دانش بتاؤ تو سہی۔ انور بولا۔

چلو بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔

دونوں شہر کے ایک بڑے ہوٹل میں آ گئے۔ کونے میں بیٹھ کر چائے کا آرڈر دیا۔

کچھ عجیب سا ماحول ہو گیا ہے انور۔

دانش سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا۔

ہوا کیا آخر۔ انور اس کے چہرے پر سائے پھیلتے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

اسے دولت سے اتنی شدید نفرت ہے کہ میں بتا نہیں سکتا۔ یقیناً اس نفرت کے پیچھے ایک بہت بڑا راز ہے۔ جس نے اسے امارت اور رنگینیوں سے متنفر کر دیا ہے جیسے ہی ذکر آئے بھڑک اٹھتی ہے۔ اور آج تو اس نے مجھ سے صاف صاف کہہ دیا کہ یا اپنی دنیا میں لوٹ جاؤ۔ اور یا راجہ ہی بنے رہو۔

ٹھیک ہو جائے گا آہستہ آہستہ۔ انور بولا۔

میں تو اس وقت سے ڈرتا ہوں جب اسے یہ پتہ چلا۔

کہ میں راجہ نہیں بلکہ دانش ہوں۔

تم اسے بتا کیوں نہیں دیتے۔ انور بولا۔

اسے ہمیشہ کے لئے کھو دوں گا۔ اگر میں نے ایسا کیا۔

"کوشش تو کرو۔!"

کوشش کی ہے انور مگر جیسے ہی ذکر آئے وہ بھڑک اٹھتی ہے۔

مجھے اول تو یہ سمجھ نہیں آتی کہ تم نے ایک لڑکی کو اتنا اہم کیوں بنا لیا ہے۔ دوسرے اس لڑکی پر حیرت ہے کہ وہ تم جیسے انسان کے ساتھ آنکھیں بند کئے چلنے کو تیار کیوں نہیں

یار عجیب بات ہے۔

انور بولا۔

۔ یہ تو تم جانتے ہو انور۔ کہ مجھے اس سے بے پناہ محبت ہے۔

اس لئے میرے لئے اہم کیا۔ وہ تو میری زندگی ہے۔

دوسری بات تم نے یہ کہی کہ تمہیں اس لڑکی پر حیرت ہے۔ انور اس لڑکی میں یہی تو بات ہے کہ وہ عام لڑکیوں سے مختلف ہے۔

اس نے اپنے لئے کبھی نہیں سوچا۔

کہ میرے پاس یہ ہو۔ وہ یہ۔ وہ تو اسی حال میں خوش ہے۔ آج کہنے لگی۔

راجہ مجھے اس وقت کا انتظار ہے۔ جب تم تھکے ماندے گھر آیا کرو گے تو دہلیز پر مجھے انتظار کرتا پاؤ گے۔

بڑے غریب اور غریبانہ خیالات ہیں اس کے۔ انور شرارت سے بولا۔

بس ایسے ہی ہیں۔ مجھے بتاؤ کیا کروں۔

۔ اب تو یہی ہے کہ اپنا سب کچھ بانٹ کر غریب ہو جاؤ۔ انور بولا۔

میں اس کے لئے تیار ہوں۔ دانش بولا۔

انور چونک گیا۔ کہنے لگا۔ کہیں یہ بے وقوفی نہ کر بیٹھنا دانش۔

تو کیا کروں۔

۔ کچھ دیر صبر۔ آہستہ آہستہ جب اسے یقین ہو جائے گا۔ محبت عروج پر ہو گی اس وقت بتا دیں گے۔

نہیں یار۔ یہ بات نہیں۔

تھوڑا صبر کرو۔ انور بولا۔

۔ مگر۔ وہ تو کہہ رہی تھی کہ وہ اپنے ابا اور امی سے بات کرلے گی۔

شادی کے لئے۔ انور نے پوچھا۔

"ہاں۔!"

۔ تو کرلینا شادی۔ بعد میں بتا دینا۔ انور بولا۔

نہیں یار۔ یہ تو نہیں ہو سکتا نا۔ کچھ سوچو۔

تمہارا تو دماغ بالکل گیا گزرا ہے۔ دانش ہنس کر بولا۔

۔ میرا دماغ تو یہی کہتا ہے کہ تھوڑا سا صبر۔

اچھا یار تیری بات پر بھی عمل کر دیتے ہیں۔

۔ ہیلو۔ دانش۔

نسوانی آواز سن کر دانش نے مڑ کر دیکھا۔

مسز رشدی اور مسٹر رشدی تھے۔

ہیلو۔ کیسی ہیں آپ۔ دانش اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

تمہیں کیا۔

آپ کیسے ہیں رشدی صاحب۔ دانش نے رشدی سے ہاتھ ملایا۔

۔ ہم تو ٹھیک ہیں۔ آپ کہاں ہیں نظر نہیں آتے۔

کچھ مصروف رہا۔

دانش صاحب کا حلیہ دیکھنا رشدی۔ جیسے ابھی ابھی نیکر ٹی سے اٹھ کر آئے ہوں۔

ایسا ہی ہے۔ انور بولا۔

اور آئی ایم ساری۔

یہ میرے دوست ہیں انور۔ دانش انور کا تعارف کرواتے ہوئے بولا۔

آئیے بیٹھیں۔ انور بولا۔

وہ دونوں وہیں بیٹھ گئے۔ دانش نے ان کے لئے چائے منگوائی۔

۔ رشدی کو کوئی ریس کا جیکی مل گیا۔ وہ معذرت چاہتے ہوئے اس کے ساتھ دوسری ٹیبل پر چلا گیا۔

اور مسز رشدی بولیں۔

۔ مجنوں لگ رہے ہو مجھے۔

دانش ہنس دیا۔

ان کے ڈیل ڈول کو نظر انداز کر گئیں آپ محترمہ۔ انور بولا۔

کیا مطلب۔ مسز رشدی ہنسیں۔

یعنی یہ کہ مجنوں اتنا صحت مند تو نہیں تھا۔

"انور نے کہا۔!"

"یہ اس زمانے کا مجنوں ہے نا۔!"

"مسز رشدی بولیں۔!"

"مطلب آپ کا یہ کہ وہ مجنوں ڈائیٹنگ کرتا تھا۔ اور یہ نہیں کرتا۔!"

"انور بولا۔!"

"آپ سنائیں کیا مشاغل ہیں آجکل۔ دانش بولا۔

"کوئی خاص نہیں۔ بور سی زندگی۔!"

"کیوں۔!"

"اور کیا۔ رشدی ریس میں ایک لاکھ روپے کا لاس کر بیٹھے ہیں۔

تو۔ دانش بولا۔

"ایک لاسنس کے چکر میں ہوں۔ تم دو ادھا۔ تمہارے تو جاننے والے ہزار ہیں۔

مسز رشدی بولیں۔

"کیا کریں گی اتنا پیسہ ؟"

دانش اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"پیسہ۔ مسز رشدی ہنسیں۔ پیسہ تو میری شروع سے کمزوری ہے۔!"

مگر آخر کیا کریں گی۔ دانش ہنس کر بولا۔

دیکھ دیکھ کر خوش ہوں گی۔ مسز رشدی سگریٹ کا دھواں ہوا میں اچھالتے ہوئے بولیں۔

خوب۔ دانش ہنس کر بولا۔

دولت کی خوشبو بڑی پیاری ہے دانش۔ مسز رشدی نے قہقہہ لگایا۔

"کتنے عجیب عجیب لوگ ہیں دنیا میں۔ ایسے بھی لوگ ہیں جنہیں دولت بری لگتی ہے"

دانش کی نگاہوں میں آنند کا چہرہ پھر گیا۔

ایسے لوگ دنیا میں نہیں ہیں۔

مسز رشدی بولیں۔

ہیں مسز رشدی۔ یہ بالکل حقیقت ہے۔

جھوٹے ہیں وہ لوگ۔ دولت ہر انسان کی کمزوری ہے۔

مسز رشدی ہنس کر بولیں۔

میں نے دیکھے ہیں ایسے لوگ مسز رشدی۔ دانش بولا۔

۔ میں نے تم سے کہا نا، کہ جھوٹ ہو گا۔ کوئی مصلحت ہو گی۔

۔ ورنہ یہ بات ناممکن ہے۔ اس وقت میری عمر چالیس کے لگ بھگ ہے۔
اور ان چالیس برسوں کے تمام کڑوے کسیلے تجربات نے ریگ مال کی طرح
میری زنگ آلود نظر کو رگڑ رگڑ کر شفاف بنا دیا ہے۔ میں نے تو یہی دیکھا۔ یہی محسوس کیا کہ
دولت ہر انسان کی کمزوری ہے۔

تم پتہ نہیں کونسی دنیا کی باتیں کرتے ہو۔ مسز رشدی بولیں۔

یہ پھر آپ کے تجربے کی بات نہیں۔ دانش کھویا کھویا سا کہنے لگا۔

۔ کچھ لوگ ہیں ایسے۔ جو اپنے حال میں خوش ہیں۔

جنہیں جدوجہد میں سکون ملتا ہے۔

جدوجہد کیوں کرتے ہیں وہ۔ مسز رشدی نے دانش کی بات پکڑ لی۔

اس لئے کہ سکون حاصل ہو۔

۔ تم بھول رہے ہو دانش۔ جدوجہد کا مطلب ہے کہ دولت کی بھوک انہیں کام
کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔

۔ نہیں مسز رشدی۔ وہ اپنے حال، اپنے ماحول سے مطمئن ہیں۔ اتنی کی جدوجہد
کرتے ہیں جتنے میں ان کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ زیادہ نہیں۔

۔ تمہاری باتوں پر حیران ہو رہی ہوں میں دانش۔

۔ تم جیسے ذہین آدمی سے یہ توقع نہیں، کہ تم ایک غلط بات مان گئے ہو۔

بہت ہو چکی دانش۔ چلو چلیں۔ الور جو اتنی دیر سے خاموش ان کی باتیں سن رہا تھا۔

اٹھتے ہوئے بولا۔

اچھا باقی آئندہ اجازت۔ دانش اٹھ کر بولا۔

میں نے تو تمہیں کبھی اجازت نہیں دی۔ اپنی مرضی تم کرسکتے ہو۔

مسز رشدی کی آنکھیں خمار آلود ہوگئیں۔

"اوکے۔ دانش مسکرایا!"

"کلب آؤ گے!"

"آؤں گا!"

"روز کہتے ہو!"

"آؤں گا کسی روز۔!"

"کبھی وہ دن ضرور آئے گا۔ مسز رشدی ہنسیں۔!"

"وہ دونوں باہر نکلے تو انور بولا!"

"کیا شے تھی مسز رشدی بھی!"

"ہاں۔!"

رشدی صاحب پالتو لگتے ہیں۔ انور بولا۔

تیسرے شوہر ہیں ان کے۔ دانش نے کہا۔

اور فرما رہی تھیں کہ دولت ان کی کمزوری ہے۔

مجھے پہلے پتہ ہوتا کہ تیسرے شوہر تک پہونچی ہوئی ہیں

تو یہ ضرور کہتا کہ شوہر بدلنا بھی آپ کی کمزوری ہے۔

دانش ہنس دیا۔ "کہنے لگا۔!"

ایک یہ محترمہ ہیں۔ اور ایک میری پگلی سی آرزو ہے۔
جسے مجھ سے پیار ہے۔ راجہ سے، دانش سے۔

"نہیں۔!"

اچھا بھئی مجھے تو آرہی ہے نیند۔ میں چلا۔ انور۔
مگر مجھے ڈراپ تو کر آؤ۔ دانش بولا۔

"ہاں چلو۔!"

۔ انور دانش کو اس کے بنگلے پر اتار کر گیا تو دانش پھر فکر کی بھول بھلیوں میں کھو گیا۔
آج اسے اپنا وسیع خوبصورت بنگلہ اچھا نہ لگ رہا تھا۔
۔ بڑی بڑی پھولوں سے ڈھکی ہوئی ملہاریاں طے کرتے ہوئے اسے جانے کیوں
دہلیز پر کھڑی جھکی جھکی آنکھوں والی آرزو کا خیال آرہا تھا۔
یہاں پھیلا ہوا سناٹا۔
اور وہاں آرزو کی نظروں کی عقیدت۔

دانش نے شمو کے گھر کے پاس ہارن دیا
تو آرزو شمو کے ساتھ باہر نکلی۔

آداب دولہا بھائی۔ شمو اس کے قریب
آکر بولی۔

جیتی رہو۔ دانش مسکرا کر بولا۔

بیہودہ ہے تو تو۔ آرزو شرما کر بولی۔

تو ساری دنیا میں پھرے تو بیہودہ نہیں۔

شمو اس کے بازو پر چٹکی کاٹتے ہوئے بولی۔

اچھا جا اب۔ آرزو گاڑی میں بیٹھتے ہوئے
بولی۔

۲۵

جاتی ہوں صبر کر۔

جا بھی۔ آرزو بولی۔

توبہ۔ اچھا راجہ بھیا۔ یہ تو پوری ہے دیوانی
آپ ہی کچھ ہوش کیجیے گا۔ اور ذرا وقت پر
اسے پہنچا جائیے گا۔

ورنہ میری جوتیا ہو گی اور اس کی اماں کا
ہاتھ۔

میں بھی دیوانہ ہوں۔
دانش ہنس کر بولا۔

لو۔ اور سنو۔ بس گئے کام سے۔

اچھا خدا حافظ۔ دانش بولا۔

شمو مسکرا کر اندر چلی گئی۔

اور دانش نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

دونوں خاموش تھے۔

۔ آرزو ہولے ہولے مسکرا رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں کا تبسم اور دانش کی نظریں گرم شعاعوں کا جال بن رہی تھیں۔

آرزو۔ دانش کی آنکھوں سے سرور چھلک چھلک گیا۔

یوں نہ دیکھو راجہ۔

۔ لبوں کی بھیگی بھیگی سلوٹوں نے سرگوشی کی۔

وہ تیزی سے گاڑی بھگاتا ہوا شہر سے باہر آگیا۔

۔ سورج کی کنواری کرنوں نے کائنات کے ذروں کو چمکا دیا تھا۔

دشمنِ جان۔ دانش بولا۔

آرزو ہنس دی۔ کہنے لگی۔ یہ سوچا میرے لئے آپ نے۔

"ہاں۔!"

"اچھا ہے۔!"

دانش نے گاڑی روکی۔ دونوں باہر نکل آئے۔

۔ پھولوں سے لدی ہوئی شاخوں کے سائے میں چلتے ہوئے ان کی چال میں ایک رندانہ بہک تھی۔

چہروں پر کچھ پالینے کی چمک تھی۔
آرزو کی حجاب آلود نگاہیں۔
دانش کا تپتا ہوا چہرہ۔
کہنے لگا۔
"تم نے بادام کے شگوفوں کو چٹکتے ہوئے دیکھا ہے؟"
آپ کو اپنے پاس دیکھا ہے۔ آرزو یوں ہنسی جیسے چوڑیاں کھنک گئی ہوں۔
آرزو کب میری سونی دنیا آباد کرو گی۔ دانش کے لہجے میں بے چینی تھی۔
جب تم چاہو گے۔
دانش بے بسی سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔
"راجہ۔!" آرزو کندھے سے سر لگاتے ہوئے بولی۔

"ہوں۔!"
تم نے اپنا گھر تو مجھے دکھایا نہیں۔
"میرا گھر۔!"
"دانش بولا۔!"
"ہاں تم کہاں رہتے ہو۔!"
"ایک دوست کے پاس۔!"
"دانش بولا۔!"
"کون ہے وہ۔!"
"انور نام ہے اس کا۔!"

"کیا کرتا ہے۔!"

"ٹیکسی ڈرائیور ہے۔ مجھے بڑا عزیز ہے۔!"

"میرا بچپن کا دوست ہے۔!"

"تم تو ٹیکسی ڈرائیور اب بنے ہو! پہلے تو امیر آدمی تھے۔"

"پھر وہ تمہارا دوست کیسے۔!"

آرزو بولی۔

"کیوں۔ میرا دوست ٹیکسی ڈرائیور نہیں ہو سکتا۔!"

"ہو تو سکتا ہے مگر غریب مزدور اور امیر آدمی کی دوستی دیکھی نہیں کبھی!"

"وہ میرا بچپن کا دوست ہے۔ اور اکیلا دوست۔!"

"کسی دن ملواؤں گا تم سے" دانش جلدی سے بات پلٹ کر بولا۔ کیونکہ اسے خطرہ ہو گیا تھا کہ آرزو کی باتوں کے جواب میں جانے اسے کتنا جھوٹ اور بولنا پڑے۔

"سمجھ گئی۔!"

آرزو بولی۔

"کیا۔!"

"یہی کہ جب تمہارا تمہارے بھائی سے جھگڑا ہوا ہو گا"

— تمہارا دوست ہی تمہارے کام بھی آیا ہو گا۔ اور ہو سکتا ہے اسی وجہ سے جھگڑا ہوا ہو کہ وہ تمہارا دوست نہیں ہونا چاہیے۔"

— "تمہیں میرے بھائی سے نفرت ہو گئی ہے گویا۔!"

دانش ہنس کر بولا۔

"مجھے اس بیچارے سے نفرت کیوں ہوگی۔ مجھے تو اس دولت سے نفرت ہے جو ایک انسان کو انسان نہیں رہنے دیتی۔ میرا اس بیچارے نے کیا بگاڑا ہے۔"

آرزو ہنس کر بولی۔

"میرا بھائی ہے بڑا اچھا۔!"

"ہاں لگتا تو اچھا ہے۔ شکل تو تم سے اتنی ملتی ہے کہ انسان دھوکا کھا جائے۔"

"تم بھی کھا گئیں دھوکا۔!"

"دانش ہنس دیا۔!"

"ہاں اور کیا۔ اس بے چارے کو سنا بھی دیا۔"

"ڈانٹا بھی۔!"

"بے چارا۔!"

دانش ہنس کر بولا۔

"تمہارا دل اسے ملنے کو چاہتا ہے۔!"

آرزو کو راجہ پر ترس آنے لگا۔

"چاہتا تو ہے مگر تم سے ڈرتا ہوں۔!"

دانش بولا۔

"کیوں۔!"

آرزو حیران رہ گئی!

"تم نے منع کر دیا ہے نا اس سے ملنے کو!"

"ہائے کب راجہ! جھوٹے۔" آرزو حیرت سے بولی۔

" کہا نہیں تھا کہ اپنے بھائی کے پاس مت جانا یہ دانش کو اس گفتگو کی توقع نہیں تھی۔ اس لئے وہ خوش تھا کہ آرزو نے خود ہی یہ ذکر چھیڑ دیا تھا۔

" یہ تو کہا تھا مگر یہ کب کہا تھا کہ اس سے ملنا مت "

" میں بھلا منع کر سکتی ہوں کہ بھائی سے مت ملو "

" مگر تم ۔ !"

دانش اب بھی اس کی بات نہ سمجھا۔

" تم یوں کرو۔ اس سے ضرور ملو بلکہ اپنے حصے کی جائیداد وغیرہ بھی اسے دیدو۔ تم اس سے کہہ دو۔ کہ تمہیں کچھ نہیں چاہیئے۔ تم اس زندگی میں خوش ہو۔ ملتے رہا کرو۔ مگر ساتھ یہ تاکید بھی کر دینا کہ وہ تم پر ترس نہ کھائے۔ تم بہت خوش ہو۔ کہیں تمہیں اپنے پاس لے جائے "

وہ بولتی جا رہی تھی اور دانش اسے دیکھ رہا تھا۔

کتنی معصوم تھی وہ۔ ایک بات کو دل میں بٹھا لیا تھا۔

اور ایسی باتیں کئے جا رہی تھی۔

" راجہ ۔ !"

" ہوں ۔ !"

" چپ کیوں ہو گئے ۔ !"

" سوچ رہا تھا۔ کہ بھائی سے ملوں ۔ !"

" ہاں ضرور ملو مگر ساتھ میں وہ ساری باتیں بھی میں جانتی ہوں راجہ۔ میں تم سے بہت بڑی بات کہہ رہی ہوں جس کو ماننے کے لئے تم ہچکچا رہے ہو مگر میں بھی اپنی

طبیعت۔ اپنی سوچ۔ اپنے فیصلے سے مجبور رہوں "

دانش بے چین سا ہو گیا۔ کہنے لگا۔

"سب انسان ایک جیسے نہیں ہوتے آرزو۔ ہر ایک کی سوچ مختلف ہے۔ جانے تمہارے ساتھ کون سا حادثہ ہوا ہے جس سے تم سب کو ایک جیسا سمجھنے لگ گئی ہو۔

میں تو دولت کو برا کہتی ہوں۔ انسانوں کو برا نہیں کہتی۔

آرزو بولی۔

"اچھا چھوڑ دو اس قصے کو۔ مجھے بھوک لگی ہے "

"یہاں کیا ملے گا۔!"

آرزو بولی۔

"وہ سامنے سینک شاپ ہے۔ وہاں چلیں "

"یہ شاہی ٹھاٹھ بھول جاؤ راجہ۔ اس طرف چنے والا بیٹھا ہے۔ کھاؤ "

"سینک کھانے سے شاہی ٹھاٹھ ہو گئے " دانش ہنس کر بولا۔

"یہ امیروں کے چونچلے ہیں۔ میں تو اس لئے کہتی ہوں کہ روکھی سوکھی کھاؤ گے تو آہستہ آہستہ ہماری دنیا میں رہنا سہنا سیکھ جاؤ گے "

دانش ہنس دیا۔

آرزو کہنے لگی۔

"راجہ۔!"

"ہوں۔!"

"تم نے کبھی اپنے گھر کے بارے میں سوچا ہے "

"کونسا گھر" دانش اس کی آنکھوں میں پیار دیکھتے ہوئے بولا۔

"اپنا گھر میرا اور تمہارا گھر، جہاں ہم رہیں گے" وہ حیا سے بھیگتی ہوئی آواز میں بولی۔

"ہاں سوچا ہے" دانش پیار میں ڈوبا ہوا بولا۔

"کیا؟" جھکی جھکی پلکیں کانپ گئیں۔

"وہ گھر خوشیوں، مسرتوں اور ہماری آرزوؤں کا گہوارہ ہو گا"

میں نے بھی اپنے گھر کے بارے میں بہت سوچا ہے۔ بلکہ میں تو۔ میں تو ہر روز خیالوں ہی خیالوں میں وہاں پہنچ جاتی ہوں راجہ۔

کبھی تمہاری قمیض میں بٹن ٹانک رہی ہوتی ہوں، کبھی تمہاری کوئی پسندیدہ چیز بنا رہی ہوں۔ اور کبھی"

وہ خیالوں میں کھوئی ہوئی دانش کو بڑی حسین لگی"

"آرزو!"

"ہوں!" وہ اس کے کندھے پر سر رکھے بولی۔

"کبھی کبھی سوچتا ہوں۔ کہیں۔ کسی موڑ پر مجھ سے جدا تو نہیں ہو جاؤ گی"

خدا کے لیے آرزو ایسا کبھی سوچنا بھی مت۔

اس کے لہجے کی بے چینی نے آرزو کو اس کی محبت میں ڈبو دیا۔

"نہیں راجہ۔ ایسا کبھی نہ ہو گا۔ کبھی نہیں ہو گا"

دانش نے اس کے بالوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔ اور کہنے لگا۔

"تم نے ایسا کیا تو مر جاؤں گا میں"

آرزو نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ اس کے لبوں پر رکھ دیا۔

کہنے لگی۔!

"بری باتیں زبان پر نہ لاؤ راجہ۔!"

"تم میری ہونا!" دانش بولا۔

"اور تم۔!"

"میں دل وجان سے تمہارا ہوں!"

"تم میرے ہونا!" آرزو بولی۔

"ہاں!"

"تو آؤ چنے کھائیں۔!"

آرزو ہنس دی۔!

"میں چنے کھاؤں گا۔ بعد میں تم سینک اور کافی ہوگی" دانش ہنس کر بولا۔

"یہ کیا بات ہوئی!" آرزو مچل کر بولی۔

"کبھی تمہاری بات۔ اور کبھی میری مرضی!"

دانش ہنس کر بولا۔

"یہ تو پھر یوں ہوا! کہ کبھی ہم ایک دنیا میں رہیں گے اور کبھی دوسری دنیا میں۔!"

"تو کیا ہوا" دانش بولا۔

"راستہ ایک اچھا راجہ۔!"

"کسی ایک کا انتخاب کر لو۔!"

"بولو۔ چنے کھاؤگے یا کافی پیوگے۔! بتاؤ!"

دانش مسکراتا رہا۔

"بولو نا۔!"

"چنے کھاؤں گا۔!" وہ بے بس سا ہو گیا۔

"آرزو کھلکھلا کر ہنس دی۔!"

پھر کہنے لگی! "دیکھا"

"ہم کتنے پکے ہیں اپنی بات کے۔منوا لیا نا!"

"مجبوری ہے!" دانش مسکرا کر بولا۔

"کبھی یہ مجبوری نہیں رہے گی!" آرزو بولی۔

"دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے!"

"اچھا چلو چنے کھلاؤ!"

"چلو!"

"دونوں چنے والے کے پاس پہونچے۔!"

"چنے خریدے!"

"راجہ" آرزو بولی۔

"بھوک زیادہ لگی ہے!"

"ہاں سچی!"

"دانش بچوں کی طرح سر ہلا کر بولا۔

"آؤ کھانا بھی کھلا دوں!"

"کہاں!"

"بس آجاؤ میرے ساتھ۔!"

دونوں چلتے ہوئے گاڑی میں آئے۔

"سیدھے چلے چلو۔!"

آرزو راستہ بتانے لگی۔

تھوڑی دیر میں وہ ایک گاؤں کے قریب تھے۔

"وہ سامنے دیکھو۔ تنور!"

"کیا کروں اسے!" دانش بیزاری سے بولا۔

"آؤ۔!"

"روٹی۔ دال۔ اور کیا!" آرزو ہنس کر بولی۔

"ظلم کیے جاؤ۔!"

دانش بولا۔

"ارے یہ ظلم ہے۔ روٹی کھلا رہی ہوں تمہیں!"

تنور پر بھٹیارن روٹیاں لگا رہی تھی۔

اور آس پاس بیٹھے لوگ روٹی کھا رہے تھے۔

آرزو نے ایک لڑکے کو بلایا۔! اور

روٹی اور دال لانے کو کہا۔!

دانش خاموش بیٹھا دیکھ رہا تھا۔!

لڑکا تھال میں روٹیاں اور رکابی میں دال لے آیا۔

"لو کھاؤ راجہ۔!"

آرزو مزے مزے سے نوالے توڑنے لگی۔!

"کھاؤ نا۔!"

مجبوراً دانش نے نوالہ توڑا! لیکن پہلے نوالے سے ہی راجو کو دال مزیدار لگی!

وہ جلدی جلدی کھانے لگا۔!

آرزو اسے کھاتے دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

"مزہ آیا راجو!"

"بہت۔ اور منگاؤ!" دانش روٹی توڑتے ہوئے بولا۔

"آرڈر دوں!"

آرزو بولی!

"ہاں!"

"دانش ہنس دیا۔!"

"لڑکے اور لاؤ۔!"

آرزو ہنس ہنس کر لال ہو رہی تھی۔!

"دونوں نے کھانا کھایا۔!"

"چہرے پر مسرت تھی۔!" دلوں میں محبت کا نور تھا۔

"اب چلیں!"

"چلو!"

"دانش نے لڑکے کو پیسے دینے کے لئے بلایا۔!"

لڑکا آیا تو دانش نے دس کا نوٹ نکال کر لڑکے کو تھما دیا۔

"جی۔ یہ!" لڑکا حیرت سے بولا۔

"کتنے پیسے ہوئے۔!"

"آرزو بولی۔!"

"بارہ آنے جی۔ چار آنے کی دال اور آٹھ آنے کی روٹیاں!"، لڑکا بولا۔

"یہ سب رکھ لو" دانش بولا۔

آرزو نے ایک نظر دانش کو دیکھا۔ اور پھر بولی۔

"ہاں رکھ لو۔!"

"لڑکا حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔!"، اور دانش نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"میں نے فضول خرچی تو نہیں کی۔!"

دانش لبوں پر مسکراہٹ چھپا کر بولا۔!

"بالکل نہیں!"، میں بڑی خوش ہوں تمہاری اس فیاضی پر۔ آرزو بولی۔!

"اچھا!"

"دانش بولا۔!"

"ہاں!"، اس لئے کہ تمہارے پاس جو پیسے ہیں نا وہ اسی طرح ضرورتمند لوگوں کو ملنے چاہئیں۔!"

"تم سے امارت چھن جائے گی۔!"

"پیسے کم ہوں گے!"

"پھر تم محنت کروگے۔!" ہے نا۔

"یہ بھی تو محنت کی کمائی ہے۔!"

"دانش بولا۔!"

"ہاں ٹھیک ہے!" مگر زیادہ پیسے کیا کرو گے۔
اپنی ضرورت کے مطابق ملنے چاہئیں بینکوں میں سڑنے سے کیا فائدہ۔
آرزو ہنسی!

"جی بہت اچھا۔!"
دانش بولا۔

"اب چلو راجہ۔!"
"پھر کب ملو گی۔!"
"اسکول کھلیں گے تو۔!"

"ٹھیک ہے۔!"
دانش آرزو کو شمو کے گھر پہونچا کر واپس آیا تو اس کا ذہن بہت پریشان تھا۔!
"کتنی عجیب لڑکی سے دل لگا لیا میں نے۔کیا کروں!"
وہ چڑ گیا!۔
۔لیکن آرزو تمام جذبوں پر چھائی تھی۔ من میں بس گئی تھی۔روح میں اتر گئی تھی۔
اسٹاف روم سے کچھ دور گھنٹی کی زوردار آواز نے پریڈ شروع ہونے کا اعلان کیا۔
اور آرزو فائل اٹھا کر تیز قدموں سے کلاس روم کی طرف روانہ ہو گئی۔
آج راجہ سے ملے دو روز ہو گئے تھے۔جانے راجہ کیوں نہیں آیا تھا۔وہ حیران بھی تھی
اور غمزدہ بھی۔
راجہ سے جدائی کے خیال نے اسے بوکھلا دیا تھا۔ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے
چاروں طرف بھٹیاں سی دہکنے لگی ہوں۔

سینے سے ایک لمبی سانس یوں نکلی جیسے تپتے ہوئے لوہے پر پانی ڈالنے سے بھاپ اٹھتی ہے۔

کلاس میں آتے ہی وہ گرتے ہوئے بچی۔

لیکن اگلے ہی لمحے اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔

اور جلدی جلدی حاضری لینے لگی۔

اس کا قلم تو حاضری اور غیر حاضری کے نشانات لگاتا جا رہا تھا مگر دماغ خود حاضر نہیں تھا۔

ابھی وہ سبق پڑھانے کی تیاری کر رہی تھی۔

کہ اسکول کی مائی اندر آگئی۔

"کیا بات ہے۔!"

آرزو نے مائی سے پوچھا!

"وہ جی۔ آپ کو بڑی مس صاحبہ دفتر میں بلا رہی ہیں۔!"

"اچھا۔ چلو میں آ رہی ہوں!"

اس نے لڑکیوں کو شور نہ کرنے کی تاکید اور مائی کے ساتھ ہیڈ مسٹرس کے آفس چل دی۔

دیکھا تو وہاں شمو بھی تھی۔!

شمو کا چہرہ پیلا ہو رہا تھا۔ اور آنکھیں سیلاب زدہ سی۔

وہ گھبرا سی گئی۔

"کیا بات ہے۔!"

دل ہی دل میں اس نے سوچا اور آگے بڑھ گئی۔

"آرزو۔ آئیے بیٹھئے۔ ہیڈ مسٹریس کے چہرے پر گہری ہمدردی تھی۔ لہجہ غم زدہ سا تھا۔!"

ایک لمحے کے لئے آرزو کا دل ڈوب سا گیا۔

"آرزو۔!"

"شمو برداشت نہ کر سکی اور روتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔

"کیا ہوا شمو!"

"وہ حیران حیران سی بولی۔!"

"آرزو۔!" "تمہارے ابا۔!"

"شمو روتے ہوئے بولی۔!"

"میرے ابا۔ کیا ہوا میرے ابا کو۔ شمو خدا کے لئے جلدی بتاؤ!"

آرزو پھٹی پھٹی نظروں سے شمو کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ کے ابا جان انتقال کر گئے ہیں۔!" ہیڈ مسٹریس اپنی آنکھوں کے گوشے صاف کرتی ہوئی بولی۔

آرزو کی آنکھیں اسی طرح پھیلی کی پھیلی رہ گئیں۔

"فیکٹری سے گاڑی آپ کو لینے آئی ہے۔ آپ فیکٹری جائیں۔ شمو آپ بھی آرزو کے ساتھ چلی جائیں۔ گاڑی باہر کھڑی ہے۔"

ہیڈ مسٹریس آرزو کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔

"آؤ آرزو چلیں۔ صبر کرو میری بہن۔ زندگی انہی حادثات کا نام ہے۔"

شمو اسے سہارا دے کر باہر گاڑی میں لے آئی ۔

آرزو کی آنکھیں اب تک اسی طرح پھیلی ہوئی تھیں چہرہ پیلا پڑ گیا تھا اور ہونٹ شدت غم سے لرز رہے تھے ۔

" ابھی ابھی میں ہیڈ مسٹریس کے آفس میں تھی کہ ایک آدمی آیا تمہارا پتہ پوچھ رہا تھا میں نے اس سے پوچھا کہ بات کیا ہے تو کہنے لگا وہ فیکٹری میں کام کر رہے تھے مشین خراب تھی ایک زوردار جھٹکا ہوا اور وہ مشین میں پھنس گئے ۔"

اور کہتے ہوئے شمو پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی ۔

آرزو خاموش سنتی جا رہی تھی ۔

" مجھے بڑا افسوس ہے مس صاحبہ میں آپ تک یہ خبر پہنچانے آیا ۔"

گاڑی چلانے والا نوجوان کہنے لگا ۔

" چچا میاں میرے ساتھ ہی مشینوں پر کام کرتے تھے ۔ یہ مشین پچھلے دو دن سے خراب ہے ۔ ہم نے منیجر سے شکایت بھی کی مگر اس نے دھیان نہیں دیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی کوتاہی نے ایک جان لے لی ۔ !"

" چچا میاں کا ابھی سانس باقی تھا ۔ انہوں نے آپ کا پتہ بتایا ۔ لہذا میں یہاں آگیا "

شمو رو رہی تھی اور آرزو خاموش تھی ۔

تھوڑی دیر میں فیکٹری آگئی ۔

فیکٹری کے اندر مزدور جمع تھے اور درمیان میں آرزو کے ابا کی لاش رکھی تھی ۔

شمو اور آرزو کو دیکھ کر مزدوروں نے راستہ دیا ۔

شمو کا خیال تھا کہ آرزو باپ کی لاش دیکھ کر چیخ اٹھے گی ۔ ایک بھونچال آجائے

گا۔ ایک شور بپا ہو گا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔

آرزو کھڑی لاش کو گھورتی رہی۔

کسی مزدور نے اس کے سر پر دوپٹے کا آنچل پھیلا دیا۔

کسی نے آرزو کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا۔

"صبر کرو بیٹی۔!"

"حوصلہ کرو۔!"

"رو لو تو دل کا غبار ہلکا ہو جائے گا۔

"تقدیر کا فیصلہ یہی تھا بیٹی۔!"

کئی آوازیں تھیں جو اسے حوصلہ دے رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کر رہی تھیں۔

مگر وہ خاموش تھی۔

"دین منگواؤ اور لاش گھر لے چلو۔!"

کسی نے کہا تو آرزو چونکی۔

کہنے لگی۔

"مالک کہاں ہے اس فیکٹری کا۔ میں اس سے ملوں گی۔!"

اس کی آواز میں ایک جلال تھا چہرے پر قہر تھا۔

"اسے کیا کہو گی بیٹی صبر کرو چلو آؤ۔!"

کسی نے اسے سہارا دیا۔

"میں ابھی اس سے ملنا چاہتی ہوں۔!"

آرزو بولی۔

"کیا کرے گا وہ بیٹی۔ تمہارے ابا کی جان تو اس کی مشین نے لے لی۔ وہ کیا کر سکتا ہے"

ایک آدمی آگے بڑھ کر بولا۔

"میں اس سے ملے بغیر نہیں جاؤں گی۔ مجھے اس کے پاس لے چلیے۔ میں اس سے اتنا تو پوچھ لوں۔ کیا اسے ایک غریب کی جان جانے کا افسوس ہے یا اپنی مشین خراب ہونے کا دکھ۔!"

"یہ مشین انسان کو سکھ دینے کے لیے لگائی گئی تھی۔ بے روزگار دینے کے لیے لگائی گئی تھی یا کسی کا گھر اجاڑنے کے لیے۔!"

آرزو کی غمزدہ آواز نے لوگوں کے کلیجے شق کر دیئے۔

"بٹیا ٹھیک کہتی ہے۔!"

ایک آواز آئی۔

"مالک سے یہ بات ضرور کہنی چاہیئے!"

ایک اور آواز آئی۔

ہم سب تمہارے ساتھ ہیں بیٹی لیکن اس آواز کا ساتھ کسی قدم نے نہیں دیا۔

آرزو نے کہا۔

"زبانی ہمدردیاں اور زبانی باتیں انسان کو منزل تک پہونچنے میں مدد نہیں دیتیں بلکہ اس کے پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہیں۔ میں آپ سے التجا نہیں کرتی۔ اس لیے کہ آپ کے سامنے میرے باپ کی لاش رکھی ہے لیکن آپ کی نظریں ایک غریب مزدور کی لاش پر جمنے کی بجائے فیکٹری کے مالک کی تجوری کی طرف لگی ہیں۔ یہ مردہ جسم آپ کے لیے

کسی کام کا نہیں چمکتے سکے آپ کے دکھ کی دوا ہیں درد کا علاج ہیں۔ آپ کے مسئلوں کا حل ہے اور پھر مردہ انسان کب کسی کے کام آتے ہیں ۔۔۔ یہاں تو چلتے پھرتے انسان زندگی سے محروم ہیں ۔۔۔ میں تو فیکٹری کے مالک سے ملوں گی۔ مجھے آپ کا سہارا نہیں چاہیئے۔ میں آپ لوگوں سے کچھ نہیں چاہتی "

ہجوم پر جیسے موت کی خاموشی چھا گئی تھی۔ لیکن آرزو کے الفاظ نے جیسے موت کو حرکت میں بدل دیا۔ حرکت جو زندگی ہوا کرتی ہے۔ مجمع حرکت میں آگیا۔ جیسے ٹھہرے ہوئے پانی میں ہلچل مچ گئی ہو۔ جیسے پرسکون سمندر میں تلاطم آگیا ہو۔ اور انسانوں کا۔ زندہ انسانوں کا سمندر فیکٹری کے مالک کے حفاظتی بندوں کو توڑتا ہوا بڑھنے لگا۔ اس سمندر کی پہلی لہر آرزو تھی۔

بڑے انسانوں کو اپنی حفاظت میں رکھنے والے معمولی آدمی ادھر ادھر بکھرنے لگے۔ مزدوروں کا سیلاب ٹکرانے کے لئے ساحل کی تلاش میں تھا۔ اور اس طوفان سے ٹکرانے والا پہلا پتھر منیجر تھا۔

"کیا بات ہے۔!"

منیجر ان کے تیور دیکھ کر غصے سے بولا۔

"یہ بٹیا مالک سے ملنا چاہتی ہے!"

ایک آواز ابھری۔

"کیوں!"

منیجر غصے سے بولا۔

"ٹھہرئے اسے میں بتاتی ہوں کہ میں اس کے مالک سے کیوں ملنا چاہتی ہوں!"

اس لیے نہیں کہ وہ میرے باپ کی موت پر رحم کھا کر چند سکے خیرات مجھے دیدے۔
میں اسے بتانا چاہتی ہوں کہ خود ایرکنڈیشنڈ آفس میں بیٹھ کر جن لوگوں کا لہو پیتا
ہے۔ وہ لہو رنگ لے آیا ہے۔!"

آرزو کے بپھرے ہوئے انداز سے منیجر ڈر گیا۔
کہنے لگا۔

"یہ لڑکی پاگل ہو گئی ہے۔ اسے گھر لے جائیے۔!"

"یہ لڑکی مالک سے ضرور ملے گی منیجر صاحب اور ہم سب اس کے ساتھ ہیں مشینوں کی خرابی کوئی نئی بات نہیں۔ اسی طرح یہاں پر کئی گھر اجڑے ہیں۔ آپ نے کیا کیا۔!"

ابھی منیجر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ
بند کمرے سے چپراسی باہر آیا۔

"صاحب کہتے ہیں اس لڑکی کو اندر بھیجدو۔!"

"جائیے۔!"

منیجر بولا۔

آرزو نے ایک نظر سب کو دیکھا اور شمو کے ساتھ اندر چلی گئی۔
شاندار آفس میں فیکٹری کا مالک گھومنے والی کرسی پر بیٹھا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔

"فرمائیے" وہ اسی طرف منہ کیئے بولا۔

"آپ کو کچھ علم ہے۔ آپ کی فیکٹری میں آج کیا ہوا ہے!"

آرزو کے لہجے میں سوال تھا۔ التجا نہیں تھی۔

" کیا ہو اہے ؟ !"

مالک واقعی لاعلم تھا۔

" اپنا چہرہ اس طرف کیجئے میری طرف دیکھئے۔ شاید میری آنکھوں میں آپ کے اس خون کا عکس دیکھ سکیں جس کا اقبال آپ کبھی نہیں کریں گے۔ آرزو غصے سے لرزتی ہوئی آواز میں بولی !"

مالک نے مڑ کر دیکھا۔ جیسے زلزلہ آگیا جیسے دھماکہ ہوا۔ جیسے کائنات لرز اٹھی۔

آرزو کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

" تم - !"

آرزو کے ہونٹ کانپے۔

" آپ - کیا ہوا ہے - آئیے بیٹھئے تو !"

دانش اسے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔

" تم - !"

" تو یہ تم ہو - !"

آرزو طنزیہ لہجے میں بولی

- اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس جگہ میں ایک ایسے شخص سے انصاف مانگنے آئی ہوں جو دولت کی چمک سے اندھا ہو کر اپنے حقیقی بھائی پر ظلم کر سکتا ہے تو کبھی نہ آتی۔ !"

" مگر - مگر - میں سمجھا نہیں - !"

" کتنے انسانیت نواز ہیں آپ کتنے ہمدرد اور کتنے باخبر۔ آپ کی فیکٹری میں آپ کی مشینوں کی وجہ سے ایک گھر اجڑ گیا۔ ایک بے گناہ کی جان گئی۔ اور آپ پوچھ

رہے ہیں کیا ہوا ہے ۔ ؟؟؟ "

"مجھے واقعی کچھ علم نہیں ۔ آپ یقین کریں ۔!"

دانش بے تابی سے بولا ۔

"کیوں علم نہیں ۔ کیسے علم نہیں ؟"

"آپ کو یہ تو علم ہے کہ اس فیکٹری سے آپ کو کتنی آمدنی ہے ۔ آپ کی تجوری کہاں تک بھر چکی ہے ۔ کتنا نام بلند ہو رہا ہے آپ کا ۔ ان تمام باتوں کا علم تو ضرور ہوگا آپ کو ۔ مگر ۔ افسوس یہ علم نہیں کہ فیکٹری میں کیا ہو رہا ہے ۔ کتنے لوگوں کا پیٹ کاٹا جا رہا ہے ۔ کتنے لوگ بے موت مر گئے ہیں ۔!"

آرزو طنزیہ بولی ۔

"یہ ۔!"

"یہ سب میری ایڈمنسٹریشن کا قصور ہے کہ وہ مجھے غلط خبریں دیتے ہیں ۔ مجھے بتایا جاتا ہے کہ سب کام ٹھیک ہیں ۔!"

دانش کو آرزو کے الفاظ نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا ۔ کہنے لگا ۔

"کہاں ہے منیجر ۔!"

"قصور ایڈمنسٹریشن کا ہے ! ہر بڑا آدمی اپنی کوتاہیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ ہی کہا کرتا ہے ۔ میں پوچھتی ہوں ۔ یہ فیکٹری آپ کی ہے ۔ یہاں کے حالات سے باخبر رہنا آپ کا اپنا فرض ہے ۔ پھر کیسی لاعلمی اور کیسے حالات ۔!"

دانش کچھ نادم سا ہو گیا ۔

کہنے لگا ۔

• چند دن سے ایسا ہو رہا ہے کہ میں کچھ بے خبر سا ہو گیا ہوں۔ ورنہ پہلے کسی کو یہ شکایت نہ تھی۔ آپ یہاں کے لوگوں سے پوچھ سکتی ہیں۔ !"

• مجھے بڑا افسوس ہے۔ کہ آپ "

" رہنے دیجئے۔ کیسا افسوس۔ ساری عمر میں روؤں گی۔ آپ کا چند منٹ کے افسوس سے مجھے میرے ابا تو نہیں مل جائیں گے۔ آپ کو کیا پتہ ایک انسان کی موت کیا ہوتی ہے؟ انسان تو ایک کائنات ہے اور ایک کائنات کا اجڑ جانا معمولی بات نہیں ہوتی۔ آپ کے لئے آپ کی فیکٹری میں کام کرنے والے ہزاروں مزدوروں میں سے ایک بوڑھا مر گیا مگر وہ میرا باپ تھا۔ میرے سر کا سایہ تھا۔ میری بوڑھی ماں کا سہاگ تھا۔ ہمارے گھر کا ایسا ستون جس کے بغیر گھر ٹوٹی ہوئی قبر میں تبدیل ہو گیا ہے۔ آپ کو نیا مزدور مل جائے گا۔ لیکن میں اپنا شفیق باپ کہاں سے لاؤں۔ اپنی مشینوں سے کہو۔ مجھے ایک انسان بنا کر دیں۔ جو مجھے باپ کا پیار دے سکے۔ تمہارے منیجر کی ذرا سی غلطی نے کیا کر دیا ہے تمہیں اس کا احساس کبھی نہیں ہوگا۔ کبھی نہیں ہوگا۔ مجھے معلوم ہے میری یہ باتیں تمہارے لئے ایک غریب لڑکی کی بکواس ہے۔ لیکن خدا کے لئے سوچو یہ سب کچھ کیا ہو گیا ہے۔ میرے پاس کھونے کے لئے ایک ہی دولت تھی۔ اور وہ تھی میرے والدین۔ وہ بھی۔ وہ بھی۔ میں تمہیں بددعا بھی نہیں دے سکتی کیونکہ دنیا کا کوئی حادثہ تمہارے لئے اہم نہیں ہے۔ تم لوگ دولت کو ہر درد کا مرہم بنا لیتے ہو۔ تمہارے دل زخمی نہیں ہوتے۔ کیونکہ تم نے دل اور دماغ کے گرد سونے کی دیواریں اٹھا رکھی ہیں۔ ہر حادثہ اپنی دیواروں سے ٹکرا کر واپس آجاتا ہے۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ اور جو کچھ تھا۔ وہ تم نے تمہاری مشینوں نے چھین لیا۔"

آرزو جس بند کو اتنی دیر سے روکنے کی کوشش کر رہی تھی وہ ٹوٹ گیا۔ اور سیلاب سا آگیا۔

"منیجر!"

دانش منیجر پر برس پڑا!۔

"جب مشینیں خراب تھیں تو ٹھیک کیوں نہیں کروائی گئیں"

"جی وہ ۔ وہ میکینک ۔!"

"آپ اسی وقت نکل جائیں۔ فوراً ۔!"

"یو آر ڈس مس"

دانش غصے سے کانپتا ہوا بولا۔

وہ آرزو کی طرف بڑھا۔

لیکن آرزو روتی ہوئی آفس سے باہر نکل گئی۔

دانش بے بسی سے دیکھتا رہ گیا۔

لوگوں نے وین میں لاش کو ڈالا اور گھر کی طرف چل دیئے۔

یوں معلوم ہوا جیسے کارخانے کا ناکارہ سامان وین میں ڈال کر بھیجا جا رہا ہے کیونکہ ناکارہ سامان کی ہی فیکٹریوں میں ضرورت نہیں ہوتی۔ ناکارہ سامان کی جگہ نیا سامان۔ پرانے انسان کی بجائے نیا انسان۔

۲۶

ابا کے انتقال کو تیسرا دن تھا۔

آرزو خاموش خاموش چھت کو دیکھتی رہتی

اماں چارپائی پر پڑی کبھی رونے لگتیں اور کبھی
ابا کی باتیں یاد کرنے لگتیں۔

شمو کبھی اماں کو دلاسہ۔

اور کبھی آرزو کو حوصلہ دیتی۔

دانش کئی بار آیا۔ لیکن باہر سے ہی لوٹ
گیا۔

آرزو خاموش لیٹی تھی۔

کہ منا آیا۔ کہنے لگا۔

"آپا۔!"

آرزو نے منے کو سینے سے لگا لیا اور بولی
"میں تمہیں ابا کی کمی محسوس نہیں ہونے دوں گی
منے۔!"

"آپا۔ وہ آیا ہے۔!"

"کون؟" آرزو چونکی۔

"وہ آپا ٹیکسی والا۔!"

آرزو کا دل تڑپ سا گیا۔ کہنے لگی۔

"باہر ہے۔!"

"ہاں آپا۔ وہ کتنی بار آیا ہے!"

"جا بیٹھک کا دروازہ کھول اور اسے بٹھا!"

آرزو اٹھتے ہوئے بولی۔

منا باہر چلا گیا تو آرزو اٹھی۔ دالان میں سے گزرنے لگی۔

نوا اماں بولیں۔

"کون آیا ہے!"

"اسکول کا کلرک ہے شاید!"

شمو جلدی سے بات بناتے ہوئے بولی۔

"اچھا اچھا پرسہ دینے آیا ہوگا۔ جاؤ آرزو تم اور شمو چلی جاؤ۔ میں تو اٹھ نہیں سکتی!"

اماں لیٹے لیٹے بولیں۔

"اچھا۔ آرزو آؤ۔!"

شمو اس کا کندھا پکڑے بیٹھک میں لے گئی۔

دانش پریشان سا کھڑا تھا۔

آرزو کی آنکھیں برسنے لگیں۔ چہرہ تین دن میں پیلا پڑ گیا تھا۔

"آرزو!"

دانش کی آواز میں دکھ تھا۔

"بیٹھو نا بھیا۔!"

شمو بولی۔

دانش الجھا الجھا سا بیٹھ گیا۔

"راحیہ!"

آرزو بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

"راحیہ تمہارے بھائی کی مشینوں نے مجھ سے میرے ابا چھین لئے۔!"

"آرزو۔!"

دانش تڑپ سا گیا۔

"میرا تو ایک ہی سہارا تھا راحیہ۔!"

وہ دکھ سے ٹوٹی ہوئی آواز میں بولی۔

"مجھے دکھ ہوا آرزو۔ لیکن خدا کے لئے اپنے آپ کو سنبھالو۔ ہمت اور حوصلے سے کام لو۔ اور تم۔ یہ کیوں کہتی ہو۔ کہ میرا ایک سہارا تھا۔ وہ تمہارے ابا تھے۔ ان کی موت تمہارے لئے بہت بڑا صدمہ ہے۔ لیکن آرزو۔ یہ نہ سوچو کہ تمہارا سہارا لوٹ گیا وہ۔ وہ۔!"

کہتے ہوئے دانش کی آنکھیں بھیگ سی گئیں۔

"راحیہ۔!"

شمو دونوں کی حالت دیکھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

"آرزو۔ میری جان۔ خدا کے لئے اپنے آپ کو سنبھالو۔!"

دانش اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس پر جھک گیا۔

— "راحیہ تم نہیں جانتے۔ تم بالکل نہیں جانتے۔ میرے ابا کتنے عظیم تھے۔ کتنا ہمدرد دل تھا ان کے پاس۔ انہوں نے میرے لئے کیا کیا ہے۔ وہ میرے لئے کیا تھے۔ تم نہیں جانتے راحیہ۔ جب بھی یاد آنے میں کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔ راحیہ انہوں نے میرے لئے اپنی زندگی

برباد کرلی۔ سب کو چھوڑ دیا۔ !،،

آرزو ڈبڈبائی آنکھوں سے کٹے ہوئے لہجے میں بول رہی تھی۔

اور دانش بے چین ہوا جا رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو اسے فوراً اپنے ساتھ لے جاتا اور اس کے سارے دکھ اپنی آنکھوں سے چن لیتا۔

مگر بے بسی سے دیکھ کر رہ گیا۔

"تمہیں علم ہے راجہ۔ میرے ابا کیسے مجھ سے بچھڑے ہیں۔ ہمارا گھر کس طرح اجڑا ہے،،

دانش ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔

"تمہارا بھائی میرے ابا کا قاتل ہے راجہ۔ اس نے میرے ابا کو مار ڈالا راجہ !،،

آرزو بے حال سی ہو کر دانش کی باہوں میں گر پڑی۔

"آرزو۔ بھول جاؤ اس واقعے کو۔ بھول جاؤ آرزو۔ !،،

دانش اس کے چہرے سے بھیگی لٹیں ہٹاتے ہوئے بولا۔

"کیسے بھول جاؤں۔ کیسے بھول جاؤں۔ اس کی مشینوں نے میرے ابا کے ٹکڑے کر دیئے راجہ !،،

آرزو کی جنونی سی کیفیت سے دانش گھبرا سا گیا۔

کہنے لگا۔

"تم۔ آرام کرو۔ میں چلتا ہوں اب۔ !،،

"نہیں راجہ۔ مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ ورنہ یہ اداس اداس دیواریں مجھے مار ڈالیں گی۔ نہ جاؤ۔ !،،

آرزو تھکی تھکی سی بولی۔

"مگر آرزو - میں یہاں کیسے ٹھہر سکتا ہوں !"

"میں اماں کو سب کچھ بتا دوں گی - !"

"ابھی نہیں آرزو - !"

"بتا دوں گی ورنہ - یہ غم مجھے مار ڈالے گا - اگر مجھے زندہ دیکھنا چاہتے ہو راجہ تو یہاں سے نہ جاؤ - !"

وہ اس کی قمیض کا کالر اپنی مٹھی میں بھینچتی ہوئی بولی -

"مگر - آرزو - کچھ سوچو - کچھ سمجھو - !"

"سب کچھ سوچ لیا میں نے !"

آرزو دیوانی سی لگ رہی تھی - اور دانش کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے آپ کو - اپنی محبت - اپنے پیار کو الجھائے جا رہا ہے -

"کیا سوچا تم نے - !"

آرزو بہکے ہوئے انداز میں بولی -

"جو تم چاہو گی ویسا ہی ہو گا - !"

"تم کتنے اچھے ہو راجہ - اور تمہارا بھائی کتنا ظالم !"

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے -

اور دانش - محبت - پیار لئے اپنی دیوانی سی آرزو کو تکے جا رہا تھا -

آرزو کی طبیعت کچھ سنبھلی تو دانش بولا -

"میں اب جاؤں - !"

"اوں ہوں - !" آرزو نے نفی میں سر ہلا دیا -

"تمہاری اماں کیا سوچیں گی۔!"

"کچھ نہیں۔!"

"دیوانی نہ بنو۔!"

وہ اس کی ٹھوڑی انگلی سے چھوتے ہوئے بولا۔

"تم نہیں جاؤ گے!"

وہ مسکرا دیا۔

کہنے لگا۔

"صبح آؤں گا۔!"

"ایک وعدہ کرو۔!"

"کیا!"

"اپنے بھائی سے نہیں لڑو گے۔!"

دانش بے بسی سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ پھر آہستگی سے بولا۔

"یہ سب کچھ تو نااہل منیجر کی کوتاہی سے ہوا ہے آرزو۔ میرے بھائی کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ وہ بے چارہ تو اتنا ہمدرد ہے مزدوروں کا۔ کہ کیا بتاؤں۔ تم مل والوں سے پوچھ سکتی ہو کہ وہ کتنا اچھا آدمی ہے۔!"

"اسی لئے تم گھر چھوڑ آئے تھے۔!"

آرزو طنزیہ بولی۔

"میں۔ میں۔ وہ میری تو ضد تھی۔ اصل میں زیادتی میری ہی تھی۔!"

دانش کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

"اتر گیا ملمع ہمدردی کا۔ جاگ اٹھی دولت کی حسرت۔ ہو گئی محبت بھائی سے!"

آرزو کا چہرہ سرخ سا ہو گیا۔ آنکھوں میں بے بسی تھی۔ لہجے میں تڑپ تھی۔

"راجہ۔ جو کچھ تمہارے دل میں ہے مجھے صاف کیوں نہیں بتاتے۔ مجھے اس مقام پر لے آئے ہو اب۔ دھکا دو گے تو مر جاؤں گی۔ تم کبھی کبھی کیسی باتیں کرنے لگتے ہو راجہ۔ خدا کے لئے مجھے بتا دو۔ تم چاہتے کیا ہو۔!"

آرزو بے بسی سے بولی۔

"تم۔ تم میری بات غلط سمجھی ہو۔ ایسا نہیں ہے جو تم سمجھی ہو۔ میں تو تمہیں صرف اپنے بھائی کے بارے میں بتانا چاہتا تھا کہ۔ تم نے اسے جو سمجھا وہ ویسا نہیں ہے!"

دانش آہستہ سے بولا۔

"جاؤ راجہ۔ چلے جاؤ۔ مجھے تم سے خوف آتا ہے۔ تم بھی وہی ہو جو تمہارا بھائی ہے۔!"

"آرزو!" دانش نے اسے سینے سے لگا لیا۔

کہنے لگا۔

"میری دیوانی سی آرزو۔!"

"راجہ میں مر جاؤں گی!" وہ روتے ہوئے بولی۔

"ایسی باتیں نہ کیا کرو راجہ۔ ایسی باتیں سوچا بھی مت کرو!"

"جو تم کہو گی ویسا ہی ہو گا۔ اب چپ ہو جاؤ۔ آنسو پونچھ لو۔!"

آرزو نے ڈبڈبائی ہوئی نظروں سے دانش کو دیکھا اور مسکرا دی۔

دانش کتنی دیر وہاں بیٹھا رہا۔

دیر ہوگئی تو شمو گھبرا کر اندر آئی۔ کہنے لگی۔

"شاباش ہے تم دونوں کو۔!"

"کیا ہوا!" دانش بولا۔

"باہر اماں سے دنیا جہاں کی باتیں کر کر کے میں ہار گئی۔ میرے پاس تو اب باتیں بھی ختم ہوگئیں۔!"

"تو" دانش بولا۔

"اب پوچھ رہی تھیں۔ یہ کلرک اتنی دیر کیوں بیٹھا ہے۔ میں نے کہا۔ کوئی اسکول کا حساب رہ گیا ہوگا"

دانش مسکرا دیا۔

"اچھا بھیا۔ جایا بھی کرتے ہیں۔!"

شمو بولی۔

"اچھا"

دانش بولا۔

"ہاں" شمو بولی۔

دانش اٹھا۔ آرزو کی طرف دیکھا اور باہر نکل گیا۔

۲۷

دانش ان دنوں الجھا الجھا سا تھا۔ وہ یونہی سڑک پر بے خیالی میں کار دوڑائے جا رہا تھا۔

اس نے دیکھا اس کی کار کلب کے سامنے تھی۔

شام رات سے گلے مل رہی تھی۔

گاڑی لاک کر کے وہ اندر آیا۔

لوگ اسے دیکھ کر چونک گئے۔

"ہیلو دانش!" طاہر اور مسز طاہر اسے دیکھ کر خوشی سے بولے۔

"ہیلو!"

"کیا حال ہے۔ بڑے دنوں بعد نظر آئے!"

"کچھ مصروفیت تھی۔!" وہ آہستہ سے کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

"دانش!"

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ کٹی تھی۔

"ہیلو کٹی!"

"کہاں تھے۔ کئی بار فون کیا ملے ہی نہیں!"

کٹی کے رخسار گلابی سے ہو گئے۔

"یہیں تھا!"

دانش آہستہ سے ہنسا۔

"بجھے بجھے سے نظر آتے ہو۔!"

کٹی بولی۔

وہ مسکرا دیا اور آگے بڑھ گیا۔

کئی لوگ ملے۔ سب نے ہی دانش کے کلب نہ آنے کی وجہ پوچھی۔

بھول جانے کا شکوہ کیا۔

شکایتیں کیں۔

دانش نے ہر ایک کو مصروفیت کا کہہ کر اطمینان کا سانس لیا۔

کلب کے تقریباً تمام ممبر اس سے ملے لیکن مینا کونے میں بیٹھی چپ چاپ سگریٹ کا دھواں ہوا میں اچھال رہی تھی۔

دانش نے ایک نظر دیکھا۔

وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی لیکن بظاہر لاپرواہ تھی۔

کٹی اس کے پاس بیٹھی اسے کلب میں گزرنے والے وقت کی روئیداد سنا رہی تھی کہ اس نے دیکھا۔

مسز رشدی ایک توندلے سیٹھ کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

"مسز رشدی نے نیا پھانسا ہے یہ سیٹھ" کٹی ہنس کر بولی۔

"ہوں۔!"

دانش مسکرا کر رہ گیا۔

"سنا ہے چمڑے کا کاروبار ہے۔ بہت وسیع۔!"
کٹی بولی۔
"ہاں ظاہر ہے۔!"
دانش بولا۔
"کیسے۔؟"
"چمڑا کافی استعمال ہوا ہے نا سیٹھ پہ۔!"
دانش ہنسا۔
کٹی کھلکھلا کر ہنس دی۔
کہنے لگی۔
"تمہاری یہی باتیں یاد آتی ہیں۔!"
مسز رشدی اسے دیکھ کر اسی طرف آگئیں۔
"ہیلو۔!"
دانش بولا۔
"میں شاید خواب دیکھ رہی ہوں۔!"
"وہ تو آپ کی عادت ہے۔!"
دانش ہنسا۔
"کیوں۔؟"
مسز رشدی نے تیکھے انداز سے اس کی طرف دیکھا۔
"حقیقت بڑی پیاری ہے مسز رشدی۔!"

"تلخ بھی۔!"

مسز رشدی کٹے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"شاید۔ آیئے بیٹھئے نا۔!"

دانش کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"آنٹی۔ یہ سیٹھ چمڑے والا ہے نا۔!"

کٹی جل کر بولی۔

ہاں۔

"بہت بھدا ہے۔!"

کٹی بولی۔

"سچ کہتی ہو مگر ایک بات یاد رکھو بدصورت آدمی کا دل خوبصورت ہوتا ہے۔ اور خوبصورت آدمی دل کا کھوٹا ہوتا ہے۔!"

مسز رشدی دانش کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"اپنے تجربے کی بات کر رہی ہیں آپ۔!"

دانش ہنسا۔

"ہاں۔!" مسز رشدی کندھے جھٹک کر بولیں۔

"ہو سکتا ہے سچ ہو۔!" دانش نے کہا۔

"بالکل سچ۔!" مسز رشدی بولیں۔

کٹی بُرا سا منہ بنا کر رہ گئی۔ اور مسز رشدی اسے نظر انداز کرتے ہوئے بولیں۔

"دانش آج کیسے بھول پڑے۔!"

"ہماری یاد آگئی۔!"

کٹی بولی۔

اور مسز رشدی یوں ہنسیں جیسے کٹی سے کہہ رہی ہوں "کتنی بیوقوف ہو تم۔!"

"آنٹی۔!" کٹی بولی۔

"ہوں۔!"

"سنا ہے کل آپ کے ہاں پارٹی تھی اور مینا خوب ناچی!"

"ہاں کل تو کمال کر دیا اس نے!" مسز رشدی بولیں۔

"کیسی پارٹی تھی!" دانش نے پوچھا۔

"سیٹھ صاحب کی فرمائش تھی۔ چند لوگوں کو انوائٹ کیا تھا۔"

دانش کہنے کو تو ان ہنگاموں میں اپنے آپ کو گم کرنے آیا تھا لیکن نگاہوں میں آرزو کی موہنی صورت تھی۔

اچانک وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں چلے۔!"

مسز رشدی بولیں۔

"ایک ضروری کام یاد آگیا۔!" کہتا ہوا دانش بغیر کچھ سنے باہر نکل گیا۔

وہ اپنی کار کی طرف جا رہا تھا کہ اس کے کندھوں پر کسی نے اپنے ٹھنڈے ٹھنڈے ہاتھ رکھ دیئے۔

"کون۔!" وہ گھبرا گیا۔

پلٹ کر دیکھا۔

مینا تھی۔ آنکھوں میں ندامت، چہرے پر شکست، جسم میں لرزہ۔

"آپ۔!" دانش اس کا ہاتھ کندھے سے ہٹاتا ہوا بولا۔

"ہاں"

"فرمائیے۔

"کتنے انجان بنتے ہو۔!"

مینا اپنی آنکھوں کی شراب اس کی آنکھوں میں انڈیلتے ہوئے بولی۔

"میں واقعی انجان ہوں!" وہ سادگی سے بولا۔

"میں تم سے یہی کہنا چاہتی تھی کہ میں ہار گئی۔!"

وہ زخم خوردہ سی بولی۔

"کیسی ہار جیت کی بات کرتی ہیں آپ۔!" دانش حیرانگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اپنے آپ سے ایک شرط لگائی تھی میں نے۔!"

مینا شکست خوردہ سی بولی۔

"کیسی شرط۔!"

"کسی کو جیت لینے کی۔!"

"میں سمجھا نہیں۔؟"

"تم سب سمجھتے ہو۔ جانتے ہوئے بھی انجان رہنا ہی تو تمہاری شخصیت کی خوبصورتی ہے۔!"

"میں واقعی نہیں سمجھ سکا۔!"

"جھوٹ نہ بولو۔!" مینا تڑپ گئی۔

دانش ہنس دیا۔

کہنے لگا۔

"ویسے میں یہ ضرور سننا چاہوں گا کہ آپ نے شرط کیا لگائی تھی۔ اور آپ ہاریں کیسے۔؟"

"شرط میں نے آپ سے لگائی تھی۔ کہ میری لاپرواہی کسی کو میرے سامنے لے آئے گی ایک روز۔ مگر۔ مگر۔ جس کے لئے میں نے یہ شرط لگائی تھی۔ وہ تو مجھ سے بہت دور ہو گیا ہے۔!"

"مینا لٹی لٹی آواز میں کہہ رہی تھی!" اور دانش حیرت سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"پھر۔؟"

"پھر میں ہار گئی۔ میری انا جیب کھلی گئی تو میں نے دل کو بہت سمجھایا۔ لیکن یہ تو آپ جانتے ہیں نا۔ کہ دل دیوانہ ہوتا ہے۔!"

ایک پھیکی سی مسکراہٹ دانش کے لبوں پر پھیل گئی۔ نگاہوں میں آرزو کا چہرہ تھا۔ ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہنے لگا۔

"سچ کہتی ہیں آپ دل دیوانہ۔!"

"دانش!" مینا جذباتی سی ہو گئی۔

وہ اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"دانش دل کا ایک شہر ہوتا ہے۔ اس میں بہت سارے لوگ رہتے ہیں۔ کوئی آتا ہے

کوئی چلا جاتا ہے۔ لیکن اس شہر کا ایک حاکم بھی ہوتا ہے جو صرف حکم چلاتا ہے حکومت کرتا ہے۔ پورے شہر میں اسی کا قبضہ ہوتا ہے۔ ہے نا دانش!"

وہ جذبات میں ڈوب سی گئی۔

"بالکل۔!" دانش آرزو کے تخیل میں ڈوبا ہوا بولا۔

"تو۔!"

"دانش۔ اس دل کے شہر میں تم ہی حکومت کرتے ہو۔!"

"مینا!" دانش یوں چونکا جیسے ایک دھماکہ ہو گیا ہو۔

"سچ کہہ رہی ہوں!" مینا نے دانش کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔!"

"کیوں دانش۔!"

وہ بغیر پانی کی مچھلی کی طرح تڑپی۔ "میری منزل کوئی اور ہے"

وہ اپنا ہاتھ کھینچتا ہوا بولا۔

"جانتی ہوں!" اس کی آواز میں شکوہ تھا۔

"میں اسے بے پناہ چاہتا ہوں مس مینا۔ میں تو اس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔!"

"میں پھر ہار گئی"

وہ لٹی ہوئی آواز میں بولی۔

دانش اسے دیکھ رہا تھا۔ اور وہ واپس مڑ گئی۔ اس کی چال میں بے پناہ تھکن تھی چہرے پر خزاں تھی۔

دانش تیزی سے باہر نکل آیا۔ گاڑی اسٹارٹ کی اور انور کی طرف چل دیا۔
ذہن میں ایک عجیب سی الجھن مچی تھی۔
اور ایسے وقت میں اسے انور ہی یاد آیا۔
انور گھر پر ہی تھا۔
"ہیلو۔!" انور اسے دیکھ کر ہنس دیا۔
"ہیلو۔!" وہ اس کی چارپائی پر اپنے آپ کو گراتے ہوئے بولا۔
"یار ذرا عشق سے فرصت ملے تو ایک چکر لگا ہی لیا کرو۔
امی تمہیں بہت یاد کرتی ہیں!"
"کہاں ہیں امی؟"
انور بولا۔
"میرا بندوبست کرنے گئی ہیں۔!"
انور شرما کر بولا۔
"تمہارا بندوبست۔؟"
"ہاں تمہارے لئے بھابی۔ اور میرے بچوں کی اماں دیکھنے گئی ہیں۔!"
"اسی لئے کپا ہو رہے ہو۔!"
"اس وقت کپا ہو رہا ہوں۔ شادی کے بعد بیتیل ہو جاؤں گا۔ تم کمپنی کی مشہوری کا اشتہار بنا لینا۔ ایک کپے کی تصویر۔ ساتھ لکھنا شادی سے پہلے اور ایک بیتیل کی تصویر ساتھ یہ لکھنا کہ شادی کے بعد۔!"
انور ہنس کر بولا۔

"میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔ تمہاری بکواس نہیں سن سکتا۔!"

دانش نے کہا۔

"کس نے کہا تھا محبت کرو۔!"

انور ہنس کر بولا۔

"کسی وقت سیریس بھی ہو جایا کرو۔!"

"یہ بات ہے" تو یہ لو۔ بندہ سیریس ہو گیا۔ اب جلدی سے بتاؤ کیا پرابلم ہے تمہاری"

انور سنجیدہ شکل بنا کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"یار آرزو۔!" دانش روہانسا ہو رہا تھا۔

"آرزو پرابلم بن گئی تو چھوڑ دو اسے۔!"

انور نے یک دم حل بتا دیا۔

"وہ تو میری جان ہے مگر اپنے جھوٹ میں پھنس گیا ہوں۔!"

دانش بولا۔

"تم عجیب آدمی ہو۔ اسے بتا کیوں نہیں دیتے کہ اصل بات کیا ہے۔!"

"نہیں بتا سکتا نا۔!"

"کیوں۔!"

"بات بالکل بگڑ جائے گی۔!"

"میں کیا کر سکتا ہوں بھلا۔ تم کہو تو میں جا کر اسے بتا دوں۔!"

انور بولا۔

"ہوں تاکہ کام بڑی مضبوطی سے بگڑ جائے۔!"

دانش نے کہا۔

"تو پھر پھنسے رہو اس گورکھ دھندے میں۔!" انور اکتا گیا۔

"اب تو ایک مشکل ہو گئی ہے۔!" دانش بولا۔

"وہ کیا۔!"

"وہ میرے بھائی کو اپنے باپ کا قاتل سمجھتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں میں اس کے باپ کا قاتل ہوں تمہیں میں نے بتایا تھا نا ل والا قصہ۔!"

دانش فکرمند سا بولا۔

"ہاں عجیب بات ہے۔!"

"بالکل عجیب۔!"

"اچھا غم نہ کرو۔ کچھ دن دیکھو کیا ہوتا ہے!"

انور اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگا۔

"آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

۔ وہ دونوں باتیں کر رہے تھے کہ انور کی امی آگئیں۔ جو لڑکی وہ انور کے لئے دیکھ کر آئی تھیں اسی کے بارے میں بتانے لگیں۔ انور خوش ہو رہا تھا۔ اور دانش کی طبیعت اس اپنائیت کے ماحول میں خاصی بہل گئی۔

۲۸

آرزو اسے آج کئی روز بعد ملی تھی۔
چہرے پر پیلاہٹ تھی۔ باپ کے غم نے اسے
بہت دبلا کر دیا تھا۔
دانش اسے دیکھ کر بے چین سا ہو گیا۔
کہنے لگا۔
"کیا حالت بنالی تم نے آرزو۔"
"سب کا بوجھ کندھوں پر آ گرا نا۔!"
آرزو کی آواز بھرا گئی۔
"تم سے کہا تھا نا۔ اپنے آپ کو سنبھالو!"
دانش کے لہجے میں پیار تھا۔
"کوشش کر رہی ہوں۔ تم نے کون سی خبر لی۔"
"میں۔ میں۔ وہ باہر چلا گیا تھا۔!"
دانش کوئی بات بھی نہ بنا سکا۔
"کوئی باہر کی سواری مل گئی تھی!"
آرزو نے معصومیت سے پوچھا۔
"سواری۔ آں۔ ہاں۔ ہاں!"
دانش بوکھلا سا گیا۔
"میں بھی کوئی اور بات ہے؟"
"کیا بات۔!"

"میں نے سوچا، شاید تمہارے بھائی نے صلح کر لی تم سے!"

"آرزو۔!"

دانش اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ اور پھر آہستہ سے کہنے لگا۔

"نہیں ڈر کس بات کا ہے آرزو۔ خدا کے لئے مجھے یہ تو بتادو آج۔!"

"راجہ مجھے ڈر لگتا ہے۔ میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔ جب یہ خیال آتا ہے کہ تم۔ تم اپنے گھر چلے جاؤ گے۔ دولت نے مجھ سے بہت کچھ چھین لیا ہے راجہ۔ اب تم ملے ہو تو ایسا لگتا ہے کہ دولت تمہیں بھی مجھ سے چھین لے گی۔"

"مگر۔!"

دانش گھبرا سا گیا۔

"میں یہ نہیں کہتی راجہ۔ کہ تم اپنے بھائی سے نہ ملو۔ ضرور ملو مگر اس چمک دمک کی دنیا میں کھو نہ جانا۔ میری دنیا میں رہنا راجہ۔!"

"آرزو۔!"

دانش اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیتا ہوا بولا۔

آرزو نے اس طرف دیکھا۔ تو دانش کہنے لگا۔

"آج میں تم سے ایک بات پوچھ کر رہوں گا۔ آج تمہیں یہ بتانا ہوگا کہ تمہاری اس نفرت کے پیچھے کون سا حادثہ ہے۔"

"نہیں راجہ مجھ سے نہ پوچھو۔!"

آرزو لرز سی گئی۔

"بتاؤ آرزو۔ تمہیں میرے سر کی قسم۔"

"آرزو کانپ گئی!"

"راجہ تم نے یہ کیا کہا۔ میری ذلت کی داستان سن کر تمہیں کیا ملے گا۔ اس چنگاری کو ہوا نہ دو راجہ۔ اکلیجہ پھٹ جائے گا! میں مرجاؤں گی!"

"تحمل رکھو آرزو۔ اور مجھے بتادو۔ میں وعدہ کرتا ہوں جیسے تم چاہو گی اسی طرح کروں گا۔ بتاؤ تمہیں کونسا غم ہے۔!"

"راجہ!" آرزو کی آنکھیں برسنے لگیں۔ اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"تمہیں اتنا اصرار ہے تو سنو۔!"

درد بھری آواز سے اس نے اپنی کہانی شروع کی۔

اس کے چہرے پر گم گشتہ جنت کی تشنگی تھی۔

آنکھوں میں حسرت تھی۔

کہنے لگی۔ اماں میرے بچپن کے حالات بتاتی ہیں کہ میرا باپ ایک سو روپے پانے والا کلرک تھا۔ اسے ایک لڑکی سے محبت تھی۔ لڑکی بھی اس پر جان چھڑکتی تھی۔ دونوں کی شادی ہو گئی۔ لیکن لڑکی کو نت نئے زیورات اور کپڑے کا شوق تھا۔ ایک چھوٹے سے گھر میں محدود سی آمدنی میں دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کی محبت میں سرشار دن گزار رہے تھے۔ لیکن دولت بیوی کی حسرت بنی جا رہی تھی۔ میں پیدا ہوئی تو دونوں نے میرا نام آرزو رکھا۔

میں ابھی ایک سال کی تھی۔

کہ میری ماں ایک دم بدل گئی۔ دونوں میاں بیوی میں دن رات لڑائی ہوتی۔ دراصل ایک روز ابو کے بوس نے امی کو دیکھ لیا۔ اور پھر ابو کا بوس ابو کے لئے کالا ناگ بن گیا

دولت امی کی کمزوری تھی۔ چمک دمک کی دنیا دیکھ کر ان کی آنکھیں روشنی نے خیرہ کر دیں۔ اور وہ مجھے روتا بلکتا چھوڑ کر ابو کی محبت کو اپنے پیروں تلے روند کر اس کے ساتھ چلی گئیں۔

ابو اس بات پر اڑ گئے کہ طلاق نہیں دوں گا۔ شاید انہیں مجھ پر ترس آجائے۔

مگر الٹا ترس آنے کی بجائے انہوں نے مقدمہ کر دیا۔ ابو کو ذلیل کروایا اور طلاق حاصل کر لی۔

میں ابھی چھوٹی تھی۔ ابو بیچارے چارپائی سے لگ گئے اور ایک روز وہ بھی مجھے چھوڑ گئے۔

ابو کی موت کی خبر امی کو ہوئی تو وہ مجھے یتیم خانے چھوڑ آئیں۔

لیکن ابو کے رشتے کے بھائی کو جب یہ خبر ہوئی کہ ان کے عزیز دوست اور بھائی کی بچی یتیم خانے میں ہے تو وہ مجھے ساتھ لے آئے۔

مجھے محبت سے پالا۔ اور کبھی احساس نہیں ہونے دیا کہ میرے ماں باپ نہیں ہیں یہ وہی مشفق آدمی تھا جو اب مجھ سے جدا ہو گیا ہے۔ اب اماں اور منا ہیں جنہیں اس بھری دنیا میں اپنا سمجھتی ہوں۔

تم ہی بتاؤ راجہ۔ میری نفرت بجا ہے یا نہیں۔ مجھ سے تو دولت نے ہی سب کچھ چھینا ہے۔!"

دانش اتنی دیر سے خاموش سنے جا رہا تھا۔ ساری داستان سننے کے بعد اس نے آرزو کا تھام لیا۔ اور بولا "کیسی عجیب ماں تھی وہ"

"دولت کی دیوانی۔ اور کچھ بھی نہیں۔!"

آرزو کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

پھر تم نے دیکھا کبھی اسے۔

"نہیں۔!"

"کبھی پتہ نہیں کیا اس نے تمہارا۔!"

"جانے کہاں ہے۔!"

"بھول جاؤ اب اس قصے کو سمجھ لو یہی تمہارے ماں باپ ہیں جنہوں نے تمہیں پالا ہے۔!"

دانش محبت سے بولا۔

آرزو بابا کی محبت میں کھو سی گئی۔

"عظیم آدمی تھے تمہارے بابا"

"غریب تھے نا۔ دل میں درد تھا"

"دولت مند ہوتے تو کہتے۔ پڑی رہے یتیم خانے میں"

دانش نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

"سارے لوگ ایک جیسے تو نہیں ہوتے آرزو"

"دولت مند تقریباً ایک جیسے ہوتے ہیں"

آرزو چڑ گئی۔

دانش مسکرا دیا۔

کہنے لگا۔

"چھوڑو اب اس قصے کو۔ اور کوئی بات کرو"

"کل سے میں اسکول جاؤں گی"

"تو"

آرزو کے گال گلابی سے ہو گئے۔

کہنے لگی۔

"مجھے کیا پتہ۔!"

"میں خود بڑا بے چین ہوں آرزو"

"کچھ دن گزر جانے دو۔ میں تمہاری اماں کے پاس خود آؤں گا"

"کیوں۔!"

آرزو کی آواز میں کچھ شوخی سی آگئی۔

"اپنی آرزو مانگنے۔!"

دانش اس کا گال انگلی سے چھوتے ہوئے بولا۔

آرزو شرما گئی۔

"تم بھی بڑے وہ ہو راجہ"

"وہ تو ہوں۔!" دانش کی آنکھیں نشیلی سی ہو گئیں۔

"چلو اب چلیں۔!"

"کہاں۔!"

"ابھی نہیں۔!"

"دیر ہو گئی نا۔!"

"ابھی دل نہیں بھرا۔!"

دانش کی آواز میں التجا تھی۔ وہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بیٹھی تو کہنے لگی۔

"اب دل کیا کہتا ہے۔!"

"کہتا ہے ابھی بیٹھو۔!"

کچھ دیر اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر آرزو بولی۔

"اب کیا کہتا ہے"

"کہتا ہے ابھی نہیں۔!"

دانش مسکرا کر بولا۔

آرزو ہنس دی۔

"اچھا اب چلو۔ اماں بے چاری اکیلی گھبرا جاتی ہیں۔!"

"چلو جی!" دانش اٹھ کر کھڑا ہوا۔

دونوں ٹیکسی کی طرف آ رہے تھے کہ دانش نے دیکھا مسز رشدی گاڑی پارک کئے دونوں کو کب سے دیکھ رہی ہیں۔

دانش کو اس روپ میں دیکھ کر وہ تلملا سی گئیں اور آرزو کو دیکھ اسے یوں کہنے لگا جیسے اس کا وجود شعلہ ہو اور اس کی آنچ مسز رشدی کو جلائے جا رہی ہو۔

دانش نے بھی اسے دیکھ لیا مگر لاپرواہی سے آرزو کا ہاتھ تھامے ٹیکسی کی طرف آ گیا۔

مسز رشدی نے ایک گہری نظر ڈالی اور کار اسٹارٹ کر دی۔

"کیا ایک معمولی لڑکی کے لئے دیوانے
ہوئے جا رہے ہو"

رات چھوٹتے ہی ٹیلیفون پر مسز رشدی
نے یہی بات کہی۔

"میں جانتا ہوں وہ کیا ہے۔!"
دانش کو مسز رشدی کی بات بری لگی

"تم اپنے آپ کو سمجھو دانش" "سوچو تو تم کیا
ہو۔ اور وہ لڑکی ہونہہ کیا ہوا ہے تمہارے سٹیٹس
(STATUS) کو" "کہاں گیا تمہارا ذوق"
"تمہاری شخصیت ختم ہو جائے گی دانش"

مسز رشدی کی ٹھنڈی آہیں ٹیلیفون پر
اسے سنائی دے رہی تھیں۔

کہنے لگا۔

"کوئی انسان معمولی نہیں ہوتا مسز رشدی
آپ نے انسان کے لئے غلط لفظ استعمال کیا ہے"
دانش ناگواری سے بولا۔

"میں لفاظی کی ماہر نہیں۔ اور نہ ہی اتنی
اردو داں ہوں۔ پھر بھی تمہارے لئے بہت اچھا
سوچتی ہوں"

"میں چاہتی ہوں کہ تم ۔ تم ہی رہو ۔ اب دیکھو نہ اس لڑکی نے تمہیں ٹیکسی ڈرائیور بنا دیا ہے ۔ کچھ سوچو تو ۔ تمہاری شخصیت کیا ہے اور تم بنے کیا جا رہے ہو ۔ !"

"آپ کو میرا بہت فکر ہے ۔ اس کے لئے شکریہ ۔ !"

دانش ہنسا ۔

"میں نے طبیعت ہی ایسی پائی ہے ۔ مجھے بہت سے لوگوں کا فکر رہتا ہے ۔"

مسز رشدی کھوئی ہوئی سی بولیں ۔

"ایک نہ ہوا تو مسٹر رشدی کا فکر ۔"

"اس کو چھوڑو ۔ !"

"کیوں ۔ !"

"ڈل آدمی ہے ۔"

دانش ہنس دیا ۔

"دانش ۔ کچھ سمجھا کرو ۔"

مسز رشدی جذباتی سی آواز میں بولیں ۔

"میں بڑا بے سمجھ آدمی ہوں جی ۔"

دانش سادگی سے بولا ۔

"کچھ دن میرے قریب رہو ۔ سب سمجھ جاؤ گے ۔"

مسز رشدی جذبات میں ڈوبی ہوئی تھیں ۔

"میں اپنی دنیا میں بڑا خوش ہوں ۔"

دانش کھردرے سے لہجے میں بولا ۔

"پاگل ہو۔ !"

"بہت اچھا۔ !"

دانش کا جی چاہ رہا تھا بات ختم ہو۔

لیکن مسز رشدی بہکی بہکی سی باتیں کہنے لگی۔

"لوگ چاند پر پہونچ گئے ہیں دانش۔ زمانہ بہت آگے جا رہا ہے اور تم زمانے کے ساتھ نہیں چل رہے۔ بہت پیچھے رہ جاؤ گے۔"

"پھر۔ !"

دانش اکتایا ہوا بولا۔

"میرے ساتھ کچھ دن قدم ملا کر چلو۔ خوش رہو گے۔ سوسائٹی میں نام ہو گا۔ دیکھنے والے جلیں گے۔"

تم خوب سے خوب تر ہوتے چلے جاؤ گے۔ میں چاہتی ہوں دانش تم ایسے بن جاؤ جہاں ان چھوٹے حقیر لوگوں کو تم سے بات کرنے کی جرأت بھی نہ ہو سکے۔

"آپ کیسی باتیں کرتی ہیں مسز رشدی۔"

دانش تنگ آ کر بولا۔

"پہلے میری ایک التجا مانو دانش۔"

مسز رشدی جلدی سے بولیں۔

"کیا۔ !"

"میرا نام تمہیں برا لگتا ہے۔"

"نہیں تو۔ !"

"لوگ کہتے ہیں میرے نام میں ایک ٹھنڈک ہے۔ ایک اجلاپن ہے۔"
"وہ پرنس ہے نا۔ کہتا تھا۔ آپ کا نام پکارتے ہوئے یوں لگتا ہے جیسے کسی ٹھنڈے میٹھے چشمے کا پانی حلق میں اتر رہا ہو۔ تم۔ تم کیوں میرا نام نہیں پکارتے دانش۔"

"میں۔ مجھے آپ کو مسز رشدی کہنا زیادہ اچھا لگتا ہے۔"
دانش کی بوریت حد کو پہنچ گئی تھی۔
"مجھے سیما کہا کرو دانش۔"
مسز رشدی بولیں۔
"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔!"
دانش ہنسا۔
"مذاق میں نہ ٹالو۔!"
"مجھے نیند آرہی ہے۔!"
دانش جمائی لے کر بولا۔
"بہت بھولے ہو۔!"
مسز رشدی خمار آلود آواز میں بولی۔
"آپ کا مطلب ہے چالاک لوگوں کو نیند نہیں آتی۔!"
مسز رشدی اس کی یہ چوٹ بھی نظر انداز کر گئیں۔
کہنے لگیں۔
میری باتیں ایک دن یاد آئیں گی۔

"بہتر۔ !"
دانش نے ریسور رکھ دیا اور آرزو کے خیالوں میں ڈوبنے کی کوشش کرنے

۳۰

وقت کے گھنگرو بجتے رہے۔

ایک ماہ بیت گیا۔

آرزو اسکول جانے لگی تھی اور دانش روز اسے اسکول سے واپسی پر ملتا۔ دونوں گھنٹوں سے گھومتے رہتے۔

ایک دوسرے پر مر مٹنے کی باتیں۔

پیار میں بھیگی بھیگی باتیں۔

وہ دھیرے سے جھکی ہوئی خوبصورت سی شام تھی۔

آرزو شمو سے ملنے کے بہانے اپنے راجہ کے ساتھ گھوم رہی تھی۔

"آرزو۔!"

دانش اس کے ماتھے پر جھولتی ہوئی لٹ کو انگلی سے ہٹاتے ہوئے بولا۔

"بول۔!"

میرا کہا مانو گی۔!

"کیا۔!"

"پہلے ہاں کہو۔!"

"کچھ پتہ تو چلے راجہ کیا منوانا چاہتے ہو تم۔"

"کبھی بغیر سنے ہی مان لیا کرو۔!"

"بتاؤ بھی راجہ کچھ۔"

"پہلے کہو ہاں راجہ مانوں گی ضرور مانوں گی۔ پھر کہوں گا۔"

"اچھا چلو مان گئی۔!"

آرزو ہنس کر بولی۔

"وعدہ۔!"

دانش ہاتھ پھیلا کر بولا۔

"وعدہ۔!"

آرزو نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"تمہیں میں آج اپنی پسند کی چیزیں خرید کر دوں گا اور تم انکار نہیں کروگی۔"

"یہ آج چیزیں خریدنے کا خیال کیوں آگیا تمہارے دل میں راجہ۔"

"بس آگیا۔!"

دانش ضد میں آگیا۔

"مگر کیوں۔؟"

"دیکھو آرزو تم نے وعدہ کیا ہے۔ اور اب تمہیں میری بات ماننا پڑے گی۔"

آرزو خاموش سی ہو گئی۔

"چلیں پھر۔!"

"کہاں۔؟"

"بازار۔!"

"تمہاری مرضی ۔ !"
آرزو مسکرا کر بولی ۔
"او گڈ ۔ !"
دانش نے گاڑی اسٹارٹ کر دی ۔
"ویسے راجہ تم ہو بڑے ضدی ۔ !"
آرزو اس کا منہ چڑا کر بولی ۔
"ابھی تو پتہ لگے گا تمہیں ۔ !"
دانش ہنس کر بولا ۔
"دھمکی دے رہے ہو ۔ !"
آرزو بولی ۔
"بہت اکھڑ آدمی ہوں ۔ ضدی بھی ۔ خود سر بھی ۔ !"
دانش اسے گھورتا ہوا بولا ۔
"بڑی خوبیاں گنوا رہے جیسے ۔ !"
آرزو چڑ کر بولی ۔
"ایسا ہی ہوں ۔ !"
دانش نے کہا ۔
"آرزو ہنس دی ۔ !"
اور پھر آہستہ سے کہنے لگی ۔
"ٹھیک ہے ۔ !"

"اچھا پاس کردیا مجھے۔!"
دانش بولا۔
"گزارہ کرلوں گی۔!"
آرزو مسکرا کر بولی۔
دانش نے گاڑی بازار میں ایک طرف پارک کی اور بولا "آؤ۔"
"اتنی بڑی دوکان میں نہ جاؤ راجہ۔ آرزو سامنے شہر کے سب سے بڑے جنرل اسٹور کو دیکھ کر گھبرا سی گئی۔"
"کیوں۔!"
دانش نے پوچھا۔
"ارے یہ تو بڑی مہنگی چیزیں بیچتے ہیں۔ کھال اتار لیتے ہیں۔ تم نے مجھے واقعی کچھ خرید کر دینا ہے تو وہ سامنے پھولوں کا گجرا دیکھ رہے ہو۔ وہی خرید دو۔ تمہاری بات پوری ہو جائے گی۔!"
"تم مہنگائی کا فکر نہ کرو آرزو۔ پیسے بہت ہیں میرے پاس۔!"
دانش اس کی بات ان سنی کر گیا۔
"کہاں سے آئے۔!"
آرزو سہر شکی سی ہو گئی۔
"میرا خرچ تو کوئی ہے نہیں۔ بس جو کماتا ہوں جمع رہتا ہے۔ بہت پیسے ہو گئے میرے پاس۔ اور میری مالک آرزو ہے۔ تو سب کچھ آرزو کا ہی ہوا نا؟ چلو آؤ۔"
آرزو با دل نخواستہ اس کے ساتھ دوکان کے اندر چلی گئی۔

دانش نے دیکھا۔

مسز رشدی پیکٹ تھامے باہر نکل رہی تھیں۔ لیکن دونوں کو دیکھ کر پھر اندر آگئیں اور ساتھ ہی کھڑی ہو کر کچھ میک اپ کا سامان دیکھنے لگیں۔ دانش نظر انداز کر گیا۔

اور دوکاندار سے کہنے لگا کبھی کوئی عمدہ ساڑھیاں دکھاؤ۔

"پاگل ہوئے ہو راجہ۔!"

آرزو نے سرگوشی کی۔

"خاموش رہو۔!"

دانش آہستہ سے بولا۔

آرزو سہمی سہمی سی تھی۔

اور مسز رشدی کی نظریں بھی گویا آرزو پر جم کر رہ گئی تھیں۔

دانش نے دو ساڑھیاں خریدیں۔ کچھ اور چھوٹی چھوٹی چیزیں۔ اور ایک انگوٹھی جس کی قیمت اس نے کاؤنٹر پر جا کر چپکے سے بل ادا کر دیا۔

"یہ انگوٹھی تو بہت قیمتی ہے راجہ۔!"

آرزو آہستہ سے بولی۔

"بہت معمولی ہے۔"

دانش بولا۔

"مجھے تو قیمتی لگتی ہے۔!"

آرزو انگوٹھی دیکھتے ہوئے بولی۔

"قیمتی۔ سوچو تو۔ میں اتنی قیمتی انگوٹھی کہاں سے خرید وں گا۔ بس میری اوقات

کے برابر ہے ۔"

۔ آرزو بوکھلائی ہوئی تھی ۔ اور دانش مسرور سا محبت میں ڈوبا ہوا اس کے پیکیٹ تھامے کھڑا تھا ۔

"سنو ۔ !"

مسز رشدی دوکاندار کو مخاطب کرتے ہوئے بولیں ۔

" جی ۔ ! "

دوکاندار بولا ۔

" لیبر ہم ٹین دے دو ۔"

"سنو ۔ !"

دانش دوکاندار سے بولا ۔

" جی فرمایئے ۔ ! "

" سب سے اچھی جو خوشبو ہے تمہارے پاس وہ پیک کر دو ۔ ! "

مسز رشدی نے دانش کی طرف دیکھا اور بولی ۔

" بے وقوف آدمی ہو ۔ ! "

دانش پیکیٹ لے کر آرزو کا ہاتھ تھامے باہر نکل گیا ۔

آرزو اب بھی گھبرائی گھبرائی سی تھی ۔

گاڑی میں بیٹھتی ہوئی بولی ۔

" یہ سب کیا ہے راجہ ۔ ! "

" میرے دل کی خوشی ۔ ! "

"مگر۔!"

"اگر مگر کچھ نہیں۔ کل تم یہ والی ساڑی پہن کر آؤگی۔"

"مگر راجہ۔!"

آرزو پریشان سی ہو گئی۔

"آرزو۔!"

دانش جذباتی سا ہو گیا۔ کہنے لگا میری خوشی کے لیئے اتنا بھی نہیں کر سکتی۔

"مجبور نہ کرو راجہ۔!"

"آرزو۔ خدا کے لیئے اتنی ضدی نہ بنو۔!"

دانش بے بس سا اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"راجہ مجھے اس چمک دمک سے خوف آتا ہے۔"

آرزو کی آنکھیں بھیگ سی گئیں۔

"آرزو میری خاطر۔!"

"اچھا راجہ۔"

مگر۔

مگر خدا کے لیئے آئندہ ایسی کوئی بات نہ منوانا مجھ سے۔ تم نہیں جانتے راجہ تمہاری اس ضد نے مجھے کتنا خوف زدہ کر دیا ہے۔

مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے۔ جیسے میں بھی انہی راہوں پر چلنے لگوں گی۔

جن پر میری ماں چلی تھی۔ راجہ تم سمجھتے کیوں نہیں۔ مجھے یہ سب کچھ نہیں چاہیئے میں اپنے اس حال میں خوش ہوں۔"

آرزو بول رہی تھی۔

اور دانش سوچ کے بھنور میں ڈوبا جا رہا تھا۔

اس نے تو سوچا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ آرزو کے دل سے وہ نفرت کھرچ ڈالے گا جو آرزو کی اور اس کی زندگی میں حائل ہے۔

مگر۔!

آرزو کی نفرت تو اس قدر پختہ تھی کہ دانش اسے ہلا بھی نہ سکتا تھا۔

وہ خاموش سا ہو گیا۔

"راجہ!"

کچھ دیر بعد آرزو بولی۔!

"کیوں۔!"

"ناراض ہو گئے۔!"

"نہیں۔!"

"ناراض ہی ہو گئے ہو۔میں۔میں واقعی تمہارے ساتھ ہلکی ہلکی باتیں زیادہ کر جاتی ہوں"

آرزو اس کا اداس چہرہ دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

کہنے لگی۔

"راجے!"

"ہوں۔!"

"معاف کرو۔!"

"پگلی۔!" دانش نے اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

۳۱

"نئے سال کی پہلی رات تھی۔
کلیسا کی رونق بڑھ گئی تھی۔ رنگا رنگ قمقموں سے سفید پتھروں سے بنی ہوئی جدید عمارت نور برسا رہی تھی اور اندر آرکسٹرا کی مدھر دھن پر رنگ برنگے قیمتی لباس سرسرا رہے تھے۔

ایک طرف عورتوں کی محفل جمی تھی۔ کچھ نئی ممبرز اور باقی پرانے چہرے تھے۔

مسز رشدی کی نظریں بار بار باہر سے آنے والوں میں دانش کو تلاش کرتیں اور ناکام لوٹ آتیں۔

خواتین کی بحث کا موضوع مرد کا پیار تھا۔

"مرد جب عورت کی زندگی میں آتا ہے تو کتنا معصوم ہوتا ہے۔"

مسز طاہر بولیں۔

"بالکل غلط۔!"

مینا جلدی سے بولی۔

"کیوں۔!"

مسز طاہر نے پوچھا۔

"عورت کی زندگی میں جب کوئی مرد داخل

ہوتا ہے تو کچھ عجیب شان کے ساتھ۔ سینہ تانے سر اٹھائے۔ نپے تلے شاہانہ انداز سے قدم اٹھاتا ہوا۔ عجیب سے وقار اور جلال کے ساتھ۔!"

لیکن ساری چیزیں مانگے کی ہوتی ہیں۔ جیسے کوئی ایکٹر اپنا پارٹ کرنے کے بعد چیزیں میک اپ انچارج کو واپس کر دیتا ہے ... اور پھر وہ مرد رہ جاتا ہے جس کا نام دھوکا ہے۔!"

مینا دل کے درد کو آواز میں سمیٹ کر بولی۔

عین اسی لمحے دانش انور کے ساتھ داخل ہوا۔ لوگوں سے ملتا، باتیں کرتا ہوا وہ کونے میں جا بیٹھا۔

مینا کے دل میں ہوک سی اٹھی۔

اور مسز رشدی تو مچل کر رہ گئی۔

آج وہ بے حد سمارٹ لگ رہا تھا۔

"تم دھوکا کہہ سکتی ہو مرد کو۔ میں نہیں۔!"

ایک نئی ممبر جس کی حال ہی میں شادی ہوئی تھی ہنس کر بولی۔

"معلوم ہوتا ہے شوہر بہت محبت کرتا ہے۔!"

رینو ہنس کر بولی۔

"شوہر۔!"

مسز رشدی جلی ہوئی بولیں۔

کہنے لگیں۔

"شوہر کی تو بات ہی نرالی ہے۔ وہ مرد جو محض عشق کرتے ہیں ان میں تو جیز پھر بھی

کچھ حوصلہ ہوتا ہے، کچھ باتیں ہوتی ہیں، کچھ انداز ہوتے ہیں محبت کے۔
مگر شوہر۔ تو بس یوں سمجھ لو۔ ایک جیغد ہے "
"تجربات کی روشنی میں بات کریں" کٹی طنزیہ بولی۔
" بالکل تجربات کی روشنی میں ہی اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ مرد صرف آسودگی کا متلاشی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اسے عورت کے آنسو سے بے حد مسرت ہوتی ہے۔"
" اپنے اپنے تجربات ہیں۔ ہم نے تو شادی کے بعد زندگی پائی "
بحث طول پکڑ گئی۔
اور مسز رشدی جن کی نظریں، ذہن، دل، دماغ، جسم، روح، خیال سب کچھ دانش میں لگا تھا۔
"کہاں ہو۔!" مینا اس کو جھنجھوڑ کر بولی۔
" آں۔ ہاں۔ میں ابھی آئی" کہتی ہوئی مسز رشدی دانش کی طرف چلی۔
" ہیلو۔ ہیپی نیو ایر "
دانش مسکرا کر بولا۔
" کیسے ہو۔!"
مسز رشدی اس کے قریب پہنچتی ہوئی بولیں۔
" اچھا ہوں۔!"
" آج فرصت کیسے ملی۔!" مسز رشدی نے طنزیہ کہا۔
" کیا مطلب۔!"

"میرا مطلب ہے مصروف رہتے ہونا۔!"
دانش مسکرا دیا۔
"ساڑھی پسند کرنے کا خاصا سلیقہ ہے تمہیں۔ سوچتی ہوں کسی روز تمہیں تکلیف دوں
کچھ ساڑھیاں پسند کر دو مجھے۔!"
"ضرور۔!" دانش سادگی سے بولا۔
"تمہاری محبوبہ کو اس روز اچھی طرح دیکھا میں نے۔"
مسز رشدی سگریٹ سلگا کر بولیں۔
دانش مسکرا دیا۔
"تمہیں تو اٹھارویں صدی میں پیدا ہونا چاہیئے تھا دانش۔ اس صدی میں اپنے
آپ کو سیٹ کرنا تمہارے بس کا روگ نہیں۔!"
"اطلاع کا شکریہ۔!" دانش ہنس کر بولا۔
انور دونوں کی گفتگو کا لطف لے رہا تھا۔ مزید چھیڑنے کی خاطر بولا۔
"ویسے محبت ہے بری شے۔!"
"کیوں۔!"
مسز رشدی نے اس کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"بری ہوئی نا جی۔ اب دانش کو دیکھا آپ نے کیسا لاپرواہ۔ کیسا آزاد تھا۔ اور
اب وقت کا اتنا خیال رہتا ہے اسے کہ میں بھی حیران ہوں۔"
"اچھا۔!"
مسز رشدی طنزیہ مسکرا کر بولیں۔

"ہاں۔!"

"تمہیں کیا پتہ انو۔ وہ وقت جو اس کے بغیر گزرتا ہے۔ کتنا طویل ہوتا ہے کتنا رک رک کر۔!"

دانش کی آنکھیں سردی سے سرخ سی ہو گئیں۔

"شادی کیوں نہیں کر لیتے۔!" مسز رشدی بولیں۔

"ضرور کروں گا۔!"

کب۔

"کچھ عرصے بعد۔!"

"جلدی کیوں نہیں۔؟"

"سوچتا ہے بیچارہ، کچھ دن محبوبہ رہے۔ بیوی بن گئی تو وہ چارم نہیں رہے گا۔!" انور جلدی سے بولا۔

"وہم ہے تمہارا۔!" دانش کہنے لگا۔

"وہ ہمیشہ میری محبوبہ رہے گی۔ یہ سب اپنی سوچ، اپنے خیالات ہیں۔ تم ساری عمر بیوی کو محبوبہ کی نظر سے دیکھو۔ ہر ملاقات تمہیں پہلی ملاقات لگے گی۔!"

مسز رشدی سے برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ دوسرا سگریٹ سلگاتے ہوئے کہنے لگیں

"بہت پیچھے لے گئی تمہیں وہ لڑکی۔!"

"کیسے۔!"

"تمہارے خیالات۔ تمہاری باتیں۔ بہت دقیانوسی ہو گئیں۔"

"مجھے فخر ہے اس پر۔" دانش ہنس کر بولا۔
دور بیٹھی مینا کی نظریں بھی اسی کونے میں بھٹک رہی تھیں۔
مسز رشدی نے اس کی طرف دیکھا۔ اور بولیں۔
"تمہاری ایک اور امیدوار دیکھ رہی ہیں۔"
کون مینا۔ دانش بولا۔
"ہاں!"
"میری بہت سی فینز ہیں مسز رشدی۔ آپ بھی تو ہیں۔!" دانش بولا۔
"چلو یہ تو مانا تم نے!" مسز رشدی مسکرائیں۔
"یہ تو مانتا ہوں۔ جانتا ہوں۔!"
وہ مسکرا کر بولا۔
"تو پھر تمہاری فین ہونے کی حیثیت سے میں چاہوں گی کہ تمہارا انتخاب میری خواہش کے مطابق ہو۔!"
"آرزو آپ کو اچھی نہیں لگتی!"
دانش بولا۔
"بالکل نہیں۔!"
"کیوں۔؟"
"میں تمہارے لائق اسے ہرگز نہیں سمجھتی۔!"
"مگر کیوں۔!"
"کچھ پتہ ہے وہ کون۔ کیا ہے۔ خاندان کیسا ہے۔!"

"میں تو اتنا جانتا ہوں کہ انسان ہے!"

"مگر دانش آج کی دنیا میں ایسا نہیں ہوتا۔ خاندان دیکھا جاتا ہے۔ اچھا بلڈ۔ ابھی تو تم جذباتی ہو رہے ہو۔ بعد میں تمہیں پتہ چلے گا کہ گندہ خون ایک روز زہر بھر دے گا تمہاری زندگی میں۔

تم جہاں اسے ساتھ لے جاؤ گے لوگ انگلیاں اٹھائیں گے۔ یہ چھوٹے لوگ اس قابل نہیں ہیں دانش۔ کچھ سمجھو۔ اپنے آپ کو پہچانو۔ اور پھر موازنہ کرلو۔

وہ لڑکی تمہارے لائق ہے۔ تم چاہو تو۔ اچھی سے اچھی جگہ تمہاری شادی ہو سکتی ہے۔ خوبصورت سے خوبصورت لڑکی تمہاری بیوی بن سکتی ہے۔"

دانش کا چہرہ سرخ ہوا جا رہا تھا اور انور کا دل تو مسز رشدی ہاتھ میں لے کر مسل رہی تھی۔

کہنے لگی۔

"چھوٹے لوگوں کو منہ نہ لگایا کرو۔ یہ تمہاری شان کے خلاف ہے۔"

"بس کیجئے مسز رشدی۔ بہت ہو چکی ہیں اور ایک لفظ نہیں سن سکتا۔"

دانش کی آواز غصے میں لرز رہی تھی۔

"ساری دانش۔!"

مسز رشدی اس کی حالت دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔

"آؤ انور!" دانش اٹھ کر بولا۔

"بہت برا لگا تمہیں۔!" مسز رشدی بولیں۔

"جی ہاں۔!"

"بیٹھو تو۔"

"موڈ آف ہے۔ آؤ انور۔!"

وہ انور کے ساتھ باہر نکل گیا۔ اور مسز رشدی سوچنے لگی۔

"انور اس کا دوست ہے۔ اگر انور کی ہمدردی جیت لی جائے تو کیا برا ہے۔ اور پھر انور کو درمیان میں رکھ کر ایک کھیل کھیلا جائے۔ خوفناک کھیل۔ انہی سوچ پر وہ مسکرائی اور اٹھ کر سیٹھ چمڑے والے کی باہوں میں جھولنے لگی۔

سیٹھ چمڑے والا اس کے حسن کی تعریف کر رہا تھا اور وہ کہہ رہی تھی۔ تم میری ضد بن گئے ہو دانش۔ تمہیں میں حاصل کر کے رہوں گی۔

٣٢

انور صحن میں لگے نل کے پاس بیٹھا
منہ دھو رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

کون ہے صبح صبح۔

وہ تولیے سے منہ پونچھتا ہوا دروازے کی
طرف آگیا۔

دروازہ کھولا۔ بھونچکا رہ گیا۔

مسز رشدی کھڑی تھیں۔

"آپ۔!"

انور حیران بولا۔

"ہاں۔ بڑی مشکل سے آپ کا گھر ملا۔
دانش کے پی اے سے پوچھا اور اب
ایک گھنٹے کی تلاش کے بعد یہاں پہنچی ہوں"

"آئیے۔!" انور بولا۔

مسز رشدی اس کے گھر پر نظر ڈالتی ہوئی
اس کے ساتھ اندر چلی آئی۔

انور نے اس کے بیٹھنے کے لئے کرسی صاف
کی اور بولا "کیسے زحمت کی"

"یونہی، کیا میں آپ کے گھر نہیں آسکتی"
وہ مسکرا کر بولی۔

"کیوں نہیں۔! " انور مذاقاً بولا۔

"اکیلے رہتے ہو۔!"

"جی نہیں والدہ ہیں میری۔"

"شادی نہیں ہوئی ابھی تمہاری۔!"

"کچھ دن تک ہو جائے گی۔"

"اچھا۔ کہاں ہیں والدہ۔"

"ابھی بلاتا ہوں۔!"

"سنو مسٹر انور۔ میں تمہارے پاس آئی تھی ایک کام سے۔"

"فرمائیے!" انور بولا۔

"دانش کے سلسلے میں۔!"

"جی۔!"

"میرا مطلب ہے تم دانش کے دوست ہو۔ اور جہاں تک میں نے دیکھا، اور محسوس کیا۔ وہ تم سے بہت پیار کرتا ہے۔ میرا مطلب ہے تم اسے سمجھاؤ۔ پتہ ہے لوگ کتنی باتیں کرتے ہیں۔ سوسائٹی میں کتنا مذاق بنتا ہے اس کا۔ اس کا ٹیکسی ڈرائیور بننا بھی سب کو معلوم ہے۔"

انور بے چین سا ہو گیا۔

کہنے لگا۔

"اس میں مذاق کی کون سی بات ہے۔ ایک لڑکی کو وہ پسند کرتا ہے ٹھیک ہے لوگوں کو کیا۔"

"تمہیں پتہ نہیں ہے نا۔؟"

مسز رشدی اپنا وار خالی جاتا دیکھ کر بولیں۔ میں تو اسے کوئی برائی نہیں سمجھتا بلکہ یہ تو اس کی اچھائی ہے کہ یہ سب کو برابر سمجھتا ہے۔ اور شادی کے معاملے میں اس نے ایسی لڑکی کا انتخاب کیا۔ جو دولت مند نہیں ہے۔ میں تو بیگم صاحبہ بہت خوش ہوں۔ کیونکہ میں اسے جانتا ہوں۔ وہ کیا تھا۔

"کیا تھا۔!"

مسز رشدی نے اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کی خاطر پوچھا۔

"آپ کو شاید پتہ نہیں۔ دانش اتنا دولت مند ہونے کے باوجود بے سکون تھا۔"

"کیوں۔؟"

"اسے ایک لڑکی سے محبت تھی۔!"

"کون تھی وہ۔؟"

"لندن کے سفر میں اس کی ہمسفر تھی۔ دانش نیا نیا کالج سے تعلیم مکمل کر کے لندن جا رہا تھا۔"

"پھر۔؟"

پھر یہ کہ ملاقات بڑھی۔ دانش کو اس سے محبت ہو گئی۔ لیکن اس لڑکی نے کسی اور سے شادی کر لی۔

"اچھا۔!"

مسز رشدی نے سگریٹ کی ڈبیا نکالتے ہوئے کہا۔

"یہ واقعہ دانش کی ساری خوشیاں ختم کر گیا۔ دانش بے اطمینانی، بے چینی اور

تنہائی میں گھٹ کر رہ گیا۔ اور اب کتنے سال بعد اسے خوشی ملی۔ اور میں تو بیگم صاحبہ بہت خوش ہوں کہ میرے دوست کی خوشیاں اسے واپس مل گئیں۔ آپ نہیں جانتیں میں نے ہمیشہ یہی کوشش کی ہے کہ وہ شادی کر لے۔ مگر اس نے کسی کی نہ سنی۔"

مسز رشدی خاموش سی ہو گئیں۔

انور کے چہرے پر دانش کی محبت تھی۔

کہنے لگا۔

"اب وہ بہت جلد آرزو سے شادی کر لے گا۔"

"مگر انور میں یہ سوچتی ہوں۔ دانش جیسے آدمی کی شادی کسی بہت اچھی جگہ ہونی چاہیئے وہ لڑکی کچھ بھی نہیں۔!"

"وہ لڑکی دانش کو پسند ہے تو ٹھیک ہے۔ وہ خوش ہے۔

میں اس سے زیادہ مطمئن ہوں۔ اور پھر وہ لڑکی۔ بہت اچھی ہے۔ کیا ہوا اگر وہ دولتمند نہیں۔ اس کے پاس ایک محبت بھرا دل ہے۔

سب سے بڑی بات بیگم صاحبہ یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

"مگر یہ بہروپ۔ دانش کو رسوا کر دے گا۔"

مسز رشدی شکست خوردہ سی بولیں۔

"اتفاق ہے۔ اور دلچسپ بھی۔"

انور مسکرایا۔

انور کی اماں چائے لے کر آگئیں۔ انور نے مسز رشدی کا تعارف کرایا اور مسز رشدی اپنی چکنی چپڑی باتوں سے سادہ لوح عورت کا دل جیتنے کے

کوشش کرنے لگیں۔

انور بیگم صاحبہ کی شخصیت سے واقف تھا۔ لیکن آج اس نے ضرور سوچا کہ مسز رشدی کو ہر ماحول میں اپنے آپ کو ایڈجسٹ کرنا ضرور آتا ہے۔ مسز رشدی انور کی والدہ سے باتوں میں مصروف تھیں۔ اور انور اجازت لے کر باہر نکل گیا۔

"راجے۔!"

آرزو اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"کتنی دیر سے انتظار کر رہا ہوں۔"

"معلوم ہے مجھے۔ مگر آج اسکول میں سالانہ فنکشن ہے نا۔ اس کی تیاری میں دیر ہو گئی"

"کیسا فنکشن۔!"

دانش نے پوچھا۔

"امتحان ختم ہونے کے بعد سالانہ جلسہ ہوتا ہے جس میں تمام شہر کی معزز خواتین شرکت کرتی ہیں۔

"بڑے مزے کی تقریب ہوتی ہے۔"

"اچھا"

"ہاں۔ اور راجہ۔ مس نے ایک ڈرامہ تیار کروایا ہے۔ اور میں ایک غزل بھی گاؤں گی۔ وہ اپنے ناخنوں سے کھیلتی ہوئی بولی۔"

"اچھا۔!"

دانش پلکیں جھپک کر بولا۔

"ہاں!"

وہ بڑے مزے سے بتا رہی تھی اور دانش

اسے محبت سے دیکھے جا رہا تھا۔

کہنے لگا۔

"میں بھی دیکھوں گا۔"

"ارے۔ پاگل ہو گئے ہو کیا۔!"

"کیوں۔؟"

"تم کیسے دیکھ سکتے ہو۔!"

"وہ تو عورتوں کا فنکشن ہے۔"

"اوں۔!"

"مان جاؤ۔!" آرزو ہنس کر بولی۔

"میں تم سے خفا ہوں۔!" دانش منہ بنا کر بولا۔

"کیوں۔!"

"سوچو کیا وعدہ کیا تھا۔؟"

"کون سا۔؟"

"اچھا بھول گئیں۔!"

"بتا دو راجہ۔!"

"تم نے وعدہ کیا تھا کہ آج وہ والی ساڑھی باندھ کر آؤ گی۔ انگوٹھی پہنو گی اور میری پسندیدہ خوشبو لگاؤ گی۔!"

"ہاں۔ وہ وعدہ۔!"

"تمہیں میرے جذبات کا ذرا بھی احساس نہیں آرزو۔!"

دانش روٹھا روٹھا سا بولا۔

"راجہ پتہ ہے بات کیا ہے۔ میں اصل میں محبتی ہوں کبھی اتنے قیمتی کپڑے پہنے جو نہیں۔ اور پھر مجھے خوف آتا ہے، یوں لگتا ہے جیسے میرے مرے ہوئے باپ کی آنکھیں مجھ سے التجا کر رہی ہوں کہ آرزو انہیں قیمتی ملبوسات نے ہمارا گھر تباہ کیا تھا۔"

"آرزو۔!" دانش چڑ سا گیا۔

"اچھا راجہ خفا نہ ہو۔!"

"کل پہنوں گی۔"

"فنکشن پر۔!"

"نہیں فنکشن پر نہیں۔!"

آرزو ڈر سی گئی۔

"کیوں۔؟"

"میں ہمیشہ کاٹن پہن کر اسکول جاتی ہوں۔"

"جانے دو آرزو۔ آج مجھے بھی ضد ہو گئی ہے کہ تم وہی ساڑھی باندھ کر فنکشن میں حصہ لو گی۔"

"نہیں راجہ!" آرزو سہمی ہوئی بولی۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے پہلے ہی پتہ تھا تم میرا کہا نہیں مانو گی۔ جانے کیوں اپنی بات منوا لینے کی امید لگا لیتا ہوں۔!"

دانش کا چہرہ اداس ہو گیا۔

اور آرزو کا گویا دم گھٹنے لگا۔

کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد بھیگی بھیگی پلکوں کو جنبش دیتی ہوئی وہ کہنے لگی۔

"اچھا راجہ۔ جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی کروں گی"

"آرزو۔ میری آرزو۔!"

دانش نے اسے سینے سے لگا لیا۔

اور وہ سسک پڑی۔ کہنے لگی۔

"اتنے امتحان میں نہ ڈالو راجہ۔ راجہ میں مر جاؤں گی تمہارے بغیر۔!"

"آرزو۔ کل میں باہر ٹھہروں۔ تاکہ تمہیں دیکھ سکوں۔!"

"کیا مطلب!" آرزو بولی۔

"کیوں۔!"

"تم تو مجھے گھر سے لے کر آؤ گے راجہ۔!"

آرزو ہنس کر بولی۔

"ہاں سمجھی۔!"

دانش اسی والہانہ انداز سے اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"چلو اب۔!"

"کہاں۔!"

"گھر۔!"

"چلنے میں جلدی کیا ہے۔!"

شمو ڈرامے میں کامیڈی پارٹ کر رہی ہے۔!"

آرزو ہنستے ہوئے بولی۔

"اچھا۔!"

"ہاں مسخری ہے پوری۔!"

"تم کیا ہو۔!" دانش جذباتی سا ہو گیا۔

"میں۔ میں کچھ بھی نہیں!" آرزو بولی۔

"تم۔ کیا ہو۔ کوئی میرے دل سے پوچھے۔!"

"بڑے گپی ہو راجہ۔!"

آرزو اسے چھیڑنے کے انداز میں بولی۔

"کیا کہا۔!" دانش آواز میں غصہ لاتے ہوئے بولا۔

"گپی۔!"

دانش نے اس کا کان کھینچ لیا۔ کہنے لگا۔

"پھر کہو۔!"

"گپی۔ گپی۔ گپی۔!"

آرزو اپنا کان چھڑاتے ہوئے بولی۔

"نہیں مانو گی۔!" دانش نے اس کی چٹیا کھینچ لی۔

"اچھا بابا۔ نہیں گپی۔!"

آرزو نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

دانش نے ایک نظر اسے دیکھا اور اس کے جوڑے ہوئے ہاتھ ہونٹوں سے لگا لئے۔

"راجہ۔!"

"ہوں۔!"

جذبات میں بھیگی ہوئی آواز میں اس کے گال کو انگلی سے چھوتے ہوئے وہ آہستہ سے بولا۔

"چلو اب۔!"

دانش ہنس دیا کہنے لگا۔

"چلئے جناب۔!"

آرزو کو گھر پہنچا کر جب وہ لوٹ رہا تھا تو اس کے ذہن میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ لبوں پر ایک ہی بات تھی۔

"آرزو۔!"

اب تم سے دور نہیں رہ سکتا۔ مجھے اب دیر نہیں کرنا چاہیئے۔

میں تمہیں بہت جلد اپنا لوں گا۔

۳۴

اسکول رنگ برنگ کی جھنڈیوں
سے سجا ہوا تھا۔ بچیاں اجلے کپڑوں میں ادھر ادھر
بکھری ہوئی تھیں۔

دانش کے ٹیکسی اسکول کے گیٹ کے
سامنے روکی تو آرزو جلدی سے اتر کر بولی۔

" باتوں میں بڑی دیر ہو گئی راجہ۔ سارے
انتظامات بھی میرے ہاتھ میں۔ اسکول میں سب
کوس رہی ہوں گی مجھے۔!"

آرزو خوبصورت ساڑھی میں کچھ شرمائی
شرمائی سی تھی۔

دانش کی والہانہ نظریں اس کے چہرے
میں کھو کر رہ گئی تھیں۔

کہنے لگا۔

" اتنی اچھی کیوں لگ رہی ہو۔!"

آرزو شرما گئی۔

کہنے لگی " میں اب چلی۔!"

کب ختم ہوگا فنکشن۔

" چھ بجے۔!"

" میں آؤں گا۔!"

"اچھا۔!"

"سنو۔!" دانش نے اسے جاتے دیکھ کر کہا۔

"کیا ہے!"

"سنبھل کر رہنا۔!"

دانش کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"کیوں بناتے ہو راجہ۔!"

"اچھا۔!"

"اور کہا۔ ہاں تم نے یہ کیوں کہا راجہ سنبھل کر رہنا۔!"

"میرا مطلب نظر نہ لگ جائے۔!"

"ہٹو۔!"

وہ چہرے پر آئی سرخی کو نہ روک سکی۔

دانش کی آنکھوں کے ڈورے نمایاں ہو گئے۔

کہنے لگا۔

"تھوڑی دیر اور ٹھہرو۔!"

"راجہ اب چلے جاؤ خدا کے لئے۔ مجھے کیوں نکلواؤ گے نوکری سے۔!"

کہتے ہوئے آرزو مڑ مڑ کر دیکھتے ہوئے گیٹ سے اندر چلی گئی۔

اور دانش نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ انور کی طرف چل دیا۔

آرزو جب اسکول پہنچی تو سب سے پہلے اسے شمو ملی۔

"کہاں تھی محترمہ۔!"

شمو گھور کر بولی۔

"میں .... وہ ..... کان ادھر لاؤ۔ !"

آرزو اس کے کان کے پاس منہ لے جاتی ہوئی بولی۔

"کیا ہے !" شمو نے سرگوشی کی۔

"راجہ ہے نا۔ اس نے دیر کروا دی۔ آرزو شرماتی شرماتی سی بولی"

"ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہو تم۔ !"

شمو آنکھیں گھما کر بولی۔

"اچھا چلو اب تیاری کریں"

"ارے ادھر تو آؤ۔ میں نے تو جلدی میں دیکھا ہی نہیں"

"اوے۔ ہوئے کیا باتاں ہیں"

شمو اسے سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے بولی۔

"راجہ نے دی ہے یہ ساڑھی !" آرزو بولی۔

"بہت پیاری ہے۔ راجہ کی پسند تو بہت اچھی ہے !"

"واقعی۔ یہ ڈیوڑ تو بہت کائیاں نکلا"

شمو ہنستی ہوئی بولی۔

"چل ری۔ میرے راجہ کی شان میں گستاخی کی تو گولی مار دوں گی۔ !"

آرزو منہ بنا کر بولی۔

"اچھا راجہ کی رانی۔ اب ذرا اپنے آئٹم کی بھی خبر لو۔ !"

شمو ہنستی ہوئی بولی۔

"ہاں ہاں چلو۔!"

دونوں اسٹیج پر پہنچ کر لڑکیوں کو ہدایت دینے لگیں۔

ہیڈ مسٹرس کچھ نروس سی تھیں۔ آرزو کو ایک نظر دیکھا کچھ حیران سی ہوئیں۔

کیونکہ آرزو ہمیشہ سادہ کپڑوں میں رہتی تھی۔ لیکن آج قیمتی ساڑھی میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

چیف گیسٹ شہر کے ایک سوشل ادارے کی مالک تھیں۔ ہیڈ مسٹرس اسے ریسیو کرنے چلی گئیں۔

"چیف گیسٹ دیکھی آرزو۔!"

شمو بولی۔

"نہیں تو۔!"

"وہ دیکھو سفید ساڑھی میں۔!"

شمو صوفے پر بیٹھی خاتون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"خوبصورت ہے۔!" آرزو بولی۔

"تمہیں کیا پہچان خوبصورتی کی۔"

"کیوں۔؟" آرزو نے پوچھا۔

"میک اپ کی تہ میں جھریاں چھپی تم نے نہیں دیکھی شاید!"

شمو بولی۔

"دیکھنے میں تو اچھی ہے۔!"

آرزو خاتون کے چہرے میں کچھ ڈھونڈتے ہوئے بولی۔

" کہاں تک نہیں گئیں تم ۔ !" شمو بولی ۔

" توبہ ہے تم سے ۔ !"

" اور ناک دیکھو ۔ !"

" خاصی لمبی ہے !" آرزو بولی

" اتنی لمبی کہ ہاتھی کی سونڈ کی خاصیت نظر آتی ہے اس میں !"

شمو ہنس کر بولی ۔

" کیا مطلب !" آرزو نے معصومیت سے پوچھا ۔

" ارے میری بہن سب کچھ لپیٹ لیتی ہے ۔

" تم تو بوتی کپڑے نکالتی رہتی ہو لوگوں ہیں ۔ چلو بھی اب پروگرام شروع کروائیں !"

آرزو بولی ۔

" تم غزل گا رہی ہو نا ۔ !"

" مجھے تو ابھی سے پسینہ آ رہا ہے ۔ !"

آرزو گھبرائی ہوئی بولی ۔

" راجہ سے باتیں کرتے ہوئے پسینہ تو آتا نہیں ۔ غزل سناتے گھبرا رہی ہو ۔ !"

شمو اسے چھیڑتے ہوئے بولی ۔

" میں تمہیں قتل کر دوں گی شمو ۔ !"

آرزو اس کے گلے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی ۔

" آپ کو مس آئمہ بلا رہی ہیں ۔ !"

ایک بچی ان کے پاس آ کر بولی ۔

دونوں اسٹیج پر آئیں۔

• ہیڈ مسٹریس نے تقریر کی۔ اس کے بعد فنکشن شروع ہوا۔

• آرزو کی غزل کی باری آئی تو اس کے ہاتھ ٹھنڈے ہو رہے تھے۔

شمو اناونسٹ کر رہی تھی۔ اسٹیج پر آ کر کہنے لگی۔

• اب ہمارے اسکول کی ہر دلعزیز ٹیچر مس آرزو غزل سنائیں گی!"

• آرزو جھجکتی ہمکتی آگے بڑھی۔ اس کی چاہنے والی لڑکیوں نے خوب زور زور سے تالیاں بجائیں۔

لیکن

• آگے بیٹھی ہوئی معزز مہمان کے دل کی بے چینی بڑھ گئی۔ وہ آرزو کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

آرزو غزل سنا رہی تھی۔

پھول کھلتے ہیں تو ہم سوچتے ہیں
تیرے آنے کے زمانے آئے

آگے بیٹھی ہوئی معزز مہمان نے ہیڈ مسٹریس کی طرف دیکھا۔

"جی۔ مجھ سے کچھ کہا؟"

ہیڈ مسٹریس چشمہ ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔

جی۔ "یہ لڑکی کون ہے؟"

• "یہ ہمارے اسکول کی بہت اچھی۔ بہت محنتی ٹیچر ہے!"

• "ہوں۔ باپ کیا کرتا ہے اس کا۔!"

مہمان بولی۔

"جی۔ وہ ۔مر گیا بے چارہ۔ کچھ مہینے پہلے مل میں مزدور تھا مشینوں میں کٹ کر ہلاک ہوا تھا۔!"

ہیڈ مسٹرس ہمدردسے لہجے میں بولی۔

"کوئی بھائی ہے اس کا۔!"

مہمان خاتون ماتھے پر تیوری ڈالے بولی۔

"نہیں ۔بے چاری اپنے خاندان کو خود ہی پالتی ہے۔ ہیڈ مسٹرس بولی۔"

"کیا تنخواہ ملتی ہے اسے؟"

"دو سو روپے ۔مگر۔ آپ کو کیا بہت پسند آگئی یہ لڑکی۔!"

ہیڈ مسٹرس مسکراتے ہوئے بولی۔ "پسند۔ میں تو اس بات پر حیران ہوں کہ آپ اس کی اتنی تعریفیں کر رہی ہیں۔!"

خاتون برا سا منہ بنا کر بولی۔

"کیوں۔!" ہیڈ مسٹرس حیرانگی سے بولی۔

"کیا دنیا ہے۔ کیسا زمانہ ہے۔ چہرہ کیسا معصوم ہے اس لڑکی کا مگر۔!"

مگر کیا؟ ہیڈ مسٹرس بولی۔

"میں تو کہتی ہوں ۔اس لڑکی کو ٹیچر نہیں ہونا چاہیئے۔"

"ہم اپنی بچیاں ایک ذمہ دار ادارے کے سپرد اس لیے کرتے ہیں کہ ہماری بچیاں پڑھائی کے ساتھ ساتھ اعلیٰ تربیت بھی سیکھیں۔ اور یہ تو آپ جانتی ہیں کہ استاد قوم کا معمار ہے۔ اسے قوم بنانی ہے اور اگر ایسی ایسی بدکردار استانیاں بچوں کو تعلیم دیں گی تو بچوں کا

کیا ہوگا۔ بتائیے نا۔ !"

خاتون میں جوش میں کہہ رہی تھی اور ہیڈ مسٹرلیس کا چہرہ سرخ ہو اجارہا تھا۔
کہنے لگی۔

" آپ کا اندازہ غلط ہے۔ وہ نہایت شریف اور محنتی لڑکی ہے۔"

" آپ کا مطلب ہے میں غلط کہہ رہی ہوں۔ !"

خاتون غصے سے بولی۔

" ہوسکتا ہے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہو۔" ہیڈ مسٹرلیس آہستہ سے بولی۔
" مجھے اس لڑکی سے کوئی بیر نہیں۔ میں نے کسی اور استانی کے بارے میں کیوں نہیں کہا؟"
خاتون دور کھڑی آرزو جو شمو کے ساتھ کھڑی ہنس رہی تھی کی طرف دیکھ کر بولی

" مگر۔ !" ہیڈ مسٹرلیس بولی۔

" یقین کیجیے۔ میں نے اس لڑکی کو ایسی ایسی جگہ اور ایسے ایسے خراب لوگوں کے ساتھ گھومتے دیکھا ہے کہ کیا بتاؤں اور میں تو یہاں دیکھ کر حیران رہ گئی اسے۔ !"
ہیڈ مسٹرلیس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور خاتون آرزو کے خلاف بولے جارہی تھی۔
" کہنے لگی۔ آپ اسے نہ رکھیں اسکول میں مگر۔ مجھے تو یقین جانئے اب بھی یقین نہیں آیا۔ !"

" آرزو بہت اچھی لڑکی ہے۔ آپ کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔ !"

" کمال ہے۔ !"

خاتون تیوری چڑھا کر بولی۔

" میں بغیر ثبوت کے اسے کیسے اسکول سے نکال سکتی ہوں۔ اور میں اسے اچھی

طرح جانتی ہوں۔ یہ بہت نیک لڑکی ہے۔!"

ہیڈ مسٹریس کو آرزو کے خلاف کچھ سننا بھی گوارا نہیں تھا۔

"آپ نہیں مانتیں تو اس سے صرف اتنا پوچھ لیجیے کہ اس نے یہ قیمتی ساڑھی کہاں سے لی۔ اور انگلی میں پڑی ہیرے کی انگوٹھی کے بارے میں بھی پوچھ لیجیے گا۔!"

خاتون اطمینان سے بولی۔

"میں ابھی پوچھتی ہوں۔!"

ہیڈ مسٹریس شک کے سمندر میں ڈولتی ہوئی بولی۔

"آپ نے مجھے ابھی بتایا کہ یہ لڑکی دو سو روپے تنخواہ لیتی ہے اور پورے خاندان کو پالتی ہے۔ خود بھی اندازہ کریں۔ اور پوچھ کر تسلی کر لیں۔!"

ہیڈ مسٹریس نے اور کچھ نہ سنا۔ اور اٹھ کر آرزو کی طرف چلی گئی۔

خاتون کی نظریں اس کے پیچھے پیچھے تھیں۔

"مس آرزو۔!"

ہیڈ مسٹریس نے اسے ایک طرف بلایا۔

"جی۔!"

آرزو مسکراتی ہوئی اس کے قریب آ کر بولی۔

"آج آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔!"

ہیڈ مسٹریس چشمے کو صاف کر کے بولیں۔

شکریہ۔ آرزو شرما گئی۔

"یہ ساڑھی بہت اچھی ہے۔ کہاں سے لی ہے۔؟"

"جی۔جی۔یہ۔تحفہ ہے کسی کا۔!"
آرزو اسی سوال پر بوکھلاسی گئی۔
"ہوں۔اور یہ انگوٹھی۔!"
"یہ بھی۔تحفہ ہے۔!"
آرزو ڈر سی گئی۔
"بڑا قیمتی تحفہ ہے۔!"
ہیڈ مسٹرلیس اسے گھورتی ہوئی بولی۔
"جی۔!"
آرزو کا رنگ پیلا ہو گیا۔
"کس نے دیئے ہیں یہ تحفے۔!"
ہیڈ مسٹرلیس اس کے فق ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھتی ہوئی بولیں۔
"جی۔وہ۔!"
آرزو خاموش سی ہو گئی۔
"مجھے سب پتہ چل گیا ہے آرزو!"
ہیڈ مسٹرلیس بولی۔
آرزو سُن سی کھڑی تھی۔جھوٹ اس سے بولا نہ گیا۔
اپنی صفائی میں وہ کیا کہتی۔
"مجھے ایسے ٹیچرز کو اپنے اسکول میں رکھ کر اسکول کو بدنام نہیں کروانا آرزو!"
آرزو نے ایک نظر اسے دیکھا۔

"آپ کل آکر اپنا حساب کر لیجیئے گا۔!"
ہیڈ مسٹریس کہتی ہوئی چلی گئی۔
اور آرزو کو لگ رہا تھا، جیسے وہ ابھی گر پڑے گی۔
"آرزو۔!"
شمو اسے یوں دیکھ کر گھبرا گئی۔
"آرزو کیا ہوا۔!"
شمو اسے جھنجھوڑ کر بولی۔
"مجھے گھر لے چلو۔!"
"مگر۔!"
"چلو شمو۔ مجھے گھر لے چلو۔ ورنہ میں مر جاؤں گی۔ چلو۔ خدا کے لئے۔!"
شمو پریشان ہی اسے ساتھ لے کر باہر نکل آئی۔ آرزو کی آنکھیں چھم چھم برستی رہی تھیں۔
جب وہ باہر نکلیں تو دانش کھڑا تھا۔
"آرزو۔!" دانش اسے روتے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔
"معلوم نہیں کیا ہوا ہے بس روئے جا رہی ہے۔ بتاتی کچھ بھی نہیں۔!"
شمو بولی۔
"مجھے گھر پہنچا دو۔!"
آرزو بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔
"مگر ہوا کیا ہے!" دانش بولا۔

"آؤ گاڑی میں تو بیٹھو" شمو نے آرزو کو گاڑی میں بٹھایا۔
دانش نے گاڑی اسٹارٹ کی اور بولا۔
"اب بتاؤ آرزو کیا ہوا ہے"
"میں کچھ نہیں بتا سکتی۔!" آرزو ٹوٹی ہوئی آواز میں بولی۔
"کمال ہے!" شمو بولی۔
"میں نے تم سے کہا تھا نا راجہ۔ مجھے چمک دمک سے ڈر لگتا ہے۔!"
"آرزو خدا کے لئے بتاؤ ہوا کیا ہے۔!"
شمو نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔
"میں ذلیل ہو گئی۔ بدنام ہو گئی شمو۔ ہیڈ مسٹرس نے مجھ سے پوچھا میں نے یہ ساڑھی اور ہیرے کی انگوٹھی کہاں سے لی۔ میں بتا نہیں سکی۔ اسے شاید پہلے ہی کسی نے شک میں ڈال دیا تھا۔ اور۔ انہوں نے مجھے کہا کہ میں تمہیں اسکول میں نہیں رکھ سکتی!"
آرزو ٹوٹی ہوئی آواز میں بتا رہی تھی۔ اور دانش کے دل پر آرے سے چل رہے تھے۔ مجبوری اور بے بسی سے وہ دل مسوس کر رہ گیا۔ سوچنے لگا۔
"میں کروڑوں کا مالک۔ اور میری آرزو نوکری سے نکالے جانے پر رو رہی ہے!"
شمو بھی پریشان تھی۔
آرزو کہنے لگی۔
"میں نے راجہ سے کہا تھا۔ مجھے امارت راس نہیں آئے گی مگر۔ یہ مانا ہی نہیں!"
"یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا آرزو۔!"
"میں شرمندہ ہوں" دانش بولا۔

"تم نے تو مجھے کہا تھا یہ بہت معمولی انگوٹھی ہے ۔ !"
آرزو انگارہ بنی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی ۔
"معمولی تو ہے !" دانش آہستہ سے بولا ۔
"وہ تو کہہ رہی تھی یہ ہیرے کی انگوٹھی ہے ۔ !"
آرزو غصے سے بولی ۔
"اسے غلط فہمی ہوئی ہوگی ۔ !" دانش بولا ۔
"جو کچھ بھی ہوا ۔ میں تو تباہ ہو گئی ۔ نوکری بھی گئی ۔ اور بدنامی بھی ہوئی ۔ !"
آرزو پھر رونے لگی ۔
"تمہیں نوکری کی کیا ضرورت ہے !"
دانش بولا ۔
"ہاں ۔ بھلا ضرورت ہے مجھے ۔ گھر والے کھائیں گے کہاں سے ؟ !"
"میں جو ہوں آرزو ۔ !"
دانش بولا ۔
"تم ۔ تم خود اپنی گزر کر لو تو بڑی بات ہے "
آرزو کی بات سے دانش بے چین سا ہو گیا ۔
کہنے لگا غم نہ کرو سب ٹھیک ہو جائے گا "
شمو کو ڈراپ کر کے وہ اسے لے کر شہر سے باہر نکل گیا ۔
وہ اب تک سو رہی تھی ۔
"اب چپ ہو جاؤ نا "

"میں بدنام ہوگئی راجہ۔!"

"آرزو ایسا نہ سوچو۔ محبت کو بدنامی نہ کہو۔

"قسم ہے تمہارے ان آنسوؤں کی۔ میں تمہاری ساری کلفتیں دور کردوں گا

"ہنسو اب۔!"

"تمہاری وجہ سے سب کچھ ہوا ہے۔!"

آرزو آنسوؤں کے درمیان مسکرادی۔

"اچھا ہی ہوا۔ نوکری چھوٹ گئی۔ اب تو جلدی شادی کروگی نا۔!"

"راجہ۔!"

آرزو نے اپنا سر اس کے سینے سے لگا دیا۔

"میری آرزو۔!"

دانش نے اس کے بالوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔

"سوچوگی تو نہیں اب۔ تمہیں میری قسم۔!"

دانش بولا۔

"نہیں۔!"

"سچی۔!"

دانش اس کی آنکھوں پر انگلی رکھتے ہوئے بولا۔

"سچی۔!"

دونوں ایک دوسرے کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ آرزو کو نوکری چھوٹ جانے کا غم تھا۔

- اور دانش اپنی بے بسی پر کڑھ رہا تھا۔
- اور شام بیت رہی تھی۔
- جب وہ گھر پہنچی تو دیکھا۔ اماں کو ایک سو دو درجے بخار تھا۔ وہ اس کی تیمارداری میں لگ گئی۔

۳۵

کچھ دن یونہی بیت گئے۔

دانش اس سے ملتا۔ اسے تسلی دیتا۔

مگر وہ الجھی الجھی سی رہتی۔

اماں اور منے کو دیکھتی تو سوچتی۔ کتنے دن بیکار بیٹھی رہوں گی۔ اماں اور منے کا کیا ہوگا۔

اماں بیمار بھی تھیں۔ جمع شدہ پونجی آہستہ آہستہ ختم ہو رہی تھی۔

راجہ سے مدد لینا اسے گوارا نہ تھا۔

کچھ عجیب ادھیڑ بن میں تھی وہ۔

دو روز سے راجہ بھی نہ آیا تھا۔ وہ آرزو سے کہہ کر گیا تھا کہ وہ آٹھ دن کے لئے شہر سے باہر جا رہا ہے۔

"کوئی دور کی سواری مل گئی راجہ۔!"

آرزو نے پوچھا تھا۔

"نہیں ایک دوست بیمار ہے اس نے بلایا ہے۔"

دانش نے بہانہ بنایا حالانکہ اسے فرم کے کام سے جانا تھا۔

"جلدی آنا راجہ۔!"

آرزو جذباتی سی ہو گئی تھی۔

"جلدی آؤں گا۔ تم گھبرانا مت۔ اچھا۔!"

دانش اس سے رخصت ہوا تو اس کے لئے جہان اداس کر گیا۔

اس کا راجہ اسی شہر میں ہوتا تھا تو اسے یہ شہر سجا سجا لگتا تھا۔ لیکن اب راجہ اس شہر میں نہیں تھا تو اسے یوں لگتا تھا جیسے اس شہر کی ساری رونق راجہ سمیٹ کر لے گیا۔

اداس ویران سی وہ اماں کے لئے دلیا پکا رہی تھی کہ شمو آ گئی۔

شمو اداس سی تھی۔

باورچی خانے میں ہی پیڑھا سرکا کر بیٹھ گئی۔

شمو کو دیکھ کر آرزو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگی۔

"اسکول سے آ رہی ہو۔!"

"ہاں۔"

"کیا حال ہے اسکول کا۔!"

"تمہیں یاد کرتے ہیں سب۔!"

آرزو کے دل سے ہوک سی نکلی۔ کہنے لگی۔

"میرے اچانک غائب ہونے سے اسٹاف اور بچیوں کا کیا ایکشن ہے۔!"

"سب سمجھتی ہیں تمہاری شادی ہو رہی ہے!"

شمو نے اسے تسلی دی۔

"کسی کو کچھ معلوم نہیں۔!"

آرزو نے پوچھا۔

"نہیں ۔!"

"جھوٹ بولتی ہو ۔!"

شمو خاموش سی ہو گئی ۔

"تمہاری خاموشی کا مطلب میں سمجھتی ہوں شمو ۔!"

آرزو بھیگی پلکوں کو جھپکتی ہوئی بولی ۔

"راجہ کہاں ہے !" شمو نے پوچھا ہے ۔

"اس کا کوئی دوست بیمار ہے ۔ حیدرآباد گیا ہے ۔!"

"کب آئے گا ۔!"

"دو چار دن میں ۔ !"

"اچھا اب تم سوچو مت ۔ زندگی میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے !"

شمو اسے پیار سے دیکھتے ہوئے بولی ۔

"سوچتی ہوں کہیں نوکری کر لوں ۔ اماں اور منے کی زندگی بھی تو ہے انہوں نے ساری عمر مجھے بیٹی کی طرح رکھا اور اب انہیں میری ضرورت ہے !"

آرزو آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی ۔

تم نے نوکری کا کہا تو مجھے یاد آیا ۔

وہ اس روز چیف گیسٹ تھیں نا ۔ بیگم رشدی ہیں کوئی ۔!"

"ہاں !" آرزو بولی ۔

"وہ مجھے دوسرے روز اسکول میں ملی تھیں تمہارا پتہ پوچھ رہی تھی !"

"میرا ۔ ؟" آرزو حیرت سے بولی ۔

"ہاں انہیں تمہاری غزل بڑی اچھی لگی تھی۔ کہہ رہی تھیں کہ اچھی لڑکی ہے۔ میں سوچتی تھی اسے اچھا پروگرام پیش کرنے پر مبارکباد دوں۔!"

"پھر۔؟"

"میں نے بتا دیا کہ تم نے نوکری چھوڑی ہے!"

"پھر!"

"کہنے لگی کیوں چھوڑ دی نوکری۔!"

"تو میں نے کہہ دیا کہ اس کی شادی ہونے والی ہے۔"

"ہیڈ مسٹرس تھیں اس وقت۔؟"

آرزو نے پوچھا۔

نہیں وہ میٹنگ میں گئی تھیں۔

پھر۔!"

"باتوں باتوں میں اس نے بتایا کہ اس کے ہاں ایک جگہ خالی ہے۔!"

"جگہ خالی ہے!" آرزو نے پوچھا۔

"ہاں"

"کس قسم کی ملازمت ہے؟" آرزو نے پوچھا۔

"سوشل ادارہ ہے اس کا۔!"

"وہاں کیا کرنا ہوگا۔؟"

"آفس کا کام۔!"

"پھر۔!"

"تنخواہ بھی معقول بتائی ہے اس نے میرے خیال میں اس سے ملنا چاہیئے!"
شمو بولی۔
"مگر تم نے تو اسے بتایا کہ میں نے نوکری اس لئے چھوڑی ہے کہ شادی کا سلسلہ ہے!"
آرزو بولی۔
"تم میرے ساتھ چلو۔ دیکھتے ہیں کیسی جگہ ہے۔ اگر پسند آگئی تو باقی سب میں ٹھیک کر لوں گی!"
"کیسے؟" آرزو نے پوچھا۔
"ارے سو بہانے ہیں کہہ دوں گی۔ شادی کو ابھی دیر ہے۔ یا تمہیں میچنگ ناپسند تھی وغیرہ وغیرہ!"
"چاہتی تو میں بھی یہی ہوں کہ نوکری کروں۔ اور اگر اچھی نوکری ہے تو کیا برا ہے!"
"ہاں اور کیا۔ تمہاری ایک فکر تو دور ہو گی۔!"
"ہاں واقعی۔!"
"تو پھر صبح چلیں۔!"
"ہاں۔ صبح میں اسکول سے چھٹی لے لوں گی۔ اس کا پتہ میں نے احتیاطاً پوچھ لیا تھا!"
شمو بولی۔
"ٹھیک ہے۔!"
"راجہ کیا کہتا تھا شادی کے لئے۔!" شمو مسکرا کر بولی۔
"وہ تو بتا رہے ہر وقت۔!"
"پھر دیر کاہے کی۔!" شمو بولی۔

"سوچتی ہوں اماں اور منے کا کیا ہوگا۔!"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ راجہ اتنا گیا گزرا تو نہیں۔ رکھ لے گا ساتھ۔!"

شمو بولی۔

"میں یہ نہیں چاہتی۔!"

"کیوں۔!"

"عجیب سا لگتا ہے۔ اور پھر اماں بھی تو تیار نہیں ہوں گی کہ وہ راجہ کے ساتھ رہیں!"

"کبھی بات ہوئی ہے اماں سے!" شمو نے پوچھا۔

"ایک روز کہہ رہی تھیں کہ تمہاری شادی کر دوں تو خود اپنے بھائیوں کے پاس گاؤں چلی جاؤں گی۔ میں نے کہا میں تو اپنے سے آپ کو کبھی الگ نہیں کروں گی۔!"

"پھر۔!"

کہنے لگیں۔

"ہر بیٹی کو ایک روز ماں باپ چھوڑنے پڑتے ہیں۔!"

"بڑی اچھی ہیں اماں۔!" شمو بولی۔

"ہاں کبھی کبھی سوچتی ہوں۔ یہ بھی ماں ہے۔ اور ایک میری ماں تھی جو بیٹی کو اپنے پاؤں کی زنجیر سمجھتی تھیں۔"

آرزو کی بڑی بڑی آنکھوں میں اداسی کی لکیریں کھنچ گئیں۔

"کیسی ماں تھی وہ!" شمو نفرت سے بولی۔

"ماں کے نام پر ایک بدنما دھبہ۔ اور کیا۔"

آرزو بولی۔

"تمہیں کچھ یاد ہے۔!"

"میں بہت چھوٹی تھی۔ ایک خاکہ سا ہے ذہن میں۔ ابو یاد ہیں۔!"

"ہاں اس وقت میری عمر کوئی پانچ چھ سال تھی۔ ابو کو ایک ڈاکٹر روز انجکشن لگانے آیا کرتا تھا۔ مجھے بڑا پیار کرتا تھا۔ اس نے مجھے ایک روز جاگرامی سے ملوایا تھا۔

کہاں۔!"

"معلوم نہیں۔ مجھے اتنا یاد ہے ایک بنی ٹھنی عورت تھی جس نے مجھے کھلونے اور ٹافیاں دی تھیں اور ایک بار چمٹا کر خوب پیار کیا تھا۔!"

"پھر۔!"

"پھر اماں کے حوالے کر دیا تھا۔ اماں نے اسے بہت سمجھایا تھا۔ مگر وہ ایک ہی لفظ کہتی تھیں۔ جو مجھے اب تک یاد ہے۔!"

"کیا۔!"

"یہی کہ اس لڑکی کو پاؤں کی زنجیر نہیں بناؤں گی۔!"

"تمہارے ابو سے طلاق لے لی تھی اس نے۔!"

ثمو نے پوچھا۔

"معلوم نہیں کچھ عرصے بعد ابو مر گئے۔!"

آرزو ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے بیتا زمانہ یاد کر رہی تھی۔

"پھر کبھی نہیں آئی وہ۔!"

"نہیں۔ اماں اور ابا مجھے اس گھر سے گاؤں لے گئے۔ پھر ہم شہر آگئے۔ اماں نے مجھے اسکول داخل کروا دیا۔ ابا مل میں کام کرنے لگے۔ مجھے انہوں نے کبھی احساس نہیں ہونے دیا

شمو کہ یہ میرے ماں باپ نہیں۔ بہت پیار سے رکھتے تھے۔!"

"دنیا میں اچھے لوگ ابھی زندہ ہیں۔!"

شمو بولی۔

"ہاں۔ اگر یہ بھی نہ ہوتے تو جانے آج میں کہاں ہوتی۔ کس حال میں ہوتی!"

"معلوم نہیں تمہاری ماں زندہ ہے یا مر گئی۔!"

"میرے لئے تو اسی روز مر گئی تھی۔ شمو۔ اب زندہ بھی ہو تو میرا اس سے کیا رشتہ۔ ابو نے مرتے مرتے مجھ سے ایک لفظ کہا تھا جو مجھے آج تک یاد ہے!"

"کیا۔؟"

"یہی کہ کبھی دولت کی خواہش نہ کرنا بیٹی۔!"

شمو ایک آہ بھر کر رہ گئی۔

"مجھے کبھی کبھی راجہ سے بھی ڈر لگتا ہے۔!"

آرزو بولی۔

"کیوں۔!"

"راجہ ہے تو امیر خاندان سے۔ سوچتی ہوں کبھی بھی راجہ اپنے بھائی کی طرف پلٹ گیا تو۔ تو میرا کیا ہوگا۔

آرزو کانپ سی گئی۔

"اگر ایسا ہو بھی گیا آرزو۔ تو تم سکھی رہو گی۔ کیونکہ راجہ تم سے بے حد پیار کرتا ہے۔!"

"نہیں نہیں۔ میں اسے دولت کی طرف کبھی نہیں جانے دوں گی۔!"

"کبھی کبھی تو جنونی سی لگتی ہو۔!"

شمو ہنس کر بولی۔

"کیوں۔!"

"یہ بھی کوئی ضد ہے۔ اس بے چارے کو اس کا حق مل جائے تو کیا برا ہے!"

آرزو خاموش سی ہو گئی۔

شمو صبح آنے کا وعدہ کر کے گھر چلی گئی۔

اور آرزو اداسیوں کے سمندر میں ڈوبنے تیرنے لگی۔

۳۶

آرزو شمو کے ساتھ سوشل ادارہ برائے خواتین کے دفتر میں بیٹھی بیگم رشدی کا انتظار کر رہی تھی۔

خواتین کی چہل پہل تھی۔ کہیں کشیدہ کاری کی کلاس ہو رہی تھی اور کہیں خواتین دستکاریاں سیکھ رہی تھیں۔

آرزو کو ماحول بھا گیا۔

کہنے لگی۔

"اگر ملازمت مل گئی تو اچھا ہے۔ مجھے جگہ پسند آگئی ہے۔!"

"بیگم صاحبہ کو تم پسند ہو۔ میرے خیال میں کام ہو جائے گا۔!"

تھوڑی دیر میں ہی بیگم صاحبہ آگئیں۔

"آپ خیریت۔ بیٹھیے۔!"

بیگم رشدی بیٹھتی ہوئی بولیں۔ آپ کیسی ہیں

شمو جلدی سے بولی۔

"فائن۔ یہ آپ کی وہی دوست ہیں۔ کیا نام تھا ان کا۔!"

مسز رشدی آرزو کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"آرزو۔!"

"ہاں۔ آپ بہت اچھا گاتی ہیں۔ مجھے اس روز آپ کی غزل بہت پسند آئی تھی!"

"شکریہ۔!"

آرزو آہستہ سے بولی۔

"ہمارا ادارہ دیکھا آپ نے۔!"

مسز رشدی بولیں۔

"جی ہاں۔ بہت اچھا ہے۔!" شمو بولی۔

"بوریت دور کرنے کے لئے میں یہاں آجاتی ہوں۔ اور غریب خواتین کی مدد بھی ہو جاتی ہے۔!"

مسز رشدی آرزو کی طرف دیکھ کر بولی۔

"آپ نے اس روز کہا تھا۔ آپ کے پاس کوئی جگہ خالی ہے!"

شمو مطلب کی بات پر آتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ آفس سکریٹری کی جگہ ہے۔!"

مسز رشدی نے لاپرواہی سے کہا۔

"میں نے آرزو سے ذکر کیا تھا۔ یہ بھی گھر بیٹھی بور ہوتی رہتی ہے۔ کچھ بوریت اور کچھ ضرورت۔ اسی لئے آپ سے ملنے آئے تھے۔!"

شمو نے کہا۔

"مگر آپ نے تو کہا تھا۔ کہ کچھ شادی کا سلسلہ ہے۔!"

مسز رشدی بولیں۔

"ابھی کچھ دیر ہے شادی میں۔ میں نے اسے مشورہ دیا ہے کہ کچھ دیر ملازمت کر لو۔!"

شمو بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ آپ آفس سکریٹری کا کام کر لیں گی۔!"

مسز رشدی آرزو سے مخاطب ہوئیں۔

"جی۔ کوشش کروں گی۔!"

آرزو کھوئی کھوئی سی بولی۔

"تو ٹھیک ہے۔ تین سو روپے مل جایا کریں گے۔ آپ کو۔ آپ کل سے آجائیں۔!"

"بہت بہت شکریہ بیگم صاحبہ۔!"

شمو خوش ہو کر بولی۔

"کل آپ آئیں گی تو میرا کلرک آپ کو سارا کام سمجھا دے گا۔!"

مسز رشدی آرزو کے چہرے میں کچھ ڈھونڈتے ہوئے بولیں۔

"جی بہتر۔!"

"ہمیں اجازت دیجئے۔!"

شمو نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تو کل آرہی ہیں آپ۔!"

"جی۔!"

آرزو اس کی طرف تشکر آمیز نگاہیں ڈالتی ہوئی بولی۔

"اچھا۔ تو خدا حافظ۔!"

مسز رشدی کسی فائل پر جھک گئیں۔

آرزو اور شمو باہر نکل آئیں۔

" دیکھا۔ اسے کہتے ہیں قسمت !" شمو باہر نکل کر بولی۔

" اس دفعہ تو واقعی کمال ہو گیا!" آرزو کے چہرے پر خوشی تھی۔

" ٹیچنگ سے تو اچھی ملازمت ہے!"

" ہاں"

" بس کل سے ڈٹ جاؤ کام پر۔!"

" شمو۔!" آرزو پھر جذباتی سی ہو گئی۔

" خوش ہو جاؤ۔ ہر موقع پر رلانے کے لئے تیار رہتی ہو۔!"
شمو نے اسے پیار بھری ڈانٹ سے کہا۔

" تم۔ تم۔ تمہارے احسانات کا بدلہ کیسے چکاؤں گی۔!"
آرزو بولی۔

" ہٹاؤ بھی اب۔ وہ تمہارا راجہ نہیں آیا۔!"
شمو بات بدلنے کی خاطر بولی۔

" چار دن رہ گئے ہیں اس کے آنے میں !"

" بڑی حسابی ہو گئی ہو۔!"

" کب گزریں گے یہ چار دن!" آرزو کی آنکھوں میں محبت کا نشہ تھا۔

" توبہ توبہ۔ کیا کر دیا ہے تمہیں راجہ نے۔ تم تو بات نہیں کر سکتی تھیں۔ اور اب تو بے چینی کو زبان بھی چلی گئی۔!"

" جادو کر دیا ہے!" آرزو مسکرائی۔

" ہاں جو سر پر چڑھ کر بول رہا ہے۔!"

"تم بھی کہیں لگ جاؤ اب!" آرزو ہنس کر بولی۔

"کہاں دیوار کے ساتھ!"

"دیوار کے ساتھ نہیں۔ میرے دولہا بھائی کے ساتھ!" آرزو ہنسی۔

"تمہارے دولہا بھائی کی پیدائش نہیں ہوئی ان کی۔!"

"بکو نہیں!"

"اپنے ہاتھ میں لکیری نہیں!" شمو برا سامنہ بنا کر بولی۔

"مرکیوں رہی ہو۔ کہیں دیکھتی ہوں تیرے لئے بھی کوئی!"

"ڈرائیور نہ ہو؟" شمو جلدی سے بولی۔

"کیوں ڈرائیور انسان نہیں ہوتا۔"

"موبل آئل کی بو۔" شمو ناک چڑھا کر بولی۔

"چلو ہٹو۔ راجہ دیکھا ہے تم نے!" آرزو کی آنکھوں سے پیار چھلکنے لگا۔

"وہ تو بڑا بنا ٹھنا رہتا ہے!" شمو نے کہا۔

"ایسا ہی بنا ٹھنا دیکھوں گی!"

دونوں خوش خوش گھر پہنچیں۔

اماں کو خبر سنائی تو وہ اداس سی ہو گئیں۔ کہنے لگیں۔

"کب تک نوکری کرو گی۔!"

"جب تک دم میں دم ہے!"

آرزو نے اماں کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

آج وہ بہت خوش تھی۔ ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔

٣٧

مسز رشادی کے ہاں کام کرتے

آج اسے دوسرا دن تھا۔

وہ بڑی مطمئن تھی۔

کام بھی کم تھا۔

کچھ چٹھیاں لکھنی۔ رجسٹر میں اندراج کرنا بکنے والے سامان کی فہرست تیار کرنی۔ اور بیگم صاحبہ کے ٹیلیفون اٹینڈ کرنا۔

بیگم صاحبہ سارے دن میں صرف چند گھنٹے آتیں۔ کام چیک کرتیں اور چلی جاتیں۔

آرزو کو بیگم صاحبہ کے کمرے سے ملحق ایک چھوٹا کمرہ ملا تھا۔ دو کرسیاں ایک ٹیبل۔ ٹیبل پر پڑا ہوا ایک ٹیلیفون جس کا کنکشن اندر بیگم صاحبہ کے پاس تھا۔

چپراسی آج کا رجسٹر دے گیا اور وہ اشیاء کا اندراج کرنے لگی۔

"مس آرزو۔!"

بیگم صاحبہ نے اسے آواز دی۔

"جی!"

وہ جلدی سے پردہ ہٹا کر بیگم صاحبہ کے کمرے

میں چلی گئی ۔

"بیٹھو ۔ !"

"شکریہ ۔ !"

وہ اس کے سامنے ہی کرسی پر بیٹھ گئی ۔

"کیسا لگا کام تمہیں ۔ !"

"بہت اچھا ۔ اور دلچسپ ۔ !"

"ہوں ۔ گڈ ۔ کوئی مشکل تو نہیں ہے ۔ !"

"جی نہیں ۔ !"

"چائے پیو گی ! " بیگم رشدی مسکرا کر بولی ۔

"میں نے ابھی پی ہے ! " آرزو بولی ۔

"پی لو ۔ !"

بیگم صاحبہ نے بیل پر ہاتھ رکھا ۔ اور چپراسی کو چائے کے لئے کہا ۔

کچھ دیر اس کی طرف دیکھنے کے بعد کہنے لگیں ۔

"کہاں رہتی ہو ۔ !"

"جی چوبرجی ۔ !"

"گھر میں اور کون ہے ۔ ! " مسز رشدی نے پوچھا ۔

ماں اور چھوٹا بھائی ۔

"ہوں ۔ شادی کہاں ہو رہی ہے تمہاری ۔ !"

"جی ۔ وہ ۔ !"

آرزو کا رنگ سرخ سا ہو گیا۔
میرا مطلب ہے لڑکا کیا کرتا ہے۔
"ٹیکسی ہے اس کی۔"
"ٹیکسی ڈرائیور ہے۔!"
مسز رشدی تیوری پر بل ڈال کر بولیں۔
"جی۔!"
"اچھا!" مسز رشدی اپنی آواز میں حیرانگی لاتے ہوئے بولیں۔
"کب ہے شادی۔؟"
"شمو یونہی تنگ کرتی ہے مجھے۔ چند ماہ تک تو ارادہ نہیں۔!"
آرزو شرما سی گئی۔
"ہوں۔!"
چائے آ گئی۔ آرزو نے جلدی جلدی اپنا پیالہ ختم کیا اور یوں بھاگی جیسے پکڑے جانے کا ڈر ہو۔
معلوم نہیں کیا بات تھی۔
مسز رشدی کا سامنا کرتے ہوئے کچھ عجیب سی گھبراہٹ ہونے لگتی اسے۔
ابھی وہ اپنے حواس درست نہ کرنے پائی تھی کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اس نے ریسیور اٹھایا
"ہیلو!"
"بیگم رشدی ہیں۔!"
کوئی آدمی تھا۔

"جی ہاں۔ آپ کا نام۔!"

"کہہ دو صابر بات کرنا چاہتا ہے۔!"

اس نے جلدی سے اندر کا کنکشن ملایا۔

"مسز رشدی نے اٹھایا۔ کون۔!"

"کوئی صابر بات کرنا چاہتا ہے!" آرزو بولی۔

"اسے کہو کہ مسز رشدی نہیں ہیں۔!"

مسز رشدی جھلائی ہوئی سی بولیں۔

"جی مگر۔ میں نے تو اس سے کہہ دیا ہے کہ آپ موجود ہیں۔!"

آرزو گھبرا سی گئی۔

"کہہ دو چلی گئی ہیں۔!"

"جی بہتر۔!"

"اور ہاں سنو۔!"

"جی۔!"

"صابر کا جب بھی فون آئے کہہ دیا کرو میں نہیں ہوں۔"

"جی بہتر۔!"

آرزو مسز رشدی کی طرف کا سوئچ آف کر کے کہنے لگی۔

"وہ چلی گئیں۔"

"بہانہ بناتی ہے!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں جی۔ وہ جا چکی ہیں۔!"

"اچھا تو جب آئے اس سے کہہ دینا میرا قیام صرف چند روز کا ہے۔!"
اور میرا مطالبہ کل پورا ہو جائے۔
آرزو نے ٹیلیفون بند کیا۔ اور پریشان سی اٹھی۔ مسز رشدی کو بتایا۔ تو اسے غصہ آ گیا۔
کہنے لگی عجیب آدمی ہے۔
آرزو خاموش سی اپنی کرسی پہ آ بیٹھی۔
گھنٹی بجی۔ مسز رشدی تھیں۔

"جی۔!"
"یہ نمبر لو۔ پوچھو دانش آ گئے ہیں۔ اگر نہیں آئے تو کب آئیں گے۔!"
دانش کے نام پر آرزو چونکی کیونکہ رابعہ نے اسے اپنے بھائی کا نام بتایا تھا۔
اس نے نمبر ملایا۔
دانش کا پی اے تھا۔
"ہیلو۔!" آرزو بولی۔
"جی فرمایئے۔!"
"دانش صاحب آ گئے ہیں۔!" دھڑکتے دل کے ساتھ آرزو نے پوچھا۔
"جی نہیں۔!"
"کب تک آئیں گے۔!"
"تین روز بعد۔!"
"کہاں گئے ہیں۔!"
"حیدر آباد۔!"

آرزو نے ٹیلیفون بند کر دیا۔ لیکن دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

راجہ کا بھائی بھی حیدرآباد گیا ہے۔ اور راجہ بھی۔

"ضرور کوئی بات ہے۔"

بیگم صاحبہ کو دانش کا بتا کر وہ حیران سی بیٹھی تھی۔ خیالات کی کڑیاں ایک دوسرے سے مل رہی تھیں۔

"دانش بیگم رشدی کا جاننے والا ہے۔!"

"راجہ۔ راجہ کیوں گیا ہے حیدرآباد۔!"

الجھن بڑھتی گئی۔

ادارہ بند ہونے کا وقت ہو گیا۔ مگر وہ ابھی تک سوچ رہی تھی۔ گھبرا کر اٹھی اور گھر کی طرف چل دی۔

٣٨

دو دن گزر گئے

آرزو دفتر میں بیٹھی تھی مگر اس کے ذہن میں
ایک ہلچل سی مچی تھی۔

بیگم رشدی نے تین روز سے کوئی چھ مرتبہ
دانش کا نمبر ملانے کو کہا تھا مگر دانش نہیں ملا تھا۔

ادھر راجہ بھی نہیں آیا تھا۔

وہ شک، حیرانگی اور پریشانی سے بالکل
سن سی بیٹھی تھی۔

بیگم رشدی ابھی نہیں آئی تھیں۔

ادارے میں اسی طرح چہل پہل تھی۔

اور وہ گم صم۔

ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔

وہی آدمی تھا۔ کہنے لگا۔

"صابر بول رہا ہوں۔!"

"ابھی بیگم صاحبہ نہیں آئیں۔!"

آرزو نے دھیمے سے کہا۔

"آپ کون ہیں۔!"

"میں ان کی سکریٹری ہوں جی۔!"

"وہ آئیں تو ان سے کہہ دینا۔ میں اپنی بات

زیادہ دہرانے کا عادی نہیں ہوں۔!"

"بہتر۔!" آرزو کچھ خوفزدہ سی ہو گئی۔

ٹیلیفون بند ہو گیا۔

بیگم صاحبہ اندر داخل ہوئیں تو اس نے صابر کا پیغام دیے لفظوں میں انہیں بتا دیا۔

ہوں۔ بیگم صاحبہ کی تیوری چڑھ گئی۔

"دانش کا نمبر ملا کر کنکشن مجھے دے دو۔!"

بیگم صاحبہ کہتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

آرزو نے دھڑکتے دل سے نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو۔!"

"کون؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"دانش صاحب ہیں؟" آرزو نے پوچھا۔

جی ہاں بول رہا ہوں۔ اس کی آواز بھی راجہ سے ملتی ہے۔ آرزو نے سوچا۔

"مسز رشدی بات کریں گی۔!"

آرزو نے کنکشن بیگم صاحبہ کی طرف کر دیا۔

لیکن جانے کیوں اس کے دل کا چور اسے کہنے لگا۔

"ان کی باتیں سنو تو سہی۔!"

"پتہ تو لگے گا دانش کیوں حیدرآباد گیا تھا۔!"

ایک بار اس نے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن پھر پیچھے ہٹا لیا۔

دل کا چور چیخ رہا تھا۔

"ان کی باتیں سنو۔!"

"ان کی باتیں ضرور سنو۔!"

"تمہیں پتہ چلے گا۔!"

اس کے ماتھے پر پسینہ ننھے ننھے موتیوں کی مانند چمکنے لگا۔

دھڑکتے دل سے اس نے ریسور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"کیا حال ہے تمہاری محبوبہ کا۔!" بیگم رشدی کہہ رہی تھیں۔

"آٹھ روز سے ملا نہیں!" دانش کے لہجے میں تشنگی تھی۔

"یاد تو آتی ہوگی۔!"

"ظاہر ہے۔!"

"دانش تم اس شہر میں نہیں تھے تو اللہ قسم رونق نہیں تھی۔!"

"اچھا۔!"

"ہاں۔!"

"اب تو رونق آگئی۔!"

"ظاہر ہے۔!"

"اچھا یہ بتاؤ شادی کب کر رہے ہو۔!"

"بہت جلد۔!"

"وہ مان گئی۔!" بیگم رشدی ہنسیں۔

"اس کی مجال ہے انکار کرے!" دانش ہنسا۔

"تمہارا بہروپ کھل گیا اس پہ۔!"

"ابھی نہیں۔!"

"اگر اسے پتہ چل گیا تو روٹھے گی نہیں وہ۔!"

"روٹھ جائے گی تو مان بھی جائے گی۔!"

"مگر تم ڈرائیور بنے کیسے۔ یہ سمجھو نہیں۔!"

"ایک لمبی داستان ہے!" دانش نے ٹھنڈا سانس لیا۔

"میرے خیال میں تم اسے بے وقوف بنا رہے ہو۔!"

"آپ کو پہچان ہے ان باتوں کی!" دانش نے طنزاً کہا۔

لیکن آرزو سے آگے سننا محال ہو گیا۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔

لٹی لٹی سی وہ کرسی پہ نڈھال سی گر پڑی۔

تو راجہ جھوٹ بولتا تھا۔

"آج تک میں بے وقوف بنتی رہی۔ راجہ اور دانش ایک ہی شخصیت ہے۔

مارے دکھ سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

چہرے پہ تھکن تھی۔

اسے یوں لگ رہا تھا

جیسے آج وہ ٹوٹ گئی ہو۔

بکھر گئی ہو۔

ریزہ ریزہ ہو گئی ہو۔

تڑپ کر وہ اٹھی اور بغیر کچھ کہے باہر نکل گئی۔

جانے راستہ کیونکر کٹا۔

- گھر جاکر وہ بستر پر گرسی پڑی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔
چہرے پر دکھ ہی دکھ تھا۔

- "راجہ۔ یہ تم نے کیا کہا۔ تم نے اپنا آپ مجھ سے کیوں چھپایا۔ اگر تم مجھے پہلے دن بتا دیتے کہ تم کون ہو۔ کیا ہو۔ تو میں اسی وقت اپنے دل کو سمجھا لیتی۔!"
مگر اب!

- اب تم نے بہت دور لے جاکر مجھے دھکا دیا ہے راجہ۔ میں کیا کروں!"
آہ کتنی بدنصیب ہوں میں۔ پیار بھی ملا۔
تو کہاں۔!

- مجھے دولت سے نفرت ہے میں ایڑیاں رگڑتے ہوئے باپ کے الفاظ کیسے بھول جاؤں۔!
نہیں راجہ!
میں اپنے باپ کے الفاظ نہیں بھولوں گی۔!
اس نے صدق دل سے دعا مانگی۔!
مجھے صبر دے۔ مجھے حوصلہ دے۔!
روتی روتی وہیں سو گئی۔
شام ہوگئی۔
تو منّے نے آکر اسے جگایا۔ آنسو اس کے گالوں پر جمع ہوئے تھے۔
"آپا۔!" منا اس کا کندھا جھنجھوڑ کر بولا۔
"ہوں۔!"

"آپا باہر راجہ آیا ہے !"
"کیا کہتا ہے !" آرزو بے چین سی ہو گئی۔
"آپ کو بلا رہا ہے۔ !"
اس سے کہہ دو کہ چلا جائے۔ منا جانے لگا تو کچھ سوچ کر اس نے منے کو آواز دی۔
"سنو۔ !"
"کیا آپا۔ !"
"اس سے کہو ٹھہرے میں آ رہی ہوں۔ !"
تھکی تھکی سی اٹھی۔ باہر نکلی۔ اماں باورچی خانے میں تھیں۔
اس نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور تولئے سے منہ صاف کرتی ہوئی باورچی خانے میں آ گئی۔
میں ذرا ثمو کے ہاں جا رہی ہوں۔
"جلدی آ جانا۔ !" اماں بولیں۔
"اچھا۔ !"
وہ باہر نکلی تو دانش ٹیکسی کے پاس کھڑا تھا۔
بغیر کچھ کہے وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔
دانش مسکرایا۔
گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔
آرزو خاموش تھی۔
اور دانش مسکراتا ہوا ڈرائیو کر رہا تھا۔

آرزو اب بھی خاموش تھی۔

دانش شہر سے باہر والی سڑک پر جا رہا تھا۔

وہ کچھ نہ بولی۔ اداس سی باہر دیکھتی رہی۔

کھیتوں کے قریب اس نے گاڑی روکی اور گردن پیچھے موڑ کر بیٹھ گیا۔

وہ اب بھی چپ تھی۔

"اے۔!" دانش کی آواز میں دنیا جہاں کا پیار تھا۔

آرزو ایک نظر دیکھ کر رہ گئی۔

ناراض ہو۔

وہ اب بھی خاموش رہی۔

"معاف کر دو نا پتہ ہے میرا دوست اچھا ہو گیا۔!"

وہ اب بھی چپ تھی۔

"آرزو۔ جانے دو نا اب۔ آئندہ کبھی نہیں جاؤں گا۔!"

اس نے کان پکڑ لیے۔

آرزو کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"تمہارے آنسو دیکھ کر خوشی ہوئی!"

دانش جذبات میں بہہ گیا۔ اس نے نظر اٹھائی۔

تو وہ ہلکی ہلکی سی آواز میں کہنے لگا۔

"یہ آنسو کہتے ہیں۔ میری آرزو کو مجھ سے بہت پیار ہے۔ اور وہ میری کچھ دن کی جدائی بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ ہے نا۔!"

"اچھا اب مان جاؤ۔!"

"راجہ۔!"

آرزو کے لب کانپے۔

"کہو۔!"

"میں تمہارے بھائی سے ملنا چاہتی ہوں۔!"

وہ سخت لہجے میں بولی۔

"میرے بھائی سے۔ مگر۔ کیوں۔!"

دانش حیرت سے بولا۔

"بس ملنا چاہتی ہوں۔ اس کی آنکھیں انگارہ سی ہو رہی تھیں۔

ضرور چلو۔ کل مل لینا۔!"

"نہیں۔ میں اس سے اسی وقت اور ابھی ملنا چاہتی ہوں۔ اور تم بھی میرے ساتھ چلو گے۔!" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

"آرزو۔!"

ایک لمحے کے لئے دانش گھبرا سا گیا۔

"ہاں چلو اسی وقت!"

"مگر مجھے تو بتاؤ۔ کہ تم ایسا کیوں چاہتی ہو۔!"

"وہاں پہنچ کر تمہیں پتہ چل جائے گا۔!"

"چلو۔ میں تمہیں لئے چلتا ہوں۔!"

کچھ سوچ کر دانش نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

آرزو اسے گھور رہی تھی۔

اور دانش

اس کے یوں عجیب سے دیکھنے سے گھبرا رہا تھا۔

ایک عالیشان کوٹھی کے سامنے کار روک کر وہ آہستہ سے بولا۔

"جاؤ خود مل لو۔!"

آرزو ڈگمگا سی گئی۔

"جاؤ نا۔!"

"میں اکیلی۔!"

"ہاں۔!"

"تم بھی ساتھ چلو۔!"

"نہیں میں نہیں جاؤں گا۔!"

"تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔!"

"مجھے مجبور نہ کرو آرزو۔!"

"میری خاطر اتنا بھی نہیں کر سکتے۔!"

"چلو مگر ٹھہرو۔ پہلے پوچھ تو لو۔ بھائی جان گھر پہ ہیں یا نہیں۔!"

"وہ یقیناً گھر نہیں ہوں گے۔!"

آرزو طنزیہ بولی۔

"اس وقت ہونا تو گھر چاہیئے۔!"

دانش الجھا الجھا سا بولا۔

"پوچھ لو۔!"

"تم پوچھو۔!"

دانش گھبرا سا گیا۔

"تم کیوں نہیں پوچھتے۔!"

آرزو اسے چبھنے والی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

"اس لیے۔ اس لیے کہ وہ مجھے پہچان لے گا"

دانش نے رکتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا کہا۔!"

آرزو جلدی سے بولی۔

"میرا مطلب ہے کہ چوکیدار مجھے جانتا تو ہے نا۔!"

"تو کیا ہوا۔!"

"تمہیں آج یہ کیا سوجھی۔!" دانش مسکرا کر بولا۔

"آؤ میرے ساتھ۔!"

"تمہارا گھر ہے اور تم جھجک رہے ہو۔!"

آرزو نے طنزاً کہا۔

"بہت عرصے بعد آیا ہوں نا۔!"

"چلو دونوں ساتھ چلتے ہیں۔!"

آرزو گاڑی سے نیچے اتر آئی۔

دانش پریشان سا تھا۔ اتر کر ساتھ ہو لیا۔ اسے سمجھ نہ آرہا تھا کہ کیا کرے اور کیا نہیں۔

چوکیدار سامنے کھڑا تھا۔
• دانش نے کیپ کی اوٹ میں چہرہ چھپانے کی کوشش کی۔
اور چوکیدار سے کہنے لگا۔
"صاحب گھر پر ہیں۔!"
"جی نہیں!" چوکیدار بولا۔
"ہم انتظار کر لیتے ہیں۔!"
آرزو دانش کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔
• چوکیدار نے کچھ مزید پوچھنا چاہا لیکن دانش کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ اور بولا۔
"صاب آپ!"
"اچھا ہم اندر چلتے ہیں۔!"
• دانش نے اس کے منہ کی بات اچک لی۔
اور آرزو کا ہاتھ پکڑ کر جلدی سے گھسیٹ کر اندر لے گیا۔
• چوکیدار کا منہ اب تک حیرت سے کھلا ہوا تھا۔
• دانش نوکروں سے بچتا ہوا ڈرائنگ روم کی طرف آ گیا۔
نوکر نے ڈرائنگ روم کھولا اور بولا۔
"انور صاحب آپ کا انتظار کر کے ابھی گئے ہیں صاحب!"
• آرزو نے کٹتی ہوئی نگاہ سے دانش کی طرف دیکھا۔
دانش گھبرا سا گیا۔
اور نوکر سے کہنے لگا۔

"تم جاؤ۔!"

نوکر باہر نکل گیا۔

اور دانش ہنس دیا۔ کہنے لگا۔

"اصل میں میری شکل بھائی جان سے ملتی ہے نا۔ سب کو مجھ پر انہیں کا دھوکا ہو رہا ہے!"

آرزو خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی ہر حرکت نوٹ کر رہی تھی۔

"چلو آرزو۔ آؤ چلیں۔ یہ آج کیا ضد کر بیٹھیں تم۔!"

دانش اس کے چہرے پر آئی ہوئی لٹ سنوارتے ہوئے بولا۔

"صاحب آپ کا فون ہے۔!"

نوکر اندر آ کر بولا۔

"میرا فون۔!"

اس نے ایک نظر آرزو پر ڈالی۔

"جاؤ دیکھو تو کس کا فون ہے۔!"

آرزو طنزیہ بولی۔

"بھائی جان کا فون ہوگا۔ میرا کیسے۔؟"

"ایک لمحے کے لئے اپنے آپ کو وہی سمجھ لو۔!"

آرزو چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

دانش تذبذب کے عالم میں اٹھا اور بیڈ روم کی طرف چل دیا۔

آرزو نے بھی ایک لمحہ ضائع نہ کیا اور اس کے پیچھے چل دی۔

دانش نے رسیور کان سے لگایا۔

بیگم رشدی تھیں۔

دانش نے بغیر بولے فون بند کر دیا۔ پلٹ کر دیکھا

آرزو بھی ساتھ ہی کھڑی تھی۔

"تم یہاں۔!"

دانش حالات سے مقابلہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو ہمت دلاتے بولا۔

"ہاں سوچا تمہارا بھائی کا گھر دیکھوں۔ وہ کمرے میں ادھر ادھر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔

اچانک اس کی نظر سامنے وارڈروب میں لٹکے کوٹ پر پڑی۔

ڈرائیور کی وردی۔ اور ساتھ ہی وہ تین ڈرائیور کیپ۔

آرزو نے کیپ اٹھالی۔

کہنے لگی۔

"میرے راجہ کی کیپ یہاں !"

"آرزو۔!"

دانش بے چین سا ہو گیا۔

"کون ہیں آپ۔!"

آرزو کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

"آرزو۔ میں۔ تمہارا راجہ۔!"

"بس کیجئے۔ صاحبزادہ دانش حیات۔!"

جلتی ہوئی آنکھوں اور غضبناک اور کانپتی ہوئی آواز سے وہ کہنے لگی۔

"بہت ہو چکا۔ بہت بے وقوف بنالیا آپ نے۔ آپ کے لئے تو یہ کھیل ہے لیکن

مجھے تو تباہ کر دیا آپ نے۔ میں اپنا راجہ کہاں سے لاؤں گی۔!"

"آرزو۔!"

دانش نے اس کے کانپتے ہوئے وجود کو اپنی باہوں میں لینا چاہا۔

لیکن وہ تڑپ کر علیحدہ ہو گئی۔

"آرزو۔ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ مجھے اپنی محبت کی قسم۔ ایک اتفاق تھا۔ اور تم تک پہنچنے کے لئے اس اتفاق کا سہارا لینا میرے لئے ضروری ہو گیا۔ میں نے ہر قدم پر تمہیں بتانا چاہا کہ میں کون ہوں۔ کیا ہوں مگر۔ مگر تمہاری باتوں نے مجھے خوفزدہ کر دیا۔ تمہیں دولت سے نفرت تھی۔ اور۔ میں یہی سوچ کر گھبراتا تا کہ اگر تمہیں علم ہو گیا کہ۔ میں۔ میں کون ہوں تو کہیں تم مجھ سے چھن نہ جاؤ۔!"

"مجھے دولت سے نفرت تھی۔ نفرت ہے۔!"

"آرزو خدا کے لئے سمجھو تو۔!"

دانش کے چہرے پر بے بسی تھی۔

"مجھے تم سے نفرت ہے دانش۔ میں جا رہی ہوں۔!"

"آرزو میں مر جاؤں گا۔!"

دانش ٹوٹی ہوئی آواز میں بولا۔

آرزو کی آنکھوں میں حزن و یاس کی گھنگھور بدلیاں امڈنے کو بیتاب تھیں۔

ٹوٹتی ہوئی سانسوں کے درمیان کہنے لگی۔

"دانش صاحب، مجھ بدنصیب کے پاس تو پہلے ہی کچھ نہیں۔ تم نے میرا راجہ بھی مجھ سے چھین لیا۔ تم کتنے بے درد ہو۔ کتنے کٹھور۔!"

"میں تمہارا راجہ ہوں آرزو۔ تم چاہو گی تو۔ میں سب کچھ چھوڑ دوں گا۔ تم جیسے کہو گی ویسا ہی ہو گا۔ مگر خدا کے لئے مجھ سے روٹھ کر نہ جاؤ۔!"

"میں مر جاؤں گا آرزو۔!"

"آرزو تم میرا پیار ہو۔ میری زندگی ہو میری جان ہو۔!"

لیکن آرزو نے کچھ نہ سنا۔

سامنے جاتی ہوئی ایک ٹیکسی ان کے سامنے رکی۔

بغیر کچھ کہے آرزو اس میں جا بیٹھی۔

آرزو نے زور سے دروازہ بند کیا۔

دانش کھڑا رہ گیا۔

اور آرزو نے ٹیکسی والے کو چلنے کے لئے کہا۔

اس کا دماغ بالکل ماؤف ہو رہا تھا۔

خیالات کی کڑیاں مل رہی تھیں۔

وہ چھوٹے چھوٹے شبہے یقین میں تبدیل ہو چکے تھے۔

اسے لگا۔

جیسے وہ گھر جس کے بارے میں اس نے اور راجہ نے سوچا تھا اجڑ گیا ہو۔

اس عالیشان گھر میں رہنے والے دانش سے میرا کیا تعلق۔ میرا کیا جوڑ۔

شکست خوردہ سی غمزدہ سی۔ جب وہ گھر پہنچی تو اماں پریشان سی دروازے پر کھڑی تھیں۔ اسے دیکھ کر اماں نے اطمینان کا سانس لیا۔

آرزو بغیر کچھ کہے اپنے سیم زدہ سے کمرے میں آگئی۔

اماں بھی اس کے پیچھے پیچھے آئیں۔

- "کیا ہوا بیٹی۔!" اس کی حالت دیکھ کر وہ پریشان سی ہو گئیں۔

اس کی آنکھیں چپ چاپ برس رہی تھیں۔

"بتاؤ نا کیا ہوا۔!"

- "اماں۔وہ۔راجہ مر گیا۔" آرزو دکھی سی آواز میں بولی۔"ہائے اللہ۔مر گیا۔کیا ہوا تھا اسے۔"

سادہ لوح اماں راجہ کی موت پر افسوس کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

- ادھر آرزو کے سامنے اس کا ماضی فلم کی طرح چل رہا تھا۔

رات بیت رہی تھی۔

اور اسے۔اپنے۔لٹ جانے کا احساس تھا۔

محبت کا ماتم تھا۔

اور راجہ کے کھو جانے کا غم۔

۳۹

راحیہ دانش کیا بنا۔
آرزو کی تو بہاریں لٹ گئیں۔
اسے یوں لگتا۔ جیسے دانش نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ایک دنیا تھی۔
ایک حسین دنیا۔
جہاں خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔
رنگ ہی رنگ تھے۔ پیار ہی پیار تھا۔
مگر اب۔ وہ دنیا اجڑ گئی تھی۔
راحیہ کا دانش بننا ایک زلزلہ تھا۔ جو اس کی دنیا کو ملبے کا ڈھیر بنا گیا تھا۔
اور اب۔ ملبے کے اس ڈھیر سے دھواں سا اٹھ رہا تھا۔
وہ بے چین تھی۔
ساری رات اس نے کروٹیں بدلتے گزاری تھی۔ محبت میں عجیب سی کسلمندی تھی۔ جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔
بستر پر لیٹی وہ سوچے جا رہی تھی۔
"اب کیا ہوگا۔"
"راجہ چھن گیا مجھ سے۔"

"دانش کا اور میرا کیا جوڑ۔ وہ امیر آدمی اور مجھے دولت سے نفرت"

"نہیں نہیں۔ دانش سے میرا کوئی واسطہ نہیں، کوئی واسطہ نہیں"

میرا راجہ مر گیا، میرا راجہ مر گیا۔

آنسو اس کے گالوں سے بہہ کر تکیے میں جذب ہو رہے تھے۔ وہ یوں ہی پڑی تھی کہ اماں کمرے میں آگئیں۔

"کام پر نہیں جاؤ گی بیٹی" اماں اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"جاؤں گی اماں" اس نے کروٹ بدل کر اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

"تو پھر اٹھو۔ دیر ہو گئی"

"اچھا اماں"

"آرزو" اماں کچھ سوچ کر بولیں۔

"جی اماں"

"بیٹی وہ تم کہہ رہی تھیں راجہ مر گیا۔ کیا ہوا تھا بے چارے کو"

آرزو چپ سی ہو گئی۔

"کیا سوچا تھا میں نے اس کے لیے" اماں حسرت سے بولیں۔

"کیا سوچا تھا" آرزو نے چونک کر پوچھا۔

"مجھے وہ اچھا لگتا تھا، شریف تھا، تم بھی اس کی تعریف کرتی تھی" اماں بولی۔

"وہ بڑا دھوکے باز ہے اماں" آرزو پھٹ پڑی۔

"کیا کہہ رہی ہو بیٹی" اماں حیرت سے آرزو کا منہ تکنے لگی۔

"ہاں اماں۔ وہ راجہ نہیں دانش تھا"

اماں کے پلے اب بھی کچھ نہ پڑا کہنے لگیں جانے کیا کہہ رہی ہو تم۔؟

"تم نہیں جانتی اماں۔ وہ۔وہ بہت دولت مند آدمی ہے۔ یونہی ٹیکسی ڈرائیور بنا ہوا تھا"

"اچھا" اماں نے انگلی دانتوں میں دبالی۔

"ہاں اماں۔ اور۔ اب ہمارا اس کا کیا جوڑ وہ امیر آدمی اور ہم غریب"

"تو یہ کتنا دھوکا ہے دنیا میں" اماں افسوس بھرے لہجے میں بولیں۔ پھر آہستہ سے کہنے لگیں۔

"شمو نے مجھے بتایا تو میں خوش ہو گئی۔ سوچتی رہتی تھی کہ میری زندگی میں تو اپنے گھر کی ہو جائے تو میں اپنے بھائی کے پاس گاؤں چلی جاؤں۔ جب شمو نے مجھے راجہ کے لئے کہا تو مجھے بڑا اطمینان ہو گیا۔

مگر اب۔ چلو خیر اللہ بہتر کرے گا۔ اللہ تیرے نصیب نیک کرے۔ اماں نے آرزو کا سر سینے سے لگا لیا۔ اور ہمدردی پا کر وہ سیلاب جو وہ روکنے کی کوشش کر رہی تھی بہہ نکلا۔

اماں بھی آبدیدہ ہو گئیں۔ کہنے لگیں تیری ماں تو ایسی گئی پلٹ کر خبر بھی نہ لی جانے کہاں ہو گی۔

"اس کا نام نہ میرے سامنے لو۔ میری ماں تم ہو۔ جس نے مجھے پالا ہے" آرزو سر اٹھا کر بولی۔

"ہاں بیٹی میں تیری ماں ہوں" اماں نے آرزو کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔ اور کہنے لگی۔

"اٹھو منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کر لو۔"

"جاؤ۔" اماں کی نظروں کے پیار نے اسے اٹھنے پر مجبور کر دیا۔ ورنہ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ خاموش پڑی اپنی محبت کا سوگ مناتی رہے۔

اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ چائے کی پیالی حلق میں اتاری اور کپڑے بدل کر باہر نکل آئی۔ چہرہ ایک ہی دن میں سفید پڑ گیا تھا۔ آنکھیں انگارہ سی ہو رہی تھیں۔

وہ بس اسٹاپ پر کھڑی تھی کہ اس نے دیکھا۔ دانش اپنی کالی مرسڈیز لئے اس کے پاس سے گزرا۔ اس نے منہ پھیر لیا۔

دانش نے اسے نہیں دیکھا۔ لیکن اس کا رخ آرزو کے گھر کی طرف تھا۔

پہلی بس شاید گزر چکی تھی۔ اس لئے بس اسٹاپ خالی تھا اور بس کے آنے میں ابھی پندرہ منٹ رہتے تھے۔

آرزو گھبرا سی گئی۔ وہ دانش کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی دیکھا کوئی رکشا ٹیکسی بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔

دانش کی گاڑی اس کی گلی میں مڑ گئی۔ اور تھوڑی ہی دیر میں وہ اسے نہ پا کر واپس آ گیا۔

آرزو منہ پھیرے کھڑی تھی۔ لیکن دانش نے دیکھ لیا۔ گاڑی روک کر وہ اس کے قریب آ گیا۔ وہ بدستور منہ پھیرے رہی۔

"آرزو!" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد دانش آہستہ سے بولا۔

آرزو نے پلٹ کر دیکھا۔ دانش اس کی انگارہ سی آنکھیں دیکھ کر بے چین سا ہو گیا۔ حالانکہ حالت اس کی بھی کچھ کم نہ تھی۔ آنکھیں سرخ، چہرہ تھکا تھکا سا۔ جیسے رات بھر

جاگتا رہا۔

"آرزو" وہ جذباتی سی آواز میں بولا۔

آرزو صرف نظر اٹھا کر رہ گئی۔

"کب تک روٹھی رہو گی" اس کے لہجے میں پیار تھا تشنگی تھی۔ جذباتی گھٹن تھی۔

"میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ میں تمہیں نہیں جانتی" وہ گھٹے ہوئے لہجے میں بولی۔

"اتنی اجنبی نہ بنو" "میں تمہارے لیے اجنبی ہوں"

"تم میری آرزو ہو"

"مجھے پریشان نہ کرو"

"خدا کے لیے سوچو آرزو۔ میری محبت۔ میرے پیار کو سمجھو۔ میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ بلکہ ایک اتفاق تھا" اس نے ایک بار پھر اپنی بات دہرائی۔

"تمہاری تقریر میں کل سن چکی تھی" اس کی آواز میں کھردرا پن تھا۔

"آرزو" "جاؤ لوٹ جاؤ۔ میرے اور تمہارے راستے الگ ہیں"

"میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ہم ایک ہیں"

"ہونہہ" وہ طنزیہ انداز میں ہنسی۔

"میں آج تمہاری اماں کے پاس آؤں گا" وہ پیار سے بولا۔

"اس کی اب ضرورت نہیں رہی" اس کی آواز میں بیگانگی تھی۔

"کیوں۔!" "کیونکہ مجھے تم سے نفرت ہے" "اپنے راجہ سے نفرت کرو گی؟"

"میرا راجہ مر گیا" اس کی آنکھیں چھلک آئیں۔

"میں تمہارا راجہ ہوں آرزو۔ تم۔ تم جو چاہو گی ویسا ہی ہو گا"

"میں اب کچھ نہیں چاہتی۔"

"اچھا۔ آؤ کہیں چلتے ہیں۔ فیصلہ کرلیں گے۔ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے اس کے بعد تم جو چاہو گی۔ جیسے چاہو گی وہی ہوگا۔"

"مجھے ڈیوٹی پر جانا ہے۔ دیر ہو رہی ہے۔" وہ جھلاسی گئی۔

"ڈیوٹی؟"، دانش حیرت سے بولا۔

"ہوں۔" کیسی ڈیوٹی۔ تم نے تو نوکری چھوڑ دی تھی دوسری جگہ کرلی۔ مگر تم یہ سب کیوں پوچھتے ہو۔ میرا اب تم سے کوئی واسطہ نہیں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"اچھا چلو آؤ۔ بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔ سڑک پر اچھا نہیں لگتا۔" دانش بگڑے ہوئے پیار کو منانے کا جتن کر رہا تھا۔

لیکن وہ تو پتھر بن گئی تھی۔ سخت لہجے میں کہنے لگی۔

"میں نے فیصلہ کرلیا ہے اور میرا فیصلہ اٹل ہے۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"

"آرزو۔" دانش بے بس سا ہو گیا۔ اسی لمحے بس آگئی۔

آرزو جلدی سے بس میں سوار ہو گئی اور دانش دیکھتا رہ گیا۔

کچھ سوچ کر وہ دفتر چلا آیا۔

شمو کے اسکول کا نمبر ڈائل کیا۔ ہیڈ مسٹریس بول رہی تھی۔

"مس شمیم کو بلا دیجیے۔" دانش نے کہا

"بہتر ہولڈ کیجیے۔" ہیڈ مسٹریس نے شمو کو بلا بھیجا۔

شمو آئی تو دانش بولا "میں راجہ بول رہا ہوں شمو۔"

"ہاں بھیا۔ کیا حال ہے؟" شمو نے خوشدلی سے کہا۔

"اچھا ہوں" "کب آئے آپ؟"

"پرسوں شام پہونچا ہوں"

"اور کیا حال ہے" شمو ہنسی۔

"مجھے تم سے ضروری بات کرنا ہے شمو۔ مجھے کہیں مل سکتی ہو؟"

"خیریت ہے" شمو بولی۔ "خیریت نہیں ہے نا۔ میں بہت پریشان ہوں۔ مجھے آج ضرور ملو" دانش بولا۔

"میرے تین پیریڈ خالی ہیں۔ آپ بتائیں کہاں آجاؤں" شمو نے کہا۔

"تم آج چھٹی لے لو۔ بہت ضروری کام بھی ہے"

"اچھا" "تو تم باہر نکلو۔ میں گاڑی لے کر آتا ہوں"

"بہتر" شمو نے فون رکھ دیا۔ اور ہیڈ مسٹرس کو ضروری کام بتا کر گیٹ سے باہر نکل آئی تھوڑی ہی دیر میں دانش پہنچ گیا۔ دانش کو مرسڈیز گاڑی میں اور اچھے لباس میں دیکھ کر وہ حیران سی رہ گئی۔

"تم۔ راجہ۔ ہو" وہ حیرت سے بولی۔

"ابھی سب کچھ سناتا ہوں۔ آؤ چلو" دانش نے گاڑی کا دروازہ کھول کر کہا۔

"مگر۔ کہاں" شمو اسے دیکھ کر حیران بھی تھی اور پریشان بھی۔

"کہیں چلتے ہیں" "آرزو کہاں ہے" "وہ ڈیوٹی پر گئی ہے"

"جھگڑا ہو گیا کیا" شمو گاڑی میں بیٹھتی ہوئی بولی۔

"کوئی ایسا ویسا۔ ذہنی تو پریشانی ہے"

"تم کہو تو تمہارے گھر چلیں" دانش بولا۔

"وہاں میں تمہیں نہیں لے جا سکتی"

"تو انور کے گھر چلتے ہیں۔ وہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں"

"جیسے تمہاری مرضی" دانش اسے انور کے گھر لے آیا۔ انور کی اماں دانش کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھ کر متحیر تھیں لیکن دانش جلدی سے بولا۔

"امی یہ میری منہ بولی بہن شمو ہے"

شمو نے سلام کیا۔ "جیتی رہو" اماں نے دعا دی۔

"چائے پیوں گا امی" دانش بولا۔

"ابھی بناتی ہوں۔ تم بیٹھو" اماں بولیں۔

"انور کہاں ہے"

"باہر نکل گیا صبح ہی" اماں بولیں۔

"اچھا" اماں چائے بنانے چلی گئیں۔ تو دانش نے شروع سے آخر تک کا قصہ شمو کو سنا دیا۔

شمو اب تک حیران تھی۔ اور دانش کہنے لگا۔

"میری اچھی بہن اس جذباتی سی لڑکی کو سمجھا دو"

"حیرت ہے۔ کیسا اتفاق تھا" شمو بولی۔

"یہ میں بتا دوں شمو بہن۔ اگر وہ مجھے نہ ملی تو میں مر جاؤں گا"

"حوصلہ رکھو بھیا۔ میں کچھ کرتی ہوں۔ ویسے وہ ہے بڑی ضدی"

"یہ تو میں جانتا ہوں" دانش مسکرا دیا۔ "مگر میری آخری امید تم ہو۔ اور تم سے

میں مایوسی کی بات نہیں سننا چاہتا ؟" شمو مسکرا دی۔

" اللہ بہتر کرے گا مگر اب جلدی سے شادی کرلو ؟"

" ابھی کرا دو ؟" دانش بولا۔

" میں نے ایک روز آرزو کی اماں سے بات چھیڑی تھی ؟"

" پھر ؟" دانش بولا۔ " وہ بے چاری تو کہتی تھیں ۔ جہاں آرزو چاہے گی وہیں اس کی شادی ہوگی ؟"

" بس تو ٹھیک ہے ۔ اب تم اس ضدی لڑکی کا غصہ ٹھنڈا کرو تو بات بنے گی ؟"

" رشوت کیا ملے گی ؟" شمو ہنس کر بولی ۔

" تمہاری بھی جلدی سے شادی کرا دوں گا ؟"

" ہٹو ؟" شمو شرما گئی ۔ " اچھا تم یوں کرو اسے شام چھ بجے اپنے ہاں بلوالو ؟"

" بڑے بے صبرے ہو بھیا ؟" شمو ہنس کر بولی ۔

" یہاں جان پر بنی ہوئی ہے اور تم بے صبرا کہہ رہی ہو ؟"

" وہ بھی تو پریشان ہوگی ؟" شمو نے کہا ۔

" اسے دیکھ کر تو میں تڑپ گیا ۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں معلوم ہوتا تھا ساری رات روتی رہی ہے ؟" دانش کی نگاہوں میں وہ جلتی ہوئی آنکھیں گھوم گئیں ۔ اسی لمحے انور کی اماں چائے لے آئیں ۔

چائے پی کر دونوں باہر آئے تو دانش بولا۔

" پھر کیا سوچا تم نے ؟" " میں ابھی اس کے گھر جاتی ہوں ؟"

" مجھے کہاں ملو گی ؟" " یہیں مل لیں گے ؟"

دانش سوچتے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہے"۔

"مگر شمو بہن تم نے یہ تو بتایا نہیں کہ آرزو نے کہاں ملازمت کرلی ہے؟" دانش نے پوچھا

"ایک سوشل ادارہ ہے۔" شمو نے جواب دیا۔

"کتنا ظلم ہے شمو۔ آرزو، میری آرزو اور نوکری کرے؟" دانش افسوس بھرے لہجے میں بولا۔

"اسے محنت کرنے سے بڑا سکون ملتا ہے۔ اکثر مجھ سے کہتی رہتی ہے کہ جو سکون جدوجہد میں ہے۔ وہ آرام کی زندگی میں نہیں" شمو بولی۔

"میرا سب کچھ اسی کا ہے شمو۔ میں نے تو فیصلہ کرلیا ہے سب کچھ اس کے ہاتھ میں دے دوں گا جو اس کا جی چاہے کرے۔ وہ چاہے گی تو میں راجہ ہی بنا رہوں گا۔ مجھے اس سے محبت ہے۔ مجھے محبت مل جائے بس اسی کی تمنا ہے۔" دانش کھویا کھویا سا بولا۔

"دولت سے نفرت تو اسے اپنی ماں کی وجہ سے ہے۔ میں اسے سمجھاؤں گی۔ سارے لوگ ایک جیسے تھوڑی ہوتے ہیں۔ دنیا میں اچھے لوگ بھی ہیں۔ یہ تو اپنا فعل ہے۔ زندگی کو جہاں موڑ دو راہوں کا تعین تو انسان خود کرتا ہے" شمو بات کر رہی تھی۔

اور دانش کو سکون سا مل رہا تھا۔ شمو کی باتوں نے اسے کس حد تک مطمئن کردیا تھا۔

کہنے لگا۔

"یہ ساری باتیں اپنی سہیلی کو سمجھانا" شمو ہنس دی۔

"تو پھر شام چھ بجے اسے ساتھ لے کر آرہی ہو؟" دانش بولا۔

"ضرور۔!"

"آؤ تمہیں ڈراپ کر آؤں" دانش نے گاڑی کا دروازہ کھول کر کہا۔

شمو گاڑی میں بیٹھ گئی۔ "پہلے اسکول جاؤ گی" دانش ڈرائیو کرتے ہوئے بولا۔

"نہیں اب کون سا وقت رہ گیا۔ مجھے آرزو کے گھر ڈراپ کردو۔ وہ اب آنے والی ہوگی"

"بہتر۔!" وہ شمو کو آرزو کے گھر ڈراپ کر کے آیا تو اس کی ڈور پھر بندھ گئی تھی۔

انور اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی بولا۔

"کہاں ہو مجنوں میاں۔!"

"آرزو روٹھ گئی انور" دانش بولا۔

"مان جائے گی" انور اطمینان سے بولا۔

"وہ کیسے؟" "اسے تم سے محبت ہے" اور یہ کم بخت بڑی ظالم شے ہے۔ چین نہیں لینے دیتی۔

دانش ہنس دیا۔ اس کی نظریں گھڑی پر تھیں۔ ابھی چار گھنٹے باقی تھے چھ بجنے میں۔

صابر نے بیگم رشدی کے آفس میں
قدم رکھا۔ کمرے سے آرزو نکل رہی تھی۔

دونوں ٹکرائے۔ آرزو بوکھلا سی گئی۔

"دیکھ کر چلا کرو" صابر مسکرا کر بولا۔

آرزو نے کھا جانے والی نظروں سے صابر
کو دیکھا اور اپنے کمرے میں آگئی۔

بیگم رشدی اسے دیکھ کر گھبرا گئیں۔ لیکن
لبوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے بولیں۔

"آؤ صابر۔!"

"یہ کون تھی" صابر کی آنکھیں اب تک
اس سوگوار سے حسن میں کھوئی ہوئی تھیں۔

"کون۔ یہ لڑکی۔!" بیگم رشدی مسکرائیں۔

"ہاں"

"میری آفس سکریٹری ہے"

"خوب ہے۔ پسند آگئی۔!" بیگم رشدی معنی
خیز لہجے میں بولیں۔

"بہت زیادہ!" صابر کے چہرے
پر وحشیانہ پن جھلک رہا تھا۔

"اچھا چھوڑو۔ یہ بتاؤ کیسے آئے ہو" بیگم

رشدی اس کی دلچسپی بھانپ گئیں لیکن تھیں شاطر۔ سیاست سے کام لیتی تھیں۔ بظاہر تو وہ اس سے دوسری بات کرنے لگی تھیں۔ لیکن صابر کی دلچسپی نے انہیں سوچ میں مبتلا کر دیا تھا۔ دماغ میں کئی طرح کے پلان گردش کر رہے تھے۔

"تم تو یوں بات کر رہی ہو جیسے تمہیں علم ہی نہیں کہ میں تمہارے پاس کیوں آتا ہوں" صابر مکروہ سی مسکراہٹ سے بولا۔

"صابر وہ بات یہ ہے کہ آج کل میرے حالات کچھ ٹھیک نہیں ہیں۔ میں تمہارا مطالبہ پورا نہیں کر سکوں گی۔"

"میں ایسی باتیں سننے کا عادی نہیں" صابر کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"میں نے تمہیں بہت رقم دے دی۔ اب مزید کچھ نہیں دے سکتی"

"کیا کہہ رہی ہو اور کس سے کہہ رہی ہو سیما بیگم!" صابر بولا۔

ہاں صابر۔ اب اس قصے کو ختم کر دو۔

"کیوں سیٹھ کی دولت کہاں گئی" صابر اسے گھورتا ہوا بولا۔

"وہ مر گیا۔ تو دولت بھی لٹ گئی" اس کے پاس اتنا پیسہ نہیں"

"تم اب بھی بڑی امیر ہو۔ کوٹھیاں، کاریں۔ بینک بیلنس میں سب جانتا ہوں۔ اور تمہیں میرا مطالبہ پورا کرنا پڑے گا۔ ورنہ تم جانتی ہو کہ اس کا انجام کیا ہو گا"

"نہیں صابر مجھ پر رحم کرو" مسز رشدی کانپ گئیں۔

"یہ مت بھولو سیما بیگم کہ آج تم جو ٹھاٹھ کر رہی ہو وہ بس میری بدولت ہیں" صابر تیز آواز میں بولا۔

"آہستہ بولو صابر"

"میں کچھ سننا نہیں چاہتا۔ پچاس ہزار کی رقم میرے حوالے کرو۔ مجھے آج رات واپس جانا ہے"

"میرے پاس اتنے روپے کہاں سے آئے" بیگم رشدی بیچارگی سے بولیں۔

"یہ رقم تم اسی وقت ادا کر سکتی ہو" صابر کی آنکھوں میں شیطانی چمک آگئی۔

"مگر کیسے"

"یہ لڑکی مجھے دے دو" صابر بولا۔

"یہ لڑکی" مگر بیگم رشدی سوچ میں پڑ گئیں۔

"یہ لڑکی مجھے دیدو تو میرا تمہارا حساب بالکل ختم۔ پھر تم کبھی میری شکل نہیں دیکھو گی سوچ لو۔ یہ سودا مہنگا نہیں"

"مگر تم۔ اپنے کہے پر قائم نہیں رہتے"

"کیسے؟" "پچھلی بار جب تم مجھ سے پچیس ہزار لے گئے تھے۔ تم نے یہی کہا تھا کہ یہ آخری قسط ہے جو تم وصول کر رہے ہو۔ مگر۔ وعدے کے بعد اب تم پھر آگئے" بیگم رشدی بولیں۔

"ضرورت آپڑی" صابر بڑی سلگاتے ہوئے بولا۔

"مگر"

"اس بار وعدہ پکا۔ یہ لڑکی مجھے دے دو۔ میں پھر کبھی نہیں آؤں گا"

"کیسے اعتماد کروں"

"جیسے میں نے تم پر کیا تھا"

بیگم رشدی کچھ سوچنے لگیں۔ "آرزو۔ آرزو بھی تو میرے راستے کی دیوار ہے جب تک آرزو ہوگی نہ دانش میرا ہوگا نہ اس کی دولت۔ آرزو کو راستے سے ہٹانے کا اس سے

زیادہ اچھا موقع نہیں آئے گا۔ لیکن صابر چھوٹا آدمی ہے۔ اس نے اس کیس کو بھی بلیک میل کرنے کا ذریعہ بنالیا تو۔"

"مگر نہیں۔ آرزو کو راستے سے ہٹانا ضروری ہے۔" وہ سوچ رہی تھی۔

اور صابر اس کے چہرے پر مٹتے ہوئے دائرے دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"جلدی کوئی فیصلہ کر لو۔ لڑکی یا پچاس ہزار"

"مگر۔ صابر۔ یہ لڑکی پڑھی لکھی اور ہوشیار ہے۔"

"تم سے زیادہ تو نہیں۔" صابر بولا۔

"مذاق چھوڑو۔ میں نے فیصلہ کر لیا۔" "کیا۔"

"یہی کہ میں پچاس ہزار نہیں دے سکتی۔"

"تم اس لڑکی کو لے جا سکتے ہو مگر ایک شرط پر۔" "کیسی شرط۔"

"وہ یہ کہ جیسے میں کہوں گی ویسے کرنا ہوگا۔" "کیا۔"

"مگر۔" "مان جاؤ۔ یہ کام ہمیں پلان بنا کر کرنا ہے۔

"کیسا پلان۔" صابر نے پوچھا۔

"کہہ دیا کہ تم شام پانچ بجے میرے گھر آنا۔"

عین اسی لمحے آرزو اندر آئی۔ وہ ہی اجڑی اجڑی سی حالت تھی۔

"آؤ آرزو۔" بیگم رشدی نے کہا۔

"میں آپ سے پوچھنے آئی تھی کہ میں چھٹی کر لوں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"ہاں ہاں مگر سنو شام چھ بجے میرے گھر آجانا۔"

"جی۔ آپ کے گھر۔؟"

"ہاں کچھ کام ہے۔ کچھ لیٹر لکھوانے ہیں۔"
"بڑے ضروری ہیں۔ آج ہی بھجوانے ہیں۔"
"جی بہتر۔ مگر مجھے آپ کا گھر معلوم نہیں۔"
"یہ لو پتہ۔!"، بیگم رشدی نے کارڈ نکال کر اسے تھما دیا۔
"میں پہونچ جاؤں گی" آرزو کہہ کر باہر نکل گئی۔
صابر کی نظریں اب تک وہیں تھیں جہاں سے وہ گئی تھی۔
"اچھا صابر۔ میں اب چلتی ہوں۔ تم شام پانچ بجے آجانا"
بیگم رشدی اٹھتے ہوئے بولیں۔
"ابھی تک تمہارے پلان کی سمجھ نہیں آئی" صابر بولا۔
"سب سمجھ جاؤ گے"، بیگم رشدی مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اور صابر بھی کچھ حیران سا گاڑی میں بیٹھ گیا۔ دونوں نے اپنی اپنی گاڑیاں اسٹارٹ کیں۔ تو مسز رشدی مسکرا دی کہنے لگیں۔
"پانچ بجے"
"ہاں۔ ضرور"
"او کے"، صابر کی گاڑی گیٹ سے نکل گئی اور وہ آہستہ آہستہ ڈرائیو کرتی ہوئی سوچ رہی تھیں۔
دانش تمہیں حاصل کرنا میری ضد بن چکی ہے۔ اور اس کے لئے مجھے آرزو کو راستے سے ہٹانا ضروری ہو گیا ہے۔
اور یہ بھی شکر ہے کہ۔ کہ صابر نے آرزو کی خود ہی تمنا کی ہے۔

میری خواہش پوری ہونے کا سبب بن رہا ہے۔
! تمہاری اتنی بڑی دولت کی میں مالک بنوں گی۔
دانش۔
کار سے اتر کر وہ کمرے میں گئیں۔
اور آرزو کو صابر کے حوالے کرنے کا منصوبہ ان کے دماغ میں گردش کر رہا تھا۔

گھڑی نے پانچ بجائے۔

صابر بیگم رشدی کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ وہ خود صوفے پر بیٹھی پستول میں گولی بھر رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے صابر چونکا مگر جلد ہی سنبھل گیا۔ "آؤ صابر بیٹھو" بیگم رشدی سنجیدہ ہو رہی تھیں۔

صابر اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا "یہ پستول سے کیوں کھیل رہی ہو؟" صابر نے پوچھا۔

"اس کی ابھی ضرورت پڑے گی۔"

"کیا مطلب" صابر بولا۔

"ابھی سمجھ میں آجائے گا۔ میرا مطلب۔ داد دو میرے دماغ کی۔ ایسا پلان بنایا ہے کہ سانپ بھی مر جائے۔ لاٹھی بھی نہ ٹوٹے" بیگم رشدی نہیں

"پلان بنانے کی تم ماسٹر ہو۔ پہلے والا پلان کیا کم بنا تھا" صابر مسکرایا۔

"چھوڑو ان باتوں کو۔ وقت بہت کم ہے اور میری بات سن لو" بیگم رشدی زوردار لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

رشدی کو دوست کی بیماری کا تار آیا ہے۔ وہ ابھی ابھی گاؤں چلا گیا ہے۔ یہ بھی اچھا ہی ہوا۔ ہاں تو سنو۔ آرزو چھ بجے آئے گی۔ میں اسے دفتری کام بتا کر باہر نکل جاؤں گی۔ تم اس وقت اس کمرے میں نہیں ہو گے۔ میرے جانے کے بعد تم آجانا۔ تم اس سے کچھ بھی کہہ سکتے ہو۔ مثلاً تم میرے بارے میں پوچھ لینا۔ اور میرے انتظار میں وہیں بیٹھ جانا۔

"پھر" صابر غور سے اس کی بات سن رہا تھا۔

"اس کے بعد تم دروازہ بند کر لینا۔ اور اسے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے کہنا۔ زبردستی کرنا۔ ظاہر ہے وہ تمہارے ساتھ جانے کو رضامند نہیں ہو گی۔ یہ پستول یہاں رکھا ہو گا۔ یہ دیکھو اس میں میں نے نقلی گولی ڈالی ہے۔"

بیگم رشدی نے گولی اور خالی پستول کو صابر کو دکھایا۔

اور پھر پستول میں وہی نقلی گولی ڈالتے ہوئے کہنے لگی۔

"تم پستول اٹھانے کی کوشش کرنا۔ لیکن ایسی کوشش کہ پستول آرزو کے ہاتھ میں چلا جائے۔ سمجھ گئے نا"

بیگم رشدی نے صابر کی طرف دیکھا۔

"یعنی وہ پستول مجھ پر چلائے" صابر بولا۔

"بالکل۔ وہ تم پر پستول چلائے گی۔ تم جانتے ہو۔ کہ یہ نقلی گولی ہے تمہیں کچھ نہیں ہو سکتا لیکن تم اس وقت مر جاؤ گے۔"

"کیا مطلب" صابر بولا۔

"یہی کہ وہ گولی چلائے گی۔ تم یہ ظاہر کرو گے کہ تم مر گئے ہو۔ مرنے کی ایکٹنگ اور کیا۔ مسز رشدی ہنسیں۔"

"اس سے کیا فائدہ" صابر بولا۔

"اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ چپ چاپ جہاں میں کہوں گی چلی جائے گی"

"پھر" صابر بولا۔

"اس کے بعد میں آجاؤں گی اور اس سے کہوں گی کہ اس نے قتل کر دیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ اور پھر یہ مجھ پر چھوڑ دو۔ میں اسے شیشے میں اتاروں گی"

"کیسے ؟"

"میں اسے بتاؤں گی کہ اسے زندہ رہنا چاہیئے۔ اور میں اسے پولیس سے چھپا لوں گی اور ایسی جگہ بھیجوں گی جہاں وہ محفوظ رہے گی۔ اور ظاہر ہے وہ جگہ تمہاری ہو گی آہستہ آہستہ تمہارے ڈھب پر چل پڑے گی"

"مگر۔ اس پلان کی ضرورت کیا ہے۔ وہ یہاں آئے گی میں اسے اٹھا کر لے جاؤں گا"

"مجھے پھنسواؤ گے" بیگم رشدی بولیں۔

"تم کیسے"

"ظاہر ہے وہ گھر سے میرے گھر کا کہہ کر آئے گی تم انکار کر دینا کہ وہ یہاں نہیں آئی"

"نہیں صابر۔ سمجھو ذرا۔ میں نے جو پلان بنایا ہے وہ واقعی کمال کا ہے ہم دونوں سیف بھی ہیں"

ماسٹر ہو پلان میں سمجھ گیا تمہیں میرے وعدے پر یقین نہیں آتا تھا تم چاہتی تھیں کہ میرے قتل کا الزام آرزو پر ہو گا۔ آرزو کو تم میرے ساتھ بھیج دو گی اور یہاں میں کبھی نہیں آسکوں گا۔ کیونکہ میں تو قتل ہو چکا ہوں۔ ٹھیک ہے نا" "یہی سمجھ لو۔" بیگم رشدی بولیں۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے منظور ہے۔" صابر ہنس کر بولا۔

"بس تو پھر تم جاؤ۔ ساڑھے پانچ ہو گئے ہیں۔ ٹھیک سوا چھ بجے آجانا۔"

"بہتر۔"

"ہوشیاری سے کام ہونا چاہیئے کہیں کوئی مصیبت نہ کھڑی ہو جائے" مسز رشدی بولیں۔

"کیوں ڈرتی ہو۔ ہم تو تمہارے آزمائے ہوئے ہیں۔" صابر بھیانک سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"اچھا دیکھو یہ پستول یہاں رکھا ہے۔" "ٹھیک ہے۔" صابر باہر نکل گیا اور مسز رشدی کے لبوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

کہنے لگی۔ "اسے کہتے ہیں سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"

شمو پچھلے تین گھنٹے سے آرزو کو سمجھا رہی تھی۔ دانش کی وکالت کر رہی تھی مگر آرزو پتھر بنی ہوئی تھی جیسے اس تک کوئی بات پہنچ ہی نہ رہی تھی۔ جیسے دانش کی طرف سے اس نے کان بند کر لئے تھے۔

"آرزو۔ کیا سوچ رہی ہو" شمو بولی۔

"کچھ نہیں"

"تم کو اچھے برے کی پہچان ہی نہیں" شمو چڑ گئی۔ "شمو مجھے مجبور نہ کرو۔ میں اور دانش ایک ندی کے دو کنارے ہیں۔ ہم کبھی ایک نہیں ہو سکتے" آرزو کی آنکھوں میں دکھ جھلکنے لگا۔

"وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ اور بے پناہ اگر تم اسے نہ ملیں تو وہ یقیناً کچھ کرے گا" آرزو کانپ سی گئی۔

شمو نے اثر ہوتے دیکھا۔ تو کہنے لگی۔

"کیا حالت ہو گئی ہے اس کی ایک دن میں پاگلوں کی طرح مارا مارا پھر رہا ہے۔ یاد رکھو اگر اس نے واقعی کچھ کر لیا تو ساری عمر اس لمحے کو تڑپو گی۔ ساری زندگی یہ احساس رہے گا کہ تم اس کی

قاتل ہو۔"

"مگر. مگر۔" آرزو کے لب کانپے۔

"فضول کی ضد چھوڑ دو۔ کوئی دولت مند اپنا تمام اثاثہ محبت کے لئے لٹانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ وہ بے چارہ تو یہاں تک تیار ہے کہ اپنا سب کچھ نہیں دیدے اور تم جو چاہو کرو۔ وہ تمہاری خاطر راجہ بننے کو تیار ہے۔"

"شمو۔" آرزو کی آنکھیں چھلکنے لگیں۔ "مان جاؤ آرزو بے کار باتیں نہ کرو۔ دولت الگ چیز ہے۔ دل الگ۔ اس کا دل دیکھو۔ اس کی چاہت دیکھو۔ وہ ہرگز ولیسا نہیں ہے جس کا تصور تمہارے ذہن میں ہے۔ اچھے برے لوگ ہر طبقے میں ہیں اپنے محلے میں ہی دیکھو کیا کیا ہوتا ہے۔ پان والے کی دوکان پر لڑکیوں کو چھیڑتے گندے فحش مذاق کرنے والے لڑکے دولت مند ہیں کیا۔ ان میں برائیاں کیوں ہیں۔ اور پھر ہمارا اوپر والا طبقہ تو مہذب ہے۔ ہمدرد ہے۔ تم۔ تم دنیا کی ایک چیز کی آڑ میں سب کو ایک ہی ترازو پر تول رہی ہو۔ دنیا میں سب کچھ ہوتا ہے۔ برائیاں بھی اور اچھائیاں بھی۔"

"شمو۔ شمو بس کرو۔" آرزو کانپی۔

"دانش ہمارا انتظار کر رہا ہوگا۔ دیکھو پونے چھ ہو گئے ہیں آؤ چلو۔" شمو بولی۔

"تم جاؤ۔ میں تھوڑا سا کام کر کے وہیں پہنچ جاؤں گی۔" آرزو آہستہ سے بولی۔

"چھوڑو کام کو۔" شمو بولی۔ "نہیں شمو۔ مجھے وہاں ضرور جانا ہے۔ میں نہ گئی تو بیگم صاحبہ کا نقصان ہو جائے گا۔" اے جی۔ جانے دو۔" شمو چڑ گئی۔

"تم جاؤ۔ میں پہنچ جاؤں گی۔" آرزو اٹھتے ہوئے بولی۔

"اچھا آؤ۔" دونوں باہر نکلیں تو شمو نے کہا "اب جاتے ہی اس کے سینے سے لگ جانا۔ بہت ستایا ہے اسے۔"

"بدتمیز۔" آرزو شرما گئی۔

دانش کے مل جانے کے تصور نے ہی اس کی ساری اداسیاں دور کر دیں۔

چہرے پر شفق امڈ آئی۔ کہنے لگی "تم ابھی اسے کچھ نہ بتانا۔"

"کیوں؟" "بس ذرا۔" "ابھی اور ستاؤ گی۔" شمو نے کہا۔

"نہیں۔ میں تو۔ میں تو خود بڑی بے چین تھی کئی بار سوچا۔ اس کے بغیر جی سکوں گی وہ کیا کچھ کرتا۔ پہل میں ہی کرتی۔" آرزو بولی۔

شمو نے راہ چلتے ہوئے رکشا کو ہاتھ دیا۔ رکشا رک گئی تو وہ کہنے لگی۔

"تم جاؤ اور جلدی آنا۔ ہم اپنی بھائی تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

اچھا۔ آرزو مسکراتی ہوئی رکشا میں بیٹھ گئی۔

کلاک نے چھ بجائے تو آرزو نے
مسز رشدی کے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا۔
مسز رشدی فائلوں پر جھکی کچھ دیکھ رہی تھی۔
"آداب بیگم صاحبہ" آرزو بولی۔
"آداب۔ آؤ آرزو بیٹھو" آرزو کرسی پر بیٹھ گئی "گھر مل گیا تمہیں آسانی سے" بیگم رشدی نے پوچھا۔ "جی ہاں"
"یہ لو۔ یہ لیٹر ہیں۔ ان کی دو دو کاپیاں بنا دو اور یہ پتے ہیں ان پر آج ہی پوسٹ کرنا ہیں" بیگم رشدی نے فائل اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔
"جی بہتر" آرزو نے فائل لے لی۔ اور میز کے قریب گئی۔ میز پر پستول رکھا تھا کہنے لگی۔
"بیگم صاحبہ یہ پستول یہاں"
"اوہ۔ یہ رشدی صاحب کی عادت سے میں تنگ آگئی ہوں۔ اس آدمی کو پستول صاف کرنے کا خبط ہے۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے ابھی یہیں بیٹھا تھا صاف کرتے کرتے بھول گیا۔ دیکھنا ہاتھ نہ لگانا۔ شاید بھرا ہوا ہو"
"جی بہتر" آرزو فائل میں سے کاغذ نکال کر

خط کی کاپیاں بنانے لگی۔

"میں ذرا جا رہی ہوں۔ تم لکھو۔ تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔"

"بیگم صاحبہ مجھے ایک جگہ ضروری جانا ہے۔ آپ۔" آرزو دھڑکتے دل کے ساتھ بولی۔

"ہاں ہاں بیٹھ لکھ کر تم چلی جانا۔" بیگم رشدی بولیں۔

"جی بہتر۔" آرزو پھر اپنے کام میں ہو گئی۔

وہ تصوری تصور میں اسے انتظار کرتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ عین اسی لمحے دروازہ کھلا اور صابر داخل ہوا۔ آرزو گھبرا سی گئی۔ صابر ڈھٹائی سے اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ "بیگم رشدی کہاں ہیں۔" "جی۔ وہ باہر گئی ہیں۔ دیر میں آئیں گی۔" آرزو اس خیال سے بولی، اسے علم تھا کہ مسز رشدی اس آدمی سے ملنا نہیں چاہتیں۔ "کوئی بات نہیں۔ میں انتظار کر لیتا ہوں۔" وہ اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ آرزو گھبرا رہی تھی مگر کام کیے جا رہی تھی۔

"کیا نام ہے تمہارا۔" صابر اسے وحشت زدہ نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"جی۔ آپ کو میرے نام سے کیا مطلب۔" آرزو کو غصہ آ گیا۔

"مطلب ہے تبھی تو پوچھ رہا ہوں۔ ویسے مجھے علم ہے۔ تمہارا نام آرزو ہے۔" صابر ہنس کر بولا۔ آرزو اور زیادہ گھبرا گئی۔

"بہت خوبصورت ہو تم۔" وہ اس کے قریب ہوتے ہوئے بولا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" آرزو غصے سے بولی۔

"تعریف کر رہا ہوں تمہاری۔" وہ اور زیادہ قریب ہو گیا۔"

"ہوش میں ہیں آپ" آرزو پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ "تمہیں دیکھ کر کسے ہوش رہتا ہے" صابر اپنا چہرہ اس کے قریب کرتا ہوا بولا۔

"بدتمیز" آرزو نے زور سے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ صابر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ کہنے لگا۔

"نخرے کیوں کرتی ہو۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے تمہیں ابھی اور اسی وقت اپنے ساتھ لے چلوں گا" آرزو نے اس سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا لیکن وہ اس پر جھپٹا۔ آرزو دروازے کی طرف لپکی۔ صابر نے دوڑ کر کمرے کی کنڈی چڑھا دی۔ آرزو کا رنگ سفید پڑ چکا تھا۔ خوف اور غصے سے اس کی عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔ وہ پستول کی طرف لپکی اور پستول اٹھا لیا۔ صابر ہنستا ہوا قریب آیا۔ تو آرزو نے گولی چلا دی۔

گولی چلی۔ اور صابر کا ہاتھ سینے کی طرف بڑھا۔ وہ کمرے میں لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ لال لال خون اس کی قمیض کو سرخ بنا رہا تھا۔ اور وہ کمرے میں تڑپ رہا تھا۔ ادھر سے ادھر لوٹ رہا تھا۔ گالیاں بک رہا تھا۔ "ذلیل۔ دھوکا کیا میرے ساتھ" اگلے لمحے وہ ڈھیر ہو گیا۔ آرزو کے ہاتھ میں پستول تھا۔ آنکھیں جیسے پتھرا گئی تھیں اور وہ بے حس سی کھڑی تھی۔ کسی نے زور زور سے دروازہ پیٹا۔ لیکن وہ اسی طرح کھڑی تھی۔

اور پھر بہت سارے لوگ جن میں بیگم رشدی بھی تھیں۔ کھڑکی سے پھلانگ کر اندر آئے۔ وہ اسی طرح صابر کی لاش کو دیکھے جا رہی تھی۔

"آرزو" بیگم رشدی اس کے قریب آئیں۔ "یہ کیا کر دیا تم نے۔ میرے گھر میں قتل کر دیا اف خدایا۔ میں تو بدنام ہو جاؤں گی" "یہ کیا کر دیا تم نے"

"میں نے۔ میں نے۔" آرزو کے لب کانپنے لگے۔ "میں نے اسے قتل کر دیا۔ یہ میری عزت

لوٹ لینا چاہتا تھا۔"

"مصیبت کر دی تم نے۔ شرفو۔ جاؤ پولیس کو ٹیلیفون کرو۔" بیگم رشدی بولیں۔

آرزو اسی طرح سکتے کے عالم میں کھڑی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں پولیس آگئی۔ انہوں نے آرزو کو حراست میں لے لیا۔ اور ضروری کارروائی کرنے کے بعد آرزو کو تھانے بھیج دیا۔

آرزو کا دماغ ابھی تک آؤٹ تھا۔ اسے کچھ پتہ نہ چل رہا تھا اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ بیگم رشدی نے پولیس کو جو بیان دیا تھا اس میں وہ صاف مکر گئی کہ وہ صابر کو جانتی تھی اس نے صابر کو آرزو کا ملنے والا بتایا۔ شام ہو رہی تھی۔ ایمبولنس آئی۔ صابر کی لاش پوسٹمارٹم کے لئے ہسپتال بھیج دی گئی۔

مسز رشدی مطمئن تھی۔ آج اس کے دو دشمن ختم ہو گئے تھے۔ پولیس اب تک اپنی رپورٹ مکمل کرنے میں مگن تھی۔

چھ بجے۔ سات بج گئے۔ آٹھ بجے
تو شمو کہنے لگی۔ وہ شاید نہیں آئے گی۔ مگر تم نے
تو کہا ہے کہ اس نے وعدہ کیا ہے۔ ہاں۔ مگر۔
شاید کام زیادہ ہو گیا ہوگا۔

"تو ہم وہیں چلے چلتے ہیں تمہیں علم ہے
وہ کہاں ملازمت کرتی ہے" دانش بولا۔ ہاں
تو آؤ چلو۔ دونوں باہر نکلے۔ گاڑی میں بیٹھے۔
شمو نے راستہ بتایا۔

دانش نے چونکہ کبھی مسز رشدی کا گھر
نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے اسے پتہ بھی نہ چلا بیگم
رشدی کی کوٹھی آگئی۔

دانش کی بے تابیاں تڑپ رہی تھیں۔
گاڑی روک کر بولا "جلدی آنا"

"اچھا" شمو اتری۔ مگر دیکھ کر ٹھٹھک گئی
پولیس والے کچھ پوچھ گچھ کر رہے تھے اور کچھ لوگ
بھی جمع تھے۔

"یہاں تو کوئی ہنگامہ ہوا ہے۔ بڑے لوگ
جمع ہیں"

"کیا بات ہے۔ پولیس بھی ہے" دانش

گاڑی سے نیچے اتر کر بولا۔

"اللہ خیر کرے" شمو پریشان سی ہو گئی۔

"کیا بات ہے" پاس سے گزرتے ہوئے ایک آدمی سے دانش نے پوچھا۔

"قتل ہو گیا" آدمی بولا۔ "کیا" شمو پریشانی سے بولی۔

"جی ہاں" آدمی نے کہا۔ دانش اور شمو دوڑ کر کوٹھی کے اندر گئے۔ ڈرائنگ روم سے بیگم رشدی نکل رہی تھیں۔ دانش دیکھ کر حیران رہ گیا کہنے لگا "بیگم رشدی"

"انہیں کے ہاں تو آرزو ملازم ہے" شمو بولی۔

"ان کے ہاں۔ کیوں" دانش کے دماغ میں جھکڑ سے چلنے لگے۔ بیگم رشدی نے دانش کو دیکھ لیا۔ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے وہ دانش کی طرف چلی آئی۔ دانش نے غصے سے اس طرف دیکھا۔

"اوہ۔ دانش تم" بیگم رشدی اپنے ماتھے کو ہاتھ سے ملتے بولیں۔

"آرزو کہاں ہے" دانش نے غصے سے پوچھا۔

"تھانے لے گئے اسے" بیگم رشدی بولیں۔ "کیوں" شمو اور دانش ایک ساتھ چیخے "اس لڑکی کو میں ایسا ہرگز نہیں سمجھتی تھی۔ اس نے تو میرے گھر کو بدنام کر دیا مجھے کیا پتہ تھا۔ وہ اس طرح کی لڑکی ہے"

"بتاؤ آرزو کو کیا ہوا ہے" دانش نے بیگم رشدی کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑا۔

اس نے قتل کر دیا ہے" بیگم رشدی نے جواب دیا۔

بیگم رشدی کی بات نہیں تھی۔ ایک بم تھا۔ جو دانش پر گرا۔ وہ سکتے میں رہ گیا۔ شمو کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا "یہ۔ یہ کیسے ہو گیا۔ وہ تو" شمو آگے کچھ نہ بول سکی۔

اور ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

"کیا یہ بھی لڑکی تھی جس کا تم ذکر کیا کرتے تھے" بیگم رشدی نے پوچھا۔ لیکن دانش جیسے ہوش میں نہیں تھا۔

"کس کو قتل کیا ہے اس نے" شمو روتے ہوئے بولی۔

"معلوم نہیں کون ہے۔ کوئی اسی کا جاننے والا تھا۔ اس سے ملنے میرے دفتر بھی آیا ہے وہ" بیگم رشدی دانش کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"جھوٹ بولتی ہیں آپ" شمو چیخ کر بولی۔ اس کا کوئی جاننے والا نہیں تھا۔

"مجھے کیا معلوم۔ میں تو خود بہت پریشان ہوں اگر اس کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی تھی تو وہ مجھ سے کہتی۔ قتل اور پھر میرے گھر میں" بیگم رشدی لہجے میں پریشانی لاتے ہوئے بولیں۔

دانش سے وہاں کھڑا رہنا محال ہو گیا تھا۔ اس نے شمو کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا۔

"آؤ شمو" تیز رفتار سے گاڑی بھگاتے ہوئے وہ تھانے پہنچا۔

آرزو کو انہوں نے بند کر رکھا تھا۔ اور وہ اب تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے فضاؤں میں دیکھ رہی تھی۔ انسپکٹر سے اجازت لے کر وہ دونوں آرزو کے پاس پہنچے۔ وہ اسی طرح تصویر کی طرح بے حس کھڑی تھی۔

"آرزو" دانش جذبات میں گھٹی ہوئی آواز میں بولا۔

"راجہ" آرزو اسے دیکھ کر چیخ اٹھی۔

"راجہ۔ میں نے اسے مار ڈالا۔ وہ میری عزت لوٹ لینا چاہتا تھا"۔

"یہ کیا کر دیا تم نے آرزو" شمو روتے ہوئے بولی۔

"مگر، مگر آرزو وہ کون تھا تمہیں کیسے ملا تھا؟" دانش آہستہ سے بولا۔

"میں اسے نہیں جانتی راجہ۔ وہ بیگم صاحبہ کا ملنے والا تھا؟"

درد قطرہ قطرہ ہو کر اس کی آنکھوں سے بہنے لگا، مگر بیگم رشدی تو کہتی ہے وہ تمہارا ملنے والا تھا۔ شمو بولی۔

"یہ جھوٹ ہے۔ بہتان ہے؟"

وہ بیگم صاحبہ سے اکثر ملنے آیا کرتا تھا۔ آج بھی بیگم صاحبہ سے ملنے آیا تھا۔ اور مجھے اکیلا دیکھ کر اس نے مجھ سے دست درازی شروع کر دی۔ میرے پاس اپنے بچاؤ کا کوئی چارہ نہیں رہا تو۔ میں نے اسے شوٹ کر دیا؟"

"کیوں؟" دانش غصے سے بولا۔

"پستول کہاں سے آیا تمہارے پاس؟" شمو بولی۔

"وہیں رکھا تھا؟" آرزو نے کہا۔

"تو یہ سب بیگم رشدی کا چکر ہے؟" دانش کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

آرزو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"چپ ہو جاؤ آرزو۔ تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں تمہیں موت سے چھین لوں گا۔ اور اگر خدانخواستہ میں اس میں ناکام ہو گیا تب بھی تمہارے ساتھ ہوں؟" دانش گھٹتی ہوئی آواز میں بولا۔

"راجہ۔ میرے راجہ۔ مجھے۔ مجھے معاف کر دو؟" آرزو نے دانش کے ہاتھ پکڑ لیے۔

"آرزو؟" دانش کے ذہن میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ کہنے لگا۔

"شمو تم یہیں ٹھہرو۔ میں کوشش کرتا ہوں ضمانت ہو سکے۔"

شمو آرزو سے لپٹ گئی۔ "شمو اماں کے پاس جا کر اسے تسلی دینا۔" آرزو کٹی ہوئی آواز میں بولی۔

"وہ بے چاری تو سن کر زندہ نہ رہ سکیں گی۔" شمو بولی۔

"کاش شمو میں تمہاری بات مان لیتی۔ تمہارے ساتھ چلی جاتی۔ یہ ظلم تو نہ ہوتا مجھ پر"

آرزو بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ کچھ دیر بعد دانش آ گیا۔

"کیا ہوا بھیا۔" "کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں نے اپنی تمام کوشش کر لی۔ ضمانت نہیں ہو سکتی"

دانش مایوس ہو کر بولا۔

کچھ دیر وہ وہاں رہے۔ آرزو نے سارا قصہ دانش کو سنا دیا۔

رات ہو گئی تو وہ دونوں جانے لگے۔

"مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ راجہ" آرزو تڑپ کر بولی۔

"آرزو۔ حوصلہ کرو۔ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اب اس مصیبت سے نجات دلانے کے لیے بھی تو کچھ بندوبست کرنا ہے" دانش اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔

"اچھا آرزو۔ خدا حافظ" شمو آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"آؤ بھیا" شمو اور دانش جانے لگے تو اس کی ہچکیاں بڑھ گئیں۔

دانش کے دل کے ٹکڑے ہو گئے۔ اس نے ایک نظر دیکھا اور تیزی سے باہر نکل آیا۔ شمو باہر نکل رہی تھی کہ اس نے دیکھا آرزو کی اماں روتی ہوئی چلی آ رہی ہے۔

شمو اماں کے ساتھ آرزو کے پاس چلی گئی۔

اور دانش وکیل کے ہاں چلا گیا۔ ماں بیٹیاں ایک دوسرے کو دیکھ کر یوں ملیں کہ دیکھنے والوں کے کلیجے شق ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد شو اور اماں واپس آ گئیں۔ اور آرزو رہ گئی۔ اکیلی۔ تنہا۔ حوالات کی وحشت ناک دیواریں یا چند وحشت ناک چہرے۔

۴۵

کورٹ لوگوں سے کھچا کھچ بھرا پڑا تھا۔ دانش نے شہر کے مشہور ایڈووکیٹ کو آرزو کی حمایت میں مقرر کیا تھا۔

ثمو بھی بھیگی آنکھوں کے ساتھ لوگوں میں بیٹھی تھی۔ اور دانش کے ساتھ کھڑا تھا۔

بیگم رشدی سفید ساڑھی میں ملبوس لوگوں میں آکر بیٹھیں تو دانش کی نظر اٹھی۔

بیگم رشدی نے اشارے سے اسے اپنے پاس بلایا۔

"جی!" دانش الجھا الجھا سا بولا۔

"میری دعا ہے کہ آرزو بچ جائے" بیگم رشدی بولیں۔ دانش نے گہری نظر اس پر ڈالی۔ اور پوچھنے لگا۔

"آپ واقعی صابر کو نہیں جانتیں!"

"بلیو می دانش۔ میں واقعی اسے نہیں جانتی وہ آرزو کا ملنے والا ہے" بیگم رشدی بولیں۔

"وہ آرزو کا جاننے والا نہیں ہے۔ میں آرزو سے پوچھ چکا ہوں۔ اور وہ جھوٹ نہیں بولتی" دانش غصے سے بولا۔

"بہت بھولے ہو" مسز رشدی ہنسیں۔ دانش ایک جلتی ہوئی نظر ڈال کر رہ گیا
"صابر اس لڑکی کی کمزوری تھا۔ اور وہ تمہیں بھلا کیسے بتائے گی کہ وہ صابر کو
جانتی ہے اور پھر اس نے صابر کو قتل کر دیا۔ کچھ تو ہو گا جو نوبت قتل تک پہنچی"
مسز رشدی کی بات سے دانش ایک بار پھر ڈول سا گیا۔ جانے کیوں اسے
لگا۔ جیسے بیگم رشدی سچ کہہ رہی ہے۔ اور آرزو اس سے کچھ چھپا رہی ہے۔ وہ بیگم
رشدی کو وہیں چھوڑ کر شمو کے پاس آ گیا۔
"کیا ہو گا بھیا" شمو کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔
"شمو بہن مجھے سچ سچ بتا دو۔ آرزو صابر کو جانتی ہے"
شک کے سمندر میں ڈولتا ہوا دانش بولا۔
"نہیں بھیا۔ وہ بالکل نہیں جانتی۔ آرزو کی کوئی بات مجھ سے چھپی نہیں۔ اس کے
منہ سے میں نے آج تک صابر کا نام بھی نہیں سنا۔ اور نہ ہی کوئی شخص اس کے ساتھ
دیکھا ہے۔ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ صابر کے ساتھ اس کی جان پہچان تھی۔ وہ واقعی
نہیں جانتی۔ مجھے تو یہ اسی عورت کا چکر لگتا ہے"
"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو" دانش نے کہا۔
"اس لئے کہ صبح مجھے ہیڈ مسٹریس نے بتایا ہے کہ آرزو کو اسکول سے نکلوانے
والی بھی یہی محترمہ ہیں۔ اور اپنے ہاں ملازمت دینا بھی اس کی چال تھی"
"کیسے" دانش حیرت سے بولا۔ وہ یوں کہ جس روز آرزو کی نوکری ختم ہوئی
صبح یہ میرے پاس آئی تھی۔ اور مجھے بتایا کہ اس کے ہاں جگہ خالی ہے۔
"مگر" دانش پریشانی سے اس کا چہرہ تک رہا تھا۔

ہاں بھیا۔ مجھے تو یہی لگتا ہے۔ یہ عورت آرزو کی دشمن ہے۔ ابھی وہ بات ہی کر رہے تھے کہ جج نے آ کر اپنی کرسی سنبھالی۔

اور ساتھ ہی دو لیڈیز کانسٹبل مردہ سی آرزو کو تھامے آ گئیں۔ آرزو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑی یوں لگ رہی تھی جیسے ابھی گر پڑے گی۔

کیا حالت ہو گئی اس کی ۔ ثمو آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی۔

۔ آرزو نے ایک نظر دانش کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بے لبسی تھی دانش کو لگا۔ جیسے وہ آنکھیں اس سے کہہ رہی ہوں۔

"مجھے بچا لو۔ دانش۔ میں زندہ رہنا چاہتی ہوں"

دانش ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔

۔ جج نے مقدمے کی کارروائی شروع کرنے کا حکم دیا۔ تو سرکاری وکیل اٹھا اور ملزمہ سے سوال کرنے کی اجازت پا کر آرزو کے کٹہرے کے قریب آیا۔

"مس آرزو۔ آپ صابر کو جانتی ہیں" سرکاری وکیل بھاری آواز میں بولا۔

"صرف چند روز سے" آرزو آہستہ سے بولی۔

۔ آپ اس جان پہچان کو تفصیل سے بیان کریں۔ سرکاری وکیل نے کہا۔

"میں چند روز سے بیگم رشدی کے ہاں آفس سکریٹری ہوں۔ صابر نامی آدمی کا تین بار فون میں نے رلسیو کیا اور بیگم رشدی کو اس کی اطلاع دی۔ ایک بار تو بیگم رشدی نے اس سے بات کی۔ لیکن دوسری بار مجھے کہہ دیا کہ آئندہ اگر صابر کا فون آئے تو کہہ دیا کرو کہ میں نہیں ہوں" آرزو ٹھہری ہوئی غمزدہ سی آواز میں بیان دے رہی تھی۔ اور کرسی پر بیٹھی بیگم رشدی نے پہلو بدلا۔ دانش کی نظریں کبھی آرزو۔ اور کبھی بیگم رشدی کا طواف کر رہی تھیں۔

"بیان جاری ہے"۔ جج کی آواز گونجی۔

"دو روز پہلے میں دفتر گئی تو صابر بیگم صاحبہ سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ مجھے رجسٹر پر سائن لینے کے لئے بیگم رشدی کے کمرے میں جانا پڑا۔ صابر وہاں موجود تھا۔ میں سائن کروا کر واپس آگئی۔ اگلے روز مجھے بیگم رشدی نے اپنے گھر چھ بجے بلایا۔ اس لئے کہ کچھ دفتر کا کام کرنا تھا۔ کچھ کاروباری لیٹر لکھوانے تھے۔ جب میں وہاں پہنچی تو بیگم صاحبہ نے مجھے ایک لیٹر دیا اور کہا کہ میں اس کی کچھ اور کاپیاں بنا دوں۔ اسی میز پر جہاں فائلیں رکھی تھیں۔ ایک پستول بھی رکھا تھا۔ میں نے بیگم صاحبہ سے پستول کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ پستول رشدی صاحب صاف کرتے کرتے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ میں اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔ بیگم صاحبہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔ تھوڑی دیر میں صابر اندر آگیا۔ اس نے مجھ سے بیگم صاحبہ کے بارے میں پوچھا۔ میں نے یہ سوچ کر کہ بیگم صاحبہ اس شخص سے ملنا نہیں چاہتیں کہہ دیا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ اس کے بعد — اس کے بعد۔ وہ۔ میری طرف بڑھا۔ مجھ سے بیہودہ گفتگو کرنے کی کوشش کی۔ اور۔ اور میں گھبرا کر دروازے کی طرف بڑھی۔ لیکن اس نے جلدی سے دروازے کی کنڈی لگا دی۔ اور میری طرف جھپٹا۔ میں نے گھبراہٹ میں پستول اٹھا لیا اور۔ اور اس پر گولی چلا دی۔ میں نے اسے قتل کر دیا"، کہتے ہوئے آرزو نے فتحمندی سے سر اٹھایا۔

سرکاری وکیل نے جج کی طرف دیکھا اور بولا۔

"مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا می لارڈ" ساتھ ہی دانش کا مقرر کیا ہوا وکیل اٹھا اور جج سے مسز رشدی پر جرح کرنے کی اجازت چاہی۔

مسز رشدی ساڑھی سنبھالتے ہوئے گواہوں کے کٹہرے میں آکر کھڑی ہو گئی۔

"بیگم رشدی آپ صابر کو کیسے جانتی ہیں" وکیل بولا۔

"میں صابر کو صرف چند روز سے جانتی ہوں" مسز رشدی اطمینان سے بولیں۔

"کیسے" وکیل نے پوچھا۔

"آرزو کی ملازمت کے بعد۔ وہ دو چار بار آرزو سے ملنے میرے دفتر آیا"

"یہ جھوٹ ہے۔ سراسر بہتان ہے" آرزو چیخی۔

"آرڈر۔ آرڈر۔!" جج نے ہاتھ میز پر مارا۔

"قتل کی شام اسے آپ کے گھر آنے کی جرأت کیسے ہوئی" وکیل نے پوچھا۔

"میں نے آرزو کو گھر بلوایا تھا۔ مجھے سوشل اداروں کو ضروری لیٹر بھجوانے تھے۔ آرزو آئی لیکن بہت جلدی میں تھی۔ میں نے پوچھا تو کہنے لگی۔ مجھے گھر جلدی جانا ہے۔ میں دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ تو اس نے میرے نوکر کو بلا کر کہا کہ باہر کوئی صابر نامی آدمی آئے تو اسے یہاں ڈرائنگ روم میں بھجوا دیا جائے۔ آپ میرے نوکر سے پوچھ سکتے ہیں۔"

"آپ نے پستول ڈرائنگ روم میں کیوں رکھا تھا" وکیل نے دوسرا سوال کیا۔

"میرے شوہر کو پستول صاف کرنے کا خبط ہے۔ وہ پستول صاف کرتے کرتے یہیں چھوڑ گئے۔ اس لئے کہ ان کے دوست کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ اور انہیں اسی وقت گاڑی جانا تھا" بیگم رشدی نے جواب دیا۔

"پستول میں کتنی گولیاں تھیں" وکیل بولا۔

"معلوم نہیں۔ آرزو نے مجھ سے پستول کے بارے میں پوچھا تھا۔ اور میں نے اسے بتایا تھا کہ اسے چھونا مت یہ شاید بھرا ہوا ہے"

"آپ نے پستول اٹھایا کیوں نہیں۔ جب کہ آپ کو علم تھا کہ بھرا ہوا ہے" وکیل بولا۔

مجھے خیال ضرور آیا تھا لیکن پھر میں یونہی کمرے سے باہر نکل گئی۔ سوچا ابھی اٹھا لیتی ہوں۔ بیگم رشدی سوالوں کا جواب دے کر اپنی کرسی پر جا بیٹھیں۔

وکیل نے نوکر پر جرح کی۔ تو اس نے بھی یہی بتایا کہ آرزو نے اس سے کہا تھا کہ صابر آئے تو اسے اندر لے آنا۔ تھوڑی دیر بعد صابر آیا۔ تو وہ اسے اندر لے آیا۔ آرزو ایک بار پھر چیخی۔

"یہ جھوٹ ہے۔ میں صابر کو نہیں جانتی۔ بالکل نہیں جانتی"

دانش بے بسی سے کبھی آرزو کو دیکھ رہا تھا کبھی مسز رشدی کو۔

مسز رشدی کے بیان اور گواہوں کے بیان سے وہ بھی شک میں پڑ گیا تھا۔

مقدمے کی کارروائی دوسرے دن پر طے پائی اور عدالت برخواست ہو گئی۔

لوگ جا رہے تھے۔ دانش، شمو اور انور آرزو کے قریب آئے۔

تو آرزو سسک پڑی۔

"میں بے قصور ہوں راجہ۔ یہ عورت جھوٹ بولتی ہے۔ میں صابر کو بالکل نہیں جانتی مجھے تمہارے سر کی قسم راجہ۔ میں بے گناہ ہوں"

وہ کٹی ہوئی۔ لٹی ہوئی۔ دکھ سے ٹوٹی ہوئی آواز میں بول رہی تھی۔

لیڈیز پولیس اسے پولیس کی گاڑی کی طرف لے جا رہی تھی۔

پولیس کی گاڑی آرزو کو لے گئی۔ لیکن دانش ابھی تک گم سم کھڑا تھا۔ انور نے اسے سہارا دیا اور ساتھ لے گیا۔

" آرزو۔ ! " دانش جیل کی سلاخوں کو
تھام کر بولا۔
" راجہ " آرزو بے تابی سے اس کا ہاتھ
تھام کر بولی۔
" آرزو تم نے مجھے سچ کیوں نہیں بتایا "
دانش تڑپ کر بولا۔
" کیا راجہ ؟ "
" یہی کہ صابر تم سے ملنے آتا رہا ہے "
" یہ جھوٹ ہے راجہ "
" کیسے جھوٹ ہے۔ وہ سارے لوگ کیا
کہہ رہے تھے۔
" وہ سب لوگ بالکل جھوٹے ہیں "
" انہیں تم سے کیا بیر تھا " دانش بولا۔
" یہی تو سمجھ میں نہیں آتا " آرزو رو کر بولی۔
" مجھے تم سے یہ امید نہ تھی آرزو۔ کہ میرے
سوا کوئی اور بھی ہے جیسے تم "
" راجہ۔ ایک لفظ بھی مت کہنا۔ میں اپنی
پاکدامنی پر ایک لفظ بھی برداشت نہیں کر سکتی "
آرزو چیخی۔ اس کی آنکھیں جیسے خون اگل رہی تھیں

چہرہ غصے سے تمتما اٹھا تھا۔

"جاؤ چلے جاؤ۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ مجھے تمہاری ہمدردی نہیں چاہیے۔"

"آرزو۔ خدا کے لیے سچ سچ بتادو۔ صابر کون تھا۔ میں تمہیں بچالوں گا۔ یقیناً مجھ میں کوئی کمی ہوگی جو میں"

"راجہ۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ میں ایک لفظ نہیں سننا چاہتی۔ مجھے تمہاری ہمدردی نہیں چاہیے۔"

اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ لیے اور رونے لگی۔

"آرزو۔ میں نے تو یونہی بات کی تھی۔ تم کیا جانو مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔"

دانش کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔

"جاؤ چلے جاؤ میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔" آرزو نے منہ پھیر لیا۔

دانش لٹا ہوا سا باہر نکل گیا۔ اور کار میں بیٹھ کر وکیل کے ہاں چل دیا۔

دانش کی کار گیٹ سے باہر نکلی اور مسز رشدی کی کار اندر داخل ہوئی۔

اجازت لے کر وہ آرزو کے پاس آئی۔

"آرزو" وہ تیز آواز میں بولی۔

"کیوں آئی ہو یہاں"

آرزو اسے دیکھ کر غصے سے لال ہوگئی۔

"یونہی تم سے ملنے"

بیگم رشدی نے کہا۔

"تماشا دیکھنے آئی ہو۔ دیکھنے آئی ہو کہ جو آگ تم نے لگائی ہے وہ کتنی بھڑک چکی ہے"

"آرزو" مسز رشدی آہستہ سے بولیں۔ آرزو خاموش رہی۔

"تم پر جرم ثابت ہو چکا ہے تمہیں سزا ضرور ہو گی۔ میں صرف اس لئے آئی تھی کہ تم غریب لڑکی ہو۔ کچھ رقم تمہارے گھر والوں کو دے دوں"

آرزو کا دل مچلا گیا۔ خونخوار سی نظروں سے مسز رشدی کو دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"میرے گھر والے تمہاری رقم پر لعنت بھیجتے ہیں۔ جاؤ چلی جاؤ"

وہ غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔ اور مسز رشدی مسکرا کر باہر نکل آئیں۔

جیسے ہی وہ باہر نکلیں آرزو کی اماں سے ٹکرا گئیں۔ جو آرزو سے ملنے آ رہی تھی۔

"تم۔!" آرزو کی اماں اسے دیکھ کر بری طرح چونکیں۔

"تم۔ تم کیسے آئیں" مسز رشدی اسے دیکھ کر بوکھلا سی گئیں۔

"اپنی بیٹی سے ملنے" اماں رو کر بولیں۔

"تمہاری بیٹی یہاں ہے" مسز رشدی لرزتی ہوئی آواز میں بولیں۔

"ہاں" "کیا نام ہے اس کا؟"

"آرزو!" "تم کیوں پوچھتی ہو" اماں غصے سے بولیں۔

"یہ تمہاری اپنی بیٹی ہے" بیگم رشدی کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ رہا تھا۔

"میری سگی بیٹی نہیں۔ لیکن اب یہ میری بیٹی ہے۔ کیونکہ اسے ایک سنگدل ماں نے جنم دیا تھا۔ جو اسے چھوڑ کر چلی گئی۔ اور پلٹ کر کبھی خبر نہ لی" اماں اسے نفرت سے دیکھتے ہوئے بول رہی تھیں۔

اور مسز رشدی کھڑی کھڑی کانپ گئیں ۔

"ہٹو میرے راستے سے" اماں بولیں ۔

مسز رشدی کا پورا وجود کانپ رہا تھا ۔

اماں اندر چلی گئیں ۔

اور وہ مردے کی طرح چلتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ گئیں ۔

کورٹ میں آج پہلے سے زیادہ بھیڑ تھی۔

دانش کا تو برا حال تھا۔ شیو بڑھی ہوئی کپڑے میلے آنکھیں سرخ اور چہرہ تھکا تھکا۔

گزشتہ رات وہ پورا وقت وکیل کے پاس بیٹھا رہا۔ آرزو کو بچانے کے کئی جتن کر چکا تھا مگر کیس آرزو کے خلاف تھا۔

آرزو نے اقبال جرم کر لیا تھا۔ دانش نے پھر اپیل کی۔ وہ بھی منظور نہ ہوئی۔

اور آج اسے فیصلہ سنایا جانا تھا۔

شمو آرزو کی اماں کو سہارا دیئے ایک طرف کھڑی تھی۔ سب کو علم تھا کہ آرزو سزا سے نہیں بچ سکے گی۔

مایوسی تھی۔

دکھ تھے۔

اور ایک عجیب سا وحشت ناک ماحول۔

اور دانش کو سہارا دیتے کھڑا تھا۔

سب ہی تھے۔ لیکن بیگم رشدی نہیں تھیں۔

دانش نے ایک بار دیکھا۔ وہ نظر نہ آئی۔

جج نے آکر اپنی کرسی سنبھالی۔

آرزو کو کٹہرے میں لا کر کھڑا کر دیا گیا۔

کالے دوپٹے میں اس کا سفید چہرہ سوگوار سا تھا۔

دانش کو دیکھ کر اس کی نظروں میں بے بسی سی آگئی۔

دانش تڑپ گیا۔

جج کی آواز نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"مجرمہ آرزو۔ تم نے پچیس جون کی شام کو صابر نامی شخص کو قتل کیا ہے۔ تم پر یہ قتل ثابت ہو چکا۔ ممبران جیوری اور عدالت اس بات پر متفق ہے کہ تم قاتلہ ہو۔ لہذا تمہیں زیر دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند چودہ سال ......

"ٹھہریئے جج صاحب"

سب نے ایک دم مڑ کر دیکھا۔ دروازے کے پاس بیگم رشدی ٹیک لگائے کھڑی تھیں۔ بال بکھرے ہوئے، چہرے پر وحشت، آنکھوں میں ویرانیاں۔ لوگ چونک گئے۔

"صابر کو میں نے قتل کیا ہے" بیگم رشدی الٹی ہوئی آواز میں بولیں۔

عدالت میں ایک شور سا مچ گیا۔

"آرڈر۔ آرڈر"

جج نے ہاتھ میز پر مارا۔

بیگم رشدی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آرزو کے کٹہرے کے پاس آگئی۔ جو حیرت سے بیگم رشدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"قتل میں نے کیا ہے جج صاحب. سزا مجھے دیجیے۔"
"بیگم رشدی کو حراست میں لے لیا جائے۔" جج نے حکم دیا۔
بیگم رشدی خود ہی ملزموں کے کٹہرے میں آکر کھڑی ہو گئیں۔
"آپ یہ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ قتل آپ نے کیا ہے؟"
سرکاری وکیل اٹھ کر قریب آگیا۔
"صابر مجھے بلیک میل کرتا تھا میں اس سے تنگ آچکی تھی۔"
بیگم رشدی بولیں۔
"مگر آپ تو کہہ چکی ہیں کہ آپ صابر کو نہیں جانتیں؟"
سرکاری وکیل بولا۔
"میں جھوٹ بولا تھا۔"
"کیوں؟"
"اس وقت تک مجھے یہ پتہ نہیں تھا کہ آرزو کون ہے؟"
بیگم رشدی نے حسرت بھری نظروں سے آرزو کی طرف دیکھا۔
"آپ کو صابر بلیک میل کیوں کرتا تھا؟"
وکیل نے پوچھا۔
"اس لیے۔ اس لیے کہ بیس سال پہلے میں نے اس کے ذریعے اپنے شوہر کو زہر کے انجکشن لگوائے تھے۔"
آرزو کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔
اور دانش نے چونک کر مسز رشدی کی طرف دیکھا۔

"یہ ایک لمبی کہانی ہے جج صاحب۔ میری ذلت کی کہانی ہے۔ جو آج میں سنانے پر مجبور ہوں۔"

بیس سال پہلے میں ایک غریب آدمی کی بیوی تھی۔ میری ایک بچی تھی لیکن دولت کی چمک نے مجھے اندھا کر دیا۔

میں۔ میں اپنے شوہر کے بوس کی باتوں میں آ گئی۔

صابر میرے شوہر کے بوس کا آدمی تھا۔ میں نے جب اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا۔ اس نے انکار کر دیا۔ کیونکہ اسے مجھ سے بہت پیار تھا۔ میں نے جب دیکھا کہ وہ مجھے کبھی طلاق نہیں دے گا۔ میری بے رخی سے وہ بیمار پڑ گیا تھا۔ میں نے صابر کی مدد سے اسے زہر کے انجکشن لگوائے۔ اور وہ ایک ماہ کے اندر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا۔ میں اس بچی کو اپنے شوہر کے دوست کے حوالے کر کے بوس کے ساتھ دوسرے شہر چلی آئی۔ بعد میں میرا شوہر مر گیا۔ میں نے سیٹھ سے شادی کر لی۔ لیکن سیٹھ بھی کچھ عرصے بعد مر گیا۔ اب میں دولت مند عورت تھی۔ میں نے رشدی سے شادی کر لی۔

صابر ہر سال مجھ سے کچھ رقم وصول کیا کرتا تھا۔ اس بار اس کا مطالبہ زیادہ تھا۔ میں نے انکار کیا تو اس نے راز فاش کرنے کی دھمکی دی۔

پھر۔ پھر اتفاق سے آرزو جو میری آفس سکریٹری تھی۔ اس کا مطالبہ بن گئی۔ چنانچہ میں نے اس لڑکی کو اپنے گھر بلایا۔ اور صابر سے پلان بنایا۔ جو پستول میں نے ڈرائنگ روم میں رکھا تھا اس میں نقلی گولی تھی۔

اسی لمحے میں نے کھڑکی کی آڑ سے گولی چلائی۔

میری گولی صابر کے سینے میں لگی۔ صابر ڈھیر ہو گیا۔

"بیگم رشدی ہانپتے کانپتے سنا رہی تھی۔ اتنا کہنے کے بعد خاموش ہو گئیں۔

"لیکن جب آپ کو علم تھا کہ صابر کا مطالبہ اس لڑکی کو لے جانے سے پورا ہو جائے گا۔ پھر آپ نے اسے کیوں شوٹ کیا؟" وکیل نے سوال کیا۔

"وہ اس لئے کہ صابر ہمیشہ یہی وعدہ کرتا تھا کہ وہ پھر نہیں آئے گا۔ لیکن سال بعد پھر آ جاتا۔ مجھے اس کے وعدے پر یقین نہیں تھا۔" بیگم رشدی نے کہا۔

"لیکن جب کہ جرم آرزو پر ثابت ہو چکا تھا۔ آپ نے اب کیوں یہ راز بتایا؟" وکیل بولا۔

وکیل کا یہ سوال مسز رشدی پر ایک کاری ضرب کی طرح لگا۔ لٹی ہوئی آواز میں بولیں "اس لیے۔ اس لئے۔ کہ یہ مجھے کل شام علم ہوا کہ آرزو میری وہی بیٹی ہے جسے میں بیس سال پہلے چھوڑ آئی تھی۔"

"دیٹ از آل می لارڈ" وکیل نے کہا۔

اور اپنی سیٹ پر جا بیٹھا۔

جج نے ممبران جیوری کی رائے طلب کی اور بولا۔

"بیگم رشدی کو حراست میں لے لیا جائے اور مس آرزو کو باعزت بری کیا جاتا ہے"

دانش، انور شمو ایک دم آرزو کی طرف بڑھے۔

عدالت برخواست ہو گئی۔

آرزو کی نظریں اب تک مسز رشدی کی طرف تھیں۔ ہونٹ لرز رہے تھے۔

اور بیگم رشدی اسے پیار سے دیکھ رہی تھیں۔

آرزو کٹہرے سے باہر آئی۔

اور مسز رشدی کو پولیس باہر گاڑی کی طرف لے جانے کے لئے پاس سے گزری تو وہ تڑپ کر بولیں۔

"آرزو۔ میری بیٹی!"

آرزو اسے دیکھ کر وہیں کھڑی ہو گئی۔

"مجھے ایک بار ماں کہو آرزو۔ میرے سینے سے لگ جاؤ بیٹی۔ مجھے معاف کر دو۔ اپنی اس گناہ گار ماں کو معاف کر دو!"

آرزو نے ایک بار دیکھا اور بے تابی سے روتے ہوئے اس کے سینے سے جا لگی

"امی۔!"

"میری بیٹی۔ میری چاند۔ میری جان!"

بیگم رشدی دیوانہ وار اسے چومنے لگیں۔

"دانش!" بیگم رشدی نے اسے دیکھ کر کہا۔

دانش قریب ہو گیا۔

"میری بیٹی کو سکھی رکھنا۔ میں جانتی ہوں تم اس سے بہت محبت کرتے ہو!"

اماں قریب آئیں تو مسز رشدی اماں سے لپٹ گئیں۔

روتی ہوئی وہ سب سے جدا ہو کر پولیس کی گاڑی میں بیٹھ گئیں۔

آرزو تڑپ رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں بے بسی سی تھی۔

چہرے پر ماں کی پیاس تھی۔

دانش نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔

"آرزو"

جذبے بے قرار ہو گئے۔

دانش۔ آرزو کی آنکھیں برس رہی تھیں۔

"آیئے میں آپ سب کو پہنچا آؤں"۔ انور نے موقع دیکھ کر شمو اور اماں کو اپنی گاڑی میں بٹھا لیا۔ دانش آرزو کو سہارا دیتے ہوئے اپنی گاڑی میں لے آیا۔

"چپ ہو جاؤ آرزو۔ جو ہونا تھا ہو چکا" "دانش"۔ آرزو نے اپنا سر اس کے سینے سے لگا لیا۔ "میری آرزو۔ میری جان۔ میری زندگی"

دانش نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

آرزو کا سر اس کے کندھے پر تھا اور سامنے جیون کی لمبی راہ پھیلی تھی۔

غم واندوہ کے اس وسیع گلشن میں، جسے بادِ سموم نے جلا کر خاک کر دیا ہے

محترمہ نیلوفر تیموری کے

پھول مسکرائے

حسن و محبت کی عظیم داستان جس میں گھریلو زندگی کے
بیتے واقعات کا بہترین تجزیہ کیا گیا ہے نیلوفر
تیموری کا تازہ ترین معاشرتی و اصلاحی افسانوی
نقش ——— جو ہمیشہ کے لئے آپ کے
دل پر چسپاں ہو جائے گا۔

پھول مسکرائے

امید ہے کہ ایک مسکراہٹ کے ساتھ پسند کی جائیگی

ناز کتاب گھر شاندار مارکیٹ
مٹیا محل دہلی ۶

معترمہ روبینہ نازلی کا دوسرا لاجواب اور بے نظیر ناول

سُوزنیم

ایسا عظیم ناول جس کا دلکش ڈرامائی انداز اور ماحول کی جاذبیت قاری کے ذہن پر گہرا تاثر اور پائیدار نقوش چھوڑتی چلی جاتی ہے۔

روبینہ نازلی

نے اپنے پہلے ناول **طوسیہ** کے بعد اس ناول میں زرق برق جھلملاتی ہوئی رنگینیوں کے شاہکار جمع کئے ہیں جو جذبات اور احساسات کو بھی نفع نقصان کے ترازو میں تولتے نظر آتے ہیں۔ ہر کردار اپنی تصویر کے جاندار خاکے ہاتھوں میں لئے ابھرتا محسوس ہوتا ہے۔

ناز کتاب گھر کے شاندار ناولوں کے تیسرے سیٹ کا ایک اور نیا اور بہترین ناول جس کے بغیر آپ کی لائبریری ادھوری ہے۔

فرزانہ یاسمین

آپ کے لئے نئی مصنفہ، لیکن میدانِ ادب کی پرانی راہرو ہیں

وفا

پیش کرتی ہیں۔ اپنی تحریر کے دلکش اسلوب، واقعاتی زیروبم اور حسین وجمیل کرداروں کے ساتھ۔

ہمارے معاشرہ کے ان اقدار کی داستان ہے جن سے مسرت والم اور حسرت وانبساط کے دوگونہ جذبات وابستہ ہیں۔ جہاں

وفا: حرص وہوس کی تلخیاں بھی ہیں اور خلوص ومحبت کی دلنشین دھیمی اور سکون بخش آنچ بھی۔

ہمارے ادارے کے تین روپے سیٹ

کا دوسرا بہترین ناول

ناز کتاب گھر، ۶ شانہ اردو مارکیٹ مٹیا محل دہلی ۶